حقائق الاسلام

(حقیقت حسن الاعمال و اخلاق اور حقیقت الایمان)

حافظ محمد سرور کوہاٹی

دوست ایسوسی ایٹس

پرنٹرز۔ پبلشرز۔ سپلائرز

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور فون : 7122981

جملہ حقوق محفوظ

1997ء
محمد شاہد عادل نے
عصمت اسلم پرنٹرز سے چھپوا کر
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
سے شائع کی۔

قیمت: 150 روپے

فہرست مضامین حقائق اسلام

مقدمہ 7
متلاشیان حقیقت سے گزارش 24
علمائے حق کی خدمت میں التماس 28
حقائق الاسلام حصہ اول 32
ایک خاص دعائے نبویؐ 33

باب اول

فصل اول

نصب العین 35
مقصد حیات انسانیہ اور قرآن و
جماعت اسلامیہ 36
تعریف حسن عمل 42

فصل دوم

مقصد بعثت انبیائے کرام اور اہمیت
اخلاق 44
تیری ایک جامع شہادت 48
اسوہ حسنہ کے معنی 50
حضورؐ کی برے اخلاق سے بچنے اور
نیک اخلاق حاصل کرنے کی دعا 50

فصل سوم

اخلاق کے متفرق احکام 54
اخلاق کے مستحق غیر مسلم بھی ہیں نہ
کہ خاص مسلمان 57
حقیقت بر و اثم 58
اخلاق اور اسلام 59

فصل چہارم

روز قیامت اور اخلاق کا نتیجہ 64
آمدم بر سر مطلب 72
اسلام میں اعتقادات کی حیثیت 73
مدارج جنت پر اخلاق کا اثر 74

فصل پنجم

تعریف الاخلاق 77
حقوق اللہ و حقوق العباد کی حقیقت
و تشریح 78
اخلاق کی تعریف 79
عبادات پر اخلاق کی فوقیت 80
ایک خاص نکتہ 83

فصل ششم

اساس اخلاق اور ان کی تفصیل 90
"قوت علم کی تشریح" 90
حفظ نفس، قوت علم 91
"قوت غضب کی تشریح" 92
حفظ نفس، قوت غضب 92

"قوت شہوت کی تشریح" 93
حفظ نفس، قوت شہوت 94
فضائل اخلاق حسنہ، رذائل
اخلاق سیئہ 95

فصل ہفتم

اخلاق حسنہ اور دور اول کی جماعت
اسلامیہ 101
دوسرا واقعہ 106
جماعت اسلامیہ کے اخلاق کے متعلق
حربی کفار کی شہادت 107
اجناوین کا پراز عمل و اخلاص ایک
عبرت انگیز و سبق آموز واقعہ 109
اخلاق حسنہ اور دور حاضر کی جماعت
اسلامیہ 113
آمدم بر سر مطلب 116
فہرست کتاب الایمانیات 118
فہرست کتاب الاحکام و الاعمال 118
اخلاقی امراض کے اسباب اور ان کا
صحیح و کامل علاج 121
ایک سوال اور اس کا جواب 123
علاج اور لفظ اسلام کے معنی 124
لفظ مسلم کے معنی 125
علاج دوم 129
اصلاح اخلاق کے پانچ زریں اصول 131
معیار صحت اخلاق 134
دو آخری نکات 137
دوسرا نکتہ 138
ایک آخری اور ہمدردانہ التجا 139

فصل ہشتم

ایک نہایت مخلصانہ مشورہ 142

باب دوم

حقیقت الایمان و العمل 150

فصل اول

ایمان و اسلام ایک ہے 152
آغاز بحث 155
بحث اول۔ ایمان و اسلام اور مومن
و مسلم کی وجہ تسمیہ 155
سوال۔ جواب 158
تحقیق اسلام، از روئے لغات القرآن 158
ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ 161
اسلام اور نور قلب 171

فصل دوم

حقیقت ایمان و عمل 177
سوال 177
جواب 178

بیان فساد و خطرے سے پہلے صرف دو
نقلی جواب 178
جواب دوم 179
تشریح امکان فساد 182
ایمان و عمل ایک ہونے کے متعلق
دلائل و براہین 184
کیا ایمان تجزی شے ہے؟ 190
ایک دوسری صورت 192
مرجیہ اور ایمان و عمل میں تفریق 195
مرجیہ کی ایک اور قسم 195
حقیقت ایمان 203

فصل سوم

ایمان بنیاد اور عمل اس کی چھت ہے 205
ایمان و اعتقاد میں فرق 206
ایمان میں کمی بیشی ہو سکتی ہے 207
اعتقاد حقیقی و عملی کی علامت 210
تاریخی واقعات اور اعتقادی ایمان کی
حقیقت 213
فرعون اور اس کی آل کا ایمان 213
دو یہودیوں کا ایمان 214
ہرقل روم کا اعتقادی ایمان 214
علمائے یہود کا اعتقادی ایمان 215
ابو طالب اور اس کا اعتقادی ایمان 216
ولید ابن مغیرہ کا اعتقادی ایمان 217
ابو جہل اور اس کا اعتقادی ایمان 218
جہات تصدیق و تکذیب 221
سوال۔ جواب 221
ایک باریک نکتہ 225
ایک خاص فیصلہ کن نکتہ اور منکرین
و منکرین کی سزا میں فرق 227
غور الی المقصود 235

فصل چہارم

مومن اور کافر کی پہچان 240
آیت مذکورہ کی شان نزول 240

فصل پنجم

حقیقت کفر 252
پہلی دلیل 253
دوسری دلیل 254
تیسری دلیل 255
چوتھی دلیل 256

فصل ششم

اقسام کفر اور اس کے ذرائع 267
ابتدا 267
سواد اعظم کی حقیقت 272
کفر و گمراہی کا دوسرا راستہ آبا 274

کفر و گمراہی کا تیسرا راستہ	275
کفر و گمراہی کا چوتھا راستہ	281
کفر و گمراہی کا پانچواں راستہ	283
فصل ہفتم	
اقسام کفر	294
(1) دہریت	294
(2) شرک	294
(3) نفاق	296
(4) تکذیب یا تفریق بین الرسل	296
(5) فسق	297
سوال	298
جواب	298
جواب دوم	300
جواب سوم	300
جواب چہارم	302
تلخیص المباحث	306
آمدم بر سر مطلب	308

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد!

[illegible] باخبرہ [illegible]

[illegible]

اللہ تعالیٰ جل و علیٰ شانہ نے اپنی ربوبیت کاملہ و رحمت عامہ کے طفیل تمام مخلوقات کی تخلیق و نشو و نما کا سامان اور نوع انسانی کی پرورش و رشد و ہدایت کا مخصوص جو نظام قائم کر رکھا ہے اس پر جب بھی دل و دماغ کے غور و تعقل اور فکر و شعور سے کام لیا جاتا ہے تو علاوہ تحیر عقل کے زبان گنگ ہو کر رہ جاتی ہے اس سے کہ اپنے خالق حقیقی و معبود برحق کی کماحقہ حمد و ثنا کر کے اظہار عبودیت کر سکے۔

بالخصوص اس نے جو رشد و ہدایت کا سلسلہ قائم کر رکھا ہے اگر صرف اسی پر ہی غور و تدبر کیا جائے تو اس کے احسانات کا شکریہ بصورت بندگی ادا کرنے سے ہم عاجز و قاصر ہیں۔

جب کہ ہر ملک ہر شہر ہر قوم اور ہر ملت کے لیے اپنے موقع و محل کے لحاظ سے اپنا کوئی نہ کوئی پیغمبر و ہادی یعنی بشیر و نذیر بھیجا گیا تاکہ اس کی مخلوق اپنے خالق کو بھول کر ہلاک و برباد نہ ہو جائے حتیٰ کہ سب سے آخر میں نوع انسان کے خزاں رسیدہ چمن فطرت پر سے باد سموم کے جھونکے ختم ہوئے اور ابر کرم آیا، کھل کر برسا اور خوب برسا جس سے تمام زرد و خشک ٹہنیاں پھر سے سرسبز و شاداب ہو گئیں۔ ہرے ہرے پتوں نے سر نکالا، شاخیں جھومنے لگیں، کونپلیں پھوٹیں، کلیاں چٹکیں، پھول متبسم ہوئے، نہیں نہیں بلکہ خوب کھل کھلا کر

کے غنچے' ہر سو ہوائے مشکبار چلی' فضائیں مہک گئیں گویا جس نے اس باغ فطرت میں قدم رکھا تو اس کی نابینا آنکھیں روشن ہو گئیں' قلب مضطر مسرور و محظوظ ہوا' دماغ معطر اور روح مطمئن ہو کر شکر حق ادا کرنے میں مصروف ہو گئی۔

ایک طرف تو یہ ابر رحمت تھا جو قرآنی آیات کی صورت میں وقتاً فوقتاً برسا کیا' دوسری جانب مطلع نبوت پر آفتاب رسالت طلوع ہو کر ضیا پاشیاں کرنے لگا' جس سے تمام تاریکیوں کا جگر شق ہو گیا اور ہر طرف نور ہی نور تھا جو اس نیر اعظم و خاتم الرسل کے چہرہ انور سے پھیل رہا تھا غرض یہ کہ کوئی ایسا فرد نہ تھا جس نے اس گلشن اسلام میں قدم رکھا ہو اور اس کا قلب اسود و محزون مستنیر ہو کر مبدل بہ سکون و طمانیت نہ ہوا ہو۔ علاوہ کوئی پھول ایسا باقی نہ رہا جو اس چمن اسلام کے اندر ہو اور اس نے پھر سے حقیقی زندگی اپنی چمک دمک دلکش حسن و جمال حاصل کر کے روح افزا و صحت بخش عطر بیزی نہ کی ہو۔ گویا قرآنی ابر رحمت نے نئا آمادہ پھولوں میں پھر سے بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ حیات طیبہ پیدا کر دی اور خاتم النبین کے نیر اعظم نے اپنی ضیاء افگنی سے تمام پھولوں میں الوان مختلفہ کی پچکاریاں کیں اور گوناگوں خوشبوئیں بھر دیں جس سے کہ نہ صرف اسی ماحول کو حقیقی حسن و طرب نصیب ہوا بلکہ تمام عالم مہک گیا۔ جہاں جہاں اس کی ہوائے مشکبار چلی وہاں اپنا اثر پھیلاتی گئی۔

لیکن یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ جن خدام اسلام نے اس گلشن اخلاق کے نشوونما میں حصہ لیا اور پانی کے بجائے اس کو اپنے خون قلب سے سینچا اور ہر قسم کے موقع و محل سے ایثار و قربانی سے کام لیا تو جو جو فائدے اور مخلصانہ ثمرات ان کے حصے میں آئیں وہ کسی اور کے حصے میں نہ آسکیں اور نہ ہی اصولاً آسکتی ہیں۔

پس یہ نیر اعظم و خاتم النبین حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور ابر کرم و باد بہاری' آیات قرآنی ہیں جو وقتاً فوقتاً بحکم الٰہی نازل ہوتی رہیں اور یہ گلشن اخلاق یا باغ فطرت' دین اسلام ہے جس پر عرصہ سے دور خزاں کا ورود و نزول رہا' مگر نبی امی فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اس پر پھر سے بہار آئی اور اس شان و است

سے ملی کہ جس کی نظیر نہیں مثل سے پیش کی جا سکتی ہے اور اس کے پھل و ثمرات اس کے فطری اصول و اخلاقی قواعد ہیں اور اس کے عملی نمونہ حضرات صحابہ کرام کا وجود مسعود تھا جن کے ہر قدم کی تقلید کرتے ہوئے انہوں نے اس کا حق [illegible] و صداقت ادا کیا رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

[illegible] قرآن مجید [illegible] کا عمل [illegible] کتاب ہدایت ہے جس نے عقل [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

مگر [illegible] قرآن [illegible] صحابہ کرام [illegible] زندگی اس امر پر شاہد عادل ہے کہ انہوں نے [illegible] کا جواب آج تک کوئی تہذیب و تمدن کا دعویٰ نہ دے سکا ہے یہ قرآنی حق و صداقت کا اعجاز اور اس کا عملی و محسوس و مشہور نتیجہ ہے۔

لیکن حامل قرآن اور صاحب وحی و الہام کے ظاہری و باطنی کمالات کا کیا کہنا کیونکہ جس ذات پاک کے خدام کا جواب دنیا پیش نہ کر سکی، خود اس ذات عالی کا جواب کسی کے پاس کیا ہو سکتا ہے جو سراپا نمونہ قرآن ہے۔

لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

الغرض رسالت محمدیؐ کا دوسرا عملی معجزہ یہ ہے کہ آپ کو ایک ایسی پاک طینت و پاک سیرت اور جانباز و جاں نثار جماعت صحابہ مذکورہ مل گئی جو بحیثیت مجموعی کامل طور سے اطاعت و انقیاد اور اخلاق و اعمال کی مجسمہ و نمونہ تھی جس کی وہ صرف آپ ہی نظیر تھی۔ پس یہی ان قدوسیوں کی جماعت تھی جس نے اپنے مبارک عہد میں اسلام کو اپنے اصلی و فطری رنگ میں سمجھا، پھر اس پر کما حقہ، عمل کیا اور پھر اکناف عالم میں پیش کیا، جس کے چشمہ حیواں و آب وحیات سے انسانیت کی روحانی پیاس بجھی، اس کی واماندگی و پریشانی دور ہوئی، خوف و وحشت کی تیرہ و تاریک راتیں امن و راحت میں بدل کر صبح زندگی بن کر چمکیں، سر پر سے سیاہ بادل چھٹ گئے اور آفتاب عالم تاب ضو افگنی کرتا ہوا آسمان دنیا پر جلوہ گر ہونے لگا گویا خزاں رسیدہ گلشن فطرت پر پھر سے نہایت تزک و احتشام اور اپنی کامل خوبیوں کے ساتھ موسم بہار آیا، جس کے ہر ہر پودے نے سبز مخملی لباس فاخرہ زیب تن کیا کھلائے رنگ رنگ کے عجیب و غریب تاج سر پر رکھے اور پھر خوب اپنے حسن و جمال سے بزم اخلاق میں رونق افروز و نور افشاں ہوئے اور مختلف طور سے عطر بیزی کی۔ جس سے سارا عالم ان کے انوار منورہ اور تزئین و تجمل پھر حرقیہ سے مہک کر مسرور بلکہ مخمور ہو گیا۔ پھر کیا تھا کہ ہر ایک خلیق و متلاشی حقیقت ان کے مبارک قدموں پر گرتا ہوا حلقہ بگوش اسلام ہو کر محب صادق بن کر اپنے محبوب حقیقی کے آگے سجدہ ریز ہوتا ہوا جاں بحق ہوتا گیا۔

پہلے دل، پھر مال، اور پھر جاں تک کر دی فدا
یہ تھی ان کی مختصر سی داستان زندگی

یہ ہے قرآن مجید کا عملی معجزہ اور اس کا اخلاقی نتیجہ انگیز نمونہ، جس نے تھوڑے ہی عرصے میں ایک حیرت افزا انقلاب عظیم برپا کر دیا

فاش گویم آنچہ دردل مضمراست
ایں کتابے نیست چیزے دیگراست

سب سے بڑا تعجب اس مقام پر آکر یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو کل تک بے مثل جاہل ڈھور ڈنگر تھے، سفاک و فحاش تھے، انسانیت کے دشمن و حق و صداقت کے باغی تھے، مختصر یہ کہ ہوا پرستی و باطل نوازی کے پیکر تھے یکایک چشم زدن میں خلیق و رہنمائے عالم بن کر جن کے جواب کا جواب نہیں رکھتے تھے؟ تو اس کا معقول و کامل تسلی بخش جواب ایک اور صرف ایک ہے کہ ان کا قانون حیات؟ منبع رشد اور امام اعظم، امام مبین یعنی قرآن مجید اور اسوۂ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام تھا اور جس تیز اصول نے ان کے ازروئے قرآن حیات و موت کے مقصد ربانی پر کامل غور و فکر کیا کہ وہ سرتاپا عمل صالح ہے اور پھر اسکو اسی طرح جیسا کہ حصول حق تھا ساری عمر انجام دیتے رہے۔

جب تک وہ مقدس و صادق القول و صالح العمل جماعت اسلامیہ تمسک بالکتاب کرتی رہی تو وہ ایک طرف محبوب حقیقی کے ہم آغوش تھے تو اس لئے ثبوت ہیں کہ واقعی وہ واصل باحق ہو چکے تھے دوسری طرف اس محبوب خالق کی مخلوقات پر افضل و اعلیٰ تھے، حاکم و آمر تھے، صاحب اقتدار و سلطان تھے۔ یہ اس لئے کہ یہی دلیل صداقت و حق پرستی ہے۔ کیونکہ اگر وہ اپنے خالق و محبوب کی ادنیٰ ترین شے یعنی دنیاوی جاہ و جلال اور خلافت ارضی کے مستحق یا مالک نہیں، تو یہ کیونکر تسلیم کیا جائے کہ مرنے کے بعد وہ اعلیٰ ترین چیز جنت الفردوس کے مستحق ہوں گے؟ اس لئے ان کا افضل اور حاکم و غالب ہونا ہی ایمان باللہ پر حق پرستی کی حجت قاطعہ و دلیل ساطعہ ہے۔

یہ ایک حقیقت مسلمہ ہے کہ جس قوم یا گروہ یا جماعت نے قرآن مجید سے جس حد تک تعلق استوار کیا اور پھر اس کو عملی جامہ پہنایا وہ اسی حد تک فیض یاب و بہرہ اندوز ہوئی۔ اگر رشتہ کمزور تھا تو فائدہ معمولی اور اگر مضبوط و مستحکم تھا تو فیض بھی اسی قدر۔ چونکہ صحابہ کرام از سرتاپا قرآنی عشق و شیفتگی کے پتلے تھے، کلام الٰہی سے کما حقہ شغف تھا، گویا صحیح معنوں میں خادم قرآن، حافظ قرآن اور عامل قرآن تھے اس لئے انہیں ہر دو جہان کی سرداری، مخلوق خدا کی نگہبانی، خلافت ارضی کی قابلیت، گم گشتہ ہدایت و مستغرق ضلالت کی رہنمائی کا تاج حقانی و تخت ربانی کا ملنا از بس ضروری تھا ورنہ مقصد ربانی یعنی عمل صالح

کی خاطر موت و حیات کا پیدا کر کے خیر و شر کی آزمائش کرنا فوت ہو جاتا۔ چنانچہ جب انہیں قرآنی وعدہ کے مطابق اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ کے صلہ میں حیات طیبہ تفویض کی گئی اور حکومت الہیہ کا ذمہ دار بنا دیا گیا تو پھر دنیا کا نقشہ آنا فانا بدل گیا جہنم کدہ گلزار جنت بن گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ اس وقت اس تیرہ و تاریک ماحول کی بربریت و وحشت اور انسان نما درندوں کی چیرہ دستیوں سفاکیوں' خون آشامیوں اور عصمت دریوں سے نالاں و ترساں تھے' وہ اس قدوسی دیا اخلاق جماعت اسلامیہ کے ظہور و فروغ سے مامون و مصئون اور مطمئن رہتے ہوئے اپنے خالق حقیقی و معبود واحد کے شکر گزار بندے بن گئے۔

اس مبارک عہد کو خلفائے راشدین کا عہد زرین کہا جاتا ہے جس کا دوسرا نام قرون ثلاثہ ہے۔ پھر اس کے بعد دور یزیدی کو عروج حاصل ہوتا ہے اور یہی وہ منحوس و ناپاک وقت تھا جبکہ اسلام کو قرآنی گہوارہ اخلاق و عمل سے نکال کر ان احادیث کی صرف اعتقادی تاریکی میں پیش کیا جانے لگا جن کو گروہ منافقین نے محض اس لئے وضع کیا تھا کہ اگر ہم اسلام و قرآن کو اپنے زور بازو سے صفحہ ہستی سے مٹا نہیں سکتے تو چلو پہلے مسلمان ہو' پھر ایسا زہد و تقویٰ اختیار کرو کہ مسلمانوں کے دلوں پر بیٹھ جائے اور پھر آہستہ آہستہ ایسی احادیث بنا کر پیش کرو جس سے اسلام کا ظاہری ڈھانچہ اور قرآن کے صرف الفاظ رہ جائیں اور روح نکل جائے تاکہ جب مسلمان اپنے اسلام و ایمان کی بنیاد عمل و اخلاق سے گزر کر محض اعتقادات پر رکھنے لگیں گے تو لامحالہ ان کی عملی قوت بریق/فنا ہو جائے گی اور وہ اعتقادات کی الجھنوں میں پھنس کر ذلت و رسوائی کے مجسمے بن جائیں گے۔

چنانچہ یہ لوگ اپنے اس ناپاک مقصد میں ظاہرا اور اجتماعی طور پر کامیاب ہو گئے۔ لہذا اسلام کی وہ پہلی سی شان و شوکت' وہ رعب و قوت وہ دبدبہ' حکمت اجتماعی حیثیت سے پھر کر انفرادیت میں محبوس ہو کر رہ گئی۔ گویا اگر پہلے عروج تھا تو اب تنزل ہے۔ اگر پہلے صعود تھا تو اب تسفل ہے۔ اگر پہلے عزت و وقار تھا تو اب ذلت و رسوائی ہے۔ اگر پہلے ہر دو جہان کی کامل تجہیلی و کامرانی تھی تو اب شکست و نامرادی ہے۔ اگر پہلے ان کا وجود مسعود سرتاپا موجب صد رحمت و تسکین تھا تو اب باعث زحمت و پریشانی ہے۔ کیونکہ اس وقت وہ سرتاپا

حامل اعمال و مجسم اخلاق تھے اور اب محض [illegible] ماخوذ اختلافات کا سبب ہے جس وجہ [illegible]
میں جو جو حرکت کرتے ہیں اور [illegible] کسی قسم کا عمل احسان ہوتا ہے
چونکہ یہ سلسلہ ترقی [illegible] کسی خاص حد سے مخصوص نہیں
بلکہ آخر تک قائم رہے گا [illegible]

ہاں یہ ضرور ہے کہ کبھی [illegible] کی طرح [illegible] تعلیم ہو گا اور
کبھی وقت حال کے بدلنے سے [illegible] سے ظاہر ہوتا
[illegible] کبھی [illegible] اس [illegible] کر [illegible]
[illegible] اور [illegible] کی تمام [illegible] کی طرح [illegible]
نہیں نہیں بلکہ [illegible] کر دیتے [illegible] کر دیتا اور کبھی اپنے [illegible] کے
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

لیکن [illegible] اس [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

سے پہچانا جاتا ہے" کے مصداق ہر ملک' ہر شہر' ہر قریہ اور ہر زمانے میں انہی لوگوں کی اکثریت اور آبادی رہی اور ہے۔ جو خشک و بے سود اور خود ساختہ و مزعومہ اعتقادات کے حامل ہیں کوئی ملک اور کوئی چھوٹی سے چھوٹی آبادی ایسی نہیں جو بحیثیت مجموعی اسلام کے سادہ لفظوں اور ظاہری معنوں میں اعمال و اخلاق کا نمونہ ہو۔ حالانکہ بہترین مصنفین' آتش بیان' مبلغین و واعظ' جادو اثر خطبا و علما اور فصیح و بلیغ شعراء و ادباء کا نہ کبھی حساب و شمار ہو سکا ہے اور نہ کبھی قیامت تک ہو سکے گا ماضی و مستقبل کا تو کیا کہنا کہ حال ہی میں کوئی طاقت ایسی نہیں جو ان کو شمار کر کے ہمیں بتا دے کہ مصلحین کی تعداد اتنی ہے۔ مزید برآں ان کی تصانیف و تالیفات اور شروح و متون کا اندازہ صرف علام الغیوب ہی کر سکتا ہے اور کوئی نہیں۔

البتہ صرف تفاسیر کا جو تخمینہ لگایا جا سکتا ہے تو وہ کم و بیش پندرہ سو کا ہے۔ لیکن بایں ہمہ وسائل وعظ و تبلیغ جو شخص جس مقام پر کھڑا ہے وہیں کھڑا ہے اور ذرہ بھر حرکت میں نہیں آتا۔ فاسق ہے تو بدستور ہے۔ بے رحم و بے درد ہے تو بدستور۔ خدا کے قانون سے باغی و دین و مذہب سے منحرف اور قوم و ملت کا خائن و غدار ہے تو بدستور۔ اس پر ستم ظریفی یہ کہ وہ اپنے تئیں مسلمان اور جنت کے مستحق سمجھ رہے ہیں۔ کیونکہ ان کو دین اسلام کے معنی اسی قسم کے سمجھائے گئے ہیں کہ اسلام میں ہر قسم کے معاصی اور ہر قسم کا فسق و فجور کھپ سکتا ہے۔ حالانکہ بد عملی و بد اخلاقی کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ گویا افراد امت میں ذرہ بھر تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ آخر اس کی علت حقی اور وجہ وحید کیا ہے؟ اس کا سبب اکبر اور سر اعظم کیا ہے؟ کہ ذرہ بھر ان کے دل میں خوف خدا و احساس حق پیدا نہیں ہوتا اور کسی عبرت و موعظت سے عبرت آموز و نصیحت پذیر نہیں ہوتے؟ اس قسم کے جس قدر بھی سوالات ہو سکتے ہیں ان سب کا جواب ایک اور محض ایک ہے کہ جب سے قرآن مجید کو بالائے طاق رکھ کر اس سے محض تبرک اور چومنے چاٹنے کا کام لیا جانے لگا اور اس کے بجائے دو یا تین سو برس بعد کی جمع کردہ احادیث میں اسلام کی حقیقت تلاش کی جانے لگی تو قرآنی ایمان مغلوب بلکہ مفقود اور حدیثی ایمان ظاہر و غالب ہو گیا۔ حالانکہ یہ

کس قدر معقول اور موزوں اصول دین تھا کہ

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ برجاں مسلم داشتن

مگر باطنی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور کی طرح صرف دکھانے کو قرآن وحی کا ظاہری پرچار کرنے کے لئے یہ قول زریں حروف میں لکھا تو گیا اور اس کو کبھی وقت پڑنے پر بھی عملی جامہ نہ پہنایا گیا کیونکہ اس اصول میں نفس کشی ہو جاتی تھی، حق طلبی واضح اور قرآنی اور عقلی خواہشات و ملفوظات سے ترغیب بیداری چاہتی تھی۔ اس لئے ان احادیث پر دین کی بنیاد رکھ دی گئی جن کی آڑ میں ہر طرح کی عیاشی و ہوا پرستی کرنے کے باوجود بھی صرف کلمہ طیبہ رٹ لینے سے جنت کا خواب بے تعبیر دیکھا جا سکتا تھا۔

لیکن برخلاف اس کے جان نثاران شمع اسلام، پروانہ ہائے مشعل حقیقت اور محبان رسول یعنی صحابہ کرام کا یہ اصول اور طرز عمل رہا کہ جب کوئی معاملہ پیش ہوتا تو اس کا حل قرآن اور صرف قرآن مجید سے تلاش کرتے (۱) درانحالیکہ ان کے پاس براہ راست زبان اقدس سے نکلی ہوئی احادیث موجود ہوتیں مگر وہ پہلے قرآن ہی سے فیصلہ کرتے۔ اگر وہ مسئلہ قرآن میں مفصل موجود نہ ہوتا تو پھر احادیث نبوی پر عمل کرتے (۲) ورنہ مطلق احادیث نبوی سے خود رکتے اور دوسروں کو روکتے۔

لیکن زمانے بعد افسوس کہ بعد میں یہی ہو گیا کہ دور بعد کی لکھی ہوئی احادیث کی روشنی میں حقائق قرآنی کو پرکھا جانے لگا جس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے حالانکہ موجودہ مروجہ احادیث بالکل اسی طرح یقین کے قابل نہیں جس طرح صحابہ کے عہد مبارک میں تھیں۔ کیونکہ ان کی موجودگی میں ابھی منافقین نے پوری طرح سر نہیں اٹھایا تھا جس طرح بعد میں اٹھا کر حقائق قرآنی کو ملیامیٹ کرنے کی خاطر لاکھوں حدیثیں بنا کر رائج کر دیں جن پر آج دین کی بنیاد قائم ہے۔

پس اصل معاملہ مستقیم یہ ہے کہ سب سے مقدم آیات قرآنی سے استنباط کیا جائے اور پھر اس کے بعد طور ضمنا ان احادیث کو پیش کیا جائے جو قرآن کی تفسیر تو ہوں مگر ناسخ القرآن

نہ ہوں یعنی تابع قرآن ہوں اور مطیع و آمر قرآن نہ ہوں جیسا کہ خلفائے راشدین کا طرز عمل تھا اور یا جیسا کہ ان کے تتبع میں موجودہ جماعت اسلامیہ کا ہے۔ مگر افسوس کہ آج قرآن غریب و بے بال و پر ہو کر صرف بچوں کا کھلونا ہو چکا ہے کہ جس سے شب و روز نادان بچے مساجد میں الجھتے رہتے ہیں اور ان کے بڑے قرآنی حقائق و معارف کو اس لئے نہیں سمجھنا چاہتے کہ کہیں ان کے مذاہب خراب نہ ہو جائیں اور یا اس پر کہیں عمل کر کے اتباع نفس و ہوا سے بغاوت نہ کرنی پڑ جائے۔ العیاذ باللہ۔ افسوس و صد افسوس کہ اس ہلاکت و نحوس دور نے بھی کیا تھا کہ ہم اپنی آنکھوں سے قرآن اور اس کی اخلاقی و عملی روح کو پریشان و برباد دیکھ رہے ہیں' نہ اس کا کوئی حامل ہے اور نہ عامل' نہ اس کی فوج ہے اور نہ حکومت' نہ اس کا حقیقی وقار ہے نہ عزت (العیاذ باللہ)

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد
اگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

نہ صرف یہی کہ کلام ربانی کو احادیث کے عشق یا شیفتگی کی خاطر پس پشت ڈال دیا گیا بلکہ ستم بر ستم یہ کہ رفتہ رفتہ ایک گروہ کثیر نے احادیث کو بھی مسترد کر کے اپنے احبار و رہبان کے قیاسات و آراء کی کورانہ تقلید محض پر دین و ایمان کی اساس قائم کرلی بلکہ یہاں تک کہہ دیا گیا کہ

"ہر وہ آیت جو اس طریقہ کے خلاف ہو جس پر ہمارے اصحاب (حنفی ائمہ) ہیں' تو یا تو مؤول ہے یا منسوخ اور اسی طرح ہر حدیث اس قسم کی ہو وہ مؤول یا منسوخ ہے"

العیاذ باللہ گویا حق و صداقت وہ نہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق کی زبان اقدس سے نکلے' بلکہ وہ ہے جو غیر معصوم بزرگوں کے ہونٹوں سے نکلے

اللہ اکبر! کس قدر باطل نواز جرأت و حق سوز جسارت ہے۔ حق سے دشمنی اور خدا اور رسول سے کھلم کھلی بغاوت و انحراف ہے۔ اسلام کے پردے میں کفر نوازی و الحاد پرستی ہے نہ صرف یہ کہ ایسا غلطی سے کہہ دیا گیا بلکہ اس پر اصرار ہے اور یہاں تک ان کے دلوں میں اسلام دشمنی و کفر نوازی کی سیاہی مکمل چکی ہے کہ اگر انہیں خدا و رسولؐ کی

اطاعت کی تلقین و باطل اکابر پرستی سے باز آنے کی دعوت دی جائے تو بجائے مشکور و ممنون ہونے کے الٹے دشمن بن کر جان لیوا ہو جاتے ہیں اور ذرہ بھر دل میں نہیں سوچتے کہ آخر ہم یہ کیا کر رہے ہیں۔ گویا خاکم بدہن اگر کلام پاک اور معصوم رسول مقبولؐ کی شان اقدس کی توہین وذلت ہو جائے تو کچھ پروا نہیں۔ مگر غیر معصوم بزرگوں کی شان میں ذرہ بھر حرف نہیں آنے دیں گے۔ لیکن قرآن کے نزدیک یہی اتخاذ لرباباً من دون اللّٰہ اور ہوا پرستی ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ قرآن مجید اور اس کی پاکیزہ و اخلاقی روح کو مار آستین بن کر فنا کرنے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔

یہی وجہ وحید ہے کہ کہیں ڈھونڈے سے بھی قرآنی معیار کے مطابق قلیل سے قلیل جماعت بھی ایسی نہیں ملتی جو صحیح معنوں میں مسلمان کہلا سکے الاماشاء اللہ۔ بلکہ برعکس اس کے سب کچھ موجود ہے۔ نہ صرف یہ کہ اغیار میں بلکہ خود مدعیان ایمان و ٹھیکیداران جنت میں وہ وہ انسانیت سوز و بہیمانہ افعال ناگفتنی ہوتے ہیں کہ اگر صرف ان کے ایجاد کردہ معاصی و گوناگوں فسق و فجور کی فہرست تیار کی جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے اور اگر ان تازہ ایجادات معاصی کو قوم عاد و ثمود اور قوم لوطؑ و شعیبؑ کے کارنامہائے زندگی کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ بھی مقابلہ کرنے سے عاجز و شرمندہ ہو جائیں۔ یہ وہ حقائق ہیں کہ ان سے کوئی اہل بصیرت انکار نہیں کر سکتا کیونکہ اظہر من الشمس ہیں۔

اس لئے قطعاً یہ فیصلہ دے دینا صحیح ہے کہ یہ لوگ نہ کبھی حقیقی اسلام کو سمجھے تھے اور نہ مسلمان ہوئے۔ پس یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ کسی آیت قرآنی سے سبق آموز و نصیحت پذیر نہیں ہوتے اور نہ کبھی ذرہ بھر دل پسیجتا ہے حالانکہ قرآن کا اعلان ہے کہ

اور (اے پیغمبرؐ) آپ نصیحت کرتے رہیں (کیونکہ) بیشک نصیحت (وموعظت) مومنوں کو نفع دیتی ہے۔

(قرآن پارہ ۲۷ سورۃ الذاریات رکوع ۳)

اس آیت کریمہ نے یہ بالکل ثابت کر دیا کہ مومنین ہی احکام الٰہی سے نصیحت آموز

ہوتے ہیں اور اگر ان کی قلبی و عملی حالت ایسی نہیں تو لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ دراصل یہ لوگ سب کچھ ہیں مگر قرآنی نقطۂ نگاہ سے نہ مومن ہیں اور نہ مسلم۔

اسی حقیقت کو مختلف ادوار و اوقات میں علمائے ربانی نے اگر سو فیصدی نہیں تو بہت حد تک محسوس کیا جس کا ثبوت ان کی تصانیف سے قدرے قدرے پایا جاتا ہے' مگر چونکہ وہ مروجہ کتب احادیث پر قرآنی تنقید' کسی وجہ سے نہ کر سکے اس لئے وہ صحیح و کامل نقشہ ایمان بنانے اور پیش کرنے سے قاصر رہے۔ یا ایسا ہوا کہ ان کی تمام تر توجہ اپنے ماحول اور اس وقت کے امراض سے متاثر ہو کر اپنی طاقت کے مطابق کسی ایک مرض خاص کی طرف رہی۔ اس لئے وہ صحیح و کامل علاج نہ کر سکے۔ واللہ اعلم

بہر کیف حالات و واقعات کچھ ہی ہوں ان کا صحیح اندازہ خدائے علام الغیوب ہی کر سکتا ہے۔ ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے اس ساری ملی جلی تبلیغ و موعظت کا نتیجہ کیا ہے اور بس۔ جب ہم اس مقام پر پہنچتے ہیں تو بے ساختہ زبان سے یہ نکلتا ہے کہ

"درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" کیونکہ صدر اول میں جو پھل تھا وہ صحابہ کرام کا وجود پاک اور ان کے اعمال و اخلاق و کردار تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس پھل کا درخت بھی ویسا ہی معلم اخلاق ہو گا۔ چنانچہ حقیقت ایسی ہی ہے جس سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ "تمسک بالکتاب" کے رو سے سب سے اول ہر چیز کی حقیقت قرآن کی روشنی میں دیکھتے تھے پھر اس کے بعد احادیث کی طرف رجوع کرتے تھے اور وہ بھی بہت کم۔

مگر قرون ثلاثہ یعنی خلفائے راشدین کے بعد سے ہی ہر چیز کو سب سے اول مروجہ احادیث سے ثابت کرنے والوں کا وجود پیدا ہوا۔ اس لئے انہوں نے جس قسم کی تخم ریزی کی' ویسا ہی درخت پیدا ہوا' اور پھر اسی طرح اس درخت نے پھل بھی دیئے جس کا مزہ یا نتیجہ ظاہر ہے۔ اور وہ موجودہ فاسقین و مارقین اسلام ہیں جو ہمارے گرد وپیش رہ کر بسر کر رہے ہیں۔ ان کا خدا و رسول سے جس قدر تعلق ہے وہ بھی ظاہر۔ اور مختصر یہ کہ ان کی زندگی جس محور و مرکز کے طواف میں گذر رہی ہے وہی ان کا معبود و مطاع ہے اور یہ اسی

کے پرستار و جاں سپار ہیں۔

لہٰذا یہ کہنا پڑتا ہے کہ اگر یہ لوگ اسی درخت کے پھل ہوتے جس کے صحابہؓ تھے تو ضرور بالضرور یہ بھی کتاب الٰہی کے ماتحت بسر کرتے۔ مگر "ہر شے اپنے اصل کی طرف رجوع کرتی ہے" کے رو سے یہ اپنے اصل ہی کی طرف رجوع کئے ہوئے جا رہے ہیں اور وہ اصل کیا؟ صرف قرآن کریم کو پس پشت ڈالنا ہے۔

اس پر ستم ظریفی یہ ہے کہ باوجود اس قدر قرآنی ایمان و اخلاق سے باغی ہو کر بھی اپنے تئیں ہدایت یافتہ و مستحق جنت تصور کر رہے ہیں۔ چنانچہ فاطر السموت والارض کیا خوب فرما دیا ہے کہ

ومن یعش عن ذکر الرحمان نقیض له شیطانا فهو له قرین ○ و انهم لیصدونهم عن السبیل ویحسبون انهم مهتدون ○ (قرآن پارہ ۲۵ سورۃ الزخرف رکوع ۴)

اور جو کوئی ذکر رحمان سے اغماض کیا کرتا ہے تو ہم اس پر ایک شیطان تعینات کر دیا کرتے ہیں پس وہ اس کے ساتھ ہی رہتا ہے ○ اور باوجود یہ کہ شیاطین ان (بد کرداروں) کو راہ راست سے روکتے رہتے ہیں۔ تاہم وہ گنہگار (اپنے تئیں) خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یاب ہیں ○

پس موجودہ تمام کی تمام گمراہیاں اور بد اخلاقیاں صرف قرآنی خط مستقیم سے ہٹ کر چلنے اور اپنے زعم میں ہدایتیں تلاش کرنے کا نتیجہ ہیں ہر وہ مزعومہ ہدایت اور خود ساختہ زہد و تقوے اور نوایجاد و طریق نجات جس کی اصل قرآنی حقائق و معارف کے علاوہ کسی دوسری شے سے مستنبط ہو گی وہ بجائے ہدایت و نجات کے مضر بلکہ مہلک ہو گی۔ اور قرآنی ایمان کی بین اور سورج کی روشنی سے بھی زیادہ روشن علامت، خشیت الٰہی اور کامل اتباع خدا و رسول، اخلاق فاضلہ و اعمال صالحہ، اور پھر ہر دو جہاں میں باعزت و باوقار، یعنی افضل و اعلیٰ حیات طیبہ کا ملنا ہے۔

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

اب اگر کوئی شخص ہمیں اپنے علم و ادب سے مرعوب کر کے اس فاسق و فاجر اور بد مزہ و متعفن اور مضرو مہلک پھل کو یہ ثابت کر دکھائے کہ یہ پھل بھی اسی درخت کا ہے جس کے صحابہ ہیں تو ہم ماننے سے عاری ہیں کیونکہ اگر اسلام کا شجر طیبہ ایسا ہی ہے تو پھر ہمیں کوئی حق نہیں کہ موجودہ غیر مسلم اقوام و ملل کو کفر کے شجر خبیثہ سے تعبیر کر کے کافر و جہنمی ثابت کریں اور خود کو مومن و جنتی کیونکہ جس قسم کے پھل وہ ہیں اسی قسم کے یہ ہیں جس قدر وہ مہلک اسی قدر یہ جس حد تک وہ مسموم و ہلاکت آفرین ہیں اسی حد تک یہ ہیں۔ جس طرح کے درخت کے وہ پھول' پتے اور ثمرات ہیں بالکل اسی طرح کے درخت کے یہ ہیں۔

پس جب یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ پھل کی خاصیت و اصلیت اپنے مرکز یعنی درخت کی اصالت کا ثبوت دیتی ہے تو پھر یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ موجودہ اکثر مدعیان دین و ایمان کسی ایسے درخت کے فاسق و بد اخلاق پھل ہیں جن کا مذہب اسلام و دین الفطرت سے کوئی اور کسی قسم کا بھی واسطہ نہیں۔ اسلام اپنی محبوبیت و معصومیت اور پاکیزہ و بااخلاق سیرت و صورت کا آپ مجسمہ و پیکر ہے۔ اور یہ لوگ اپنے دین نفس و ہوا کے آپ ضامن و ذمہ دار ہیں۔ اسلام کا ان سے کوئی تعلق نہیں اور ان کا اسلام سے کوئی رشتہ نہیں۔

لہٰذا علمائے اسلام میں سے جن پاک طینت علمائے حق نے جس حد تک مذکورہ بالا حقیقت کو سمجھا' انہوں نے اسی حد تک اصلاح و تجدید کی کوشش کی۔ ان کی مساعی جمیلہ و تبلیغ دین کے متعلق ہمیں کوئی حق حاصل نہیں کہ ان کی دیانت و اخلاص پر نکتہ چینی کر سکیں۔ اور نہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ البتہ ہم اس امر کی بابت ضرور پوچھے جائیں گے کہ ہم نے جو کچھ کیا وہ محض دین اسلام کی بربادی پر درد دل سے دو چار آنسو بہاتے ہوئے کیا یا اسلام کی آڑ میں اپنا ذریعہ معاش مقصود و مطلوب تھا۔ دوم یہ کہ ہم نے یہ سب کچھ قرآن کی روشنی میں علی وجہ البصیرت مخلصانہ طور پر کیا یا صرف اپنا ذاتی وقار اور دین کے پردے

میں جاہ و جلال پیش نظر تھا سوم یہ کہ جن بدعات و منکرات کو اسلام میں ٹھونس کر اسلامی رنگ چڑھا کر دین و ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے ان کی اصلاح کس حد تک اور کس معیار پر کی علی ہذا القیاس ہم اسی کے مکلف ہیں اور اسی کی بابت قیامت میں مسئول ہوں گے جب یہ صحیح ہے تو ہمیں کسی کی ذات پر طعن و تشنیع کرنے کے بجائے ان منکرات و مفسدات کو دین اخلاق و مذہب اسلام سے نکال باہر کرنا چاہیے جس نے مسلم نما قوم میں بد چلنی و بد کرداری اور انسانیت سوز افعال ناگفتہ بہ حرکات پیدا ہو گئی ہیں۔ اور بس۔

جس طرح زمانہ ماضی کے علمائے دین نے اپنے فہم و بساط علم و دانش کے پیش نظر اصلاح کی، اسی طرح ہمیں بھی حق ہے کہ موجودہ تمام فسق اور سرکشی و بغاوت حق کے اسباب و علل پر غور و فکر کریں اور پھر نہایت خلوص و دیانت داری اور ضمیر و دل کی فطری آواز کے مطابق قرآن مجید کی روشنی میں دعوت حق و صداقت بلند کریں کیونکہ انہوں نے بھی قرآن و حدیث سے استدلال کیا ہے خواہ وہ صحیح تھا یا غلط۔ اور ہم بھی کریں گے نہ ان کی تعلیم و تبلیغ پر خدا تعالیٰ کی ظاہری و مسموع تائید تھی۔ اور نہ ہماری دعوت و تبلیغ پر کھلی اور روشن اور مسموع تائید حق ہے اس لیے کسی کو بھی فخر و غرور کرنا مناسب نہیں اور نہ ہی دوسرے مخلصین و غلامان اسلام پر طعن و تشنیع جائز ہے۔ ہر ایک کو خالصتہ لوجہ اللہ دین اسلام کی خدمت کرنی ہے۔ البتہ جس طرح ہم سے پہلے علماء دین کے پیش کردہ اصول و قواعد کو جامہ عمل پہنا کر دیکھ لیا گیا کہ ان کی ساری دعوت و تبلیغ کا نتیجہ کیا ہے اسی طرح ہمارے نظریات و اصول کو بھی کچھ عرصہ کے لیے تجرتا" دیکھنا چاہیے کہ ان کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ پہلا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ سوائے فسق و فجور کے کچھ نہیں خواہ وہ اپنی نوعیت میں ٹھیک ہی ہو مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس پر چلنے والوں کی عملی و اخلاقی حالت کیا ہے۔ اگر خلفائے راشدین کے بعد سے لے کر اب تک کوئی بستی بھی صحیح اخلاق و اعمال سے مزین نہ ہو سکی تو یقینا" آئندہ بھی نہ ہو گی کیونکہ مثل مشہور ہے کہ آزمودہ را آزمودن جہل است۔ اس لیے اس قسم کے بے سود و بے نتیجہ اصول سے گزر کر وہ اصول اختیار کرنے چاہئیں جن سے صحیح اصلاح ہو سکے اور وہ صرف یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی مانند حقیقت ایمان کو قرآن سے

تلاش کرنا چاہیے کہ وہ کیا ہے۔

ہم نے جہاں تک غور و فکر کیا ہے اس سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ صحابہؓ کے اعمال و اخلاق اس لیے اچھے اور قابل نمونہ و صد آفرین تھے کہ وہ ایمان و عمل میں تفریق نہیں کرتے تھے۔ ان کے نزدیک اچھے اعمال سے اچھا ایمان ہوتا تھا اور برے اعمال سے برا ایمان۔ اگر اعمال و اخلاق ہیں تو ایمان کامل و صحیح ہے۔ اور اگر یہ نہیں تو ایمان بھی نہیں اسی واسطے اور صرف اسی واسطے وہ پیکر اخلاق و مجسمہ اعمال و اطاعت تھے۔ مگر اس کے بعد جب ایمان و عمل میں مغائرت پیدا کر دی گئی اور فلسفیانہ قیل و قال اور مخترعہ اصول و قواعد سے یہ ثابت کیا جانے لگا کہ ایمان صرف اعتقاد توحید و رسالت کا نام ہے اور اعمال و افعال اس سے جدا ہیں تو لوگوں نے غنیمت سمجھ کر خوب جی بھر کر فسق و فجور اور لہو و لعب اور بد اخلاقی و شہوت پرستی شروع کر دی۔ رفتہ رفتہ نوبت با ینجا رسید کہ کہیں نام کو بھی قرآن معیار کے مطابق با اخلاق و نیک عمل و صادق القول مسلمان نظر نہیں آتا۔ اس لیے گستاخی معاف یہ کہنے پر ہم مجبور ہیں کہ دور صحابہ کے بعد جو کچھ کیا گیا خواہ وہ اچھا اور دیانت داری و اخلاص پر مبنی تھا یا برا تھا۔ اس سے فی الحال کوئی بحث پیش نظر نہیں مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس تعلیم کا انجام کیا رہا۔ تو معلوم ہوا کہ اچھا نہیں بلکہ برا ہے۔ لہذا یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ ان بزرگوں سے کوئی نہ کوئی ضرور بنیادی طور پر سہو ہو گیا ہے جس کی تلافی کرنا ہر ایک مخلص مسلمان کا اولین فرض عین ہے۔ بشرط استطاعت۔ چنانچہ موجودہ دور میں زبانی طور پر تلافی کرنے والے بہت حضرات پیدا ہو گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ انہیں صحیح توفیق فکر و عمل دے۔ آمین مگر افسوس کہ بنیادی تعلیم ان کی بھی وہی ہے جس کا ہم رونا روتے ہیں۔

پس اسی طرح اس تیرہ و تاریک دور اور موجودہ ظلم و عدوان کی حقیقی علت "جماعت اسلامیہ" نے معلوم کر کے پھر سے قرآن مجید کی روشنی میں مقصد حیات و موت پر غور کرتے ہوئے اسلام کو اپنے سادہ الفاظ میں پیش کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ لہذا اس کتاب کی پانچوں جلدوں میں بہ دلائل و براہین یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام و ایمان کیا ہے اور مومن و مسلم کی صحیح تعریف کیا ہے۔ اور کفر و نفاق کے کیا معنی ہیں۔ اور یہ کہ اصحاب

الجنتہ و اصحاب النار کے موٹے موٹے اعمال و افعال کیا کیا ہیں۔ اگرچہ یہ پانچ مجلدات تعریف اسلام پر حاوی نہیں لیکن یہ صحیح ہے کہ بنیادی طور پر جماعت اسلامیہ کے اصول و قواعد بخوبی سمجھ آئیں گے کہ وہ کیا ہیں جن کے باعث صدر اول کے لوگ ہر دو جہان کی ظاہری و باطنی نعمتوں سے بہریاب ہوئے' اور اب کیوں موجودہ مدعیان ایمان ذلیل و خوار ہیں۔ پس اس کا جواب جماعت اسلامیہ کے لٹریچر میں مفصل و مدلل ملے گا جس کی پہلی کڑی حقائق الاسلام کی جلد اول ہے۔

متلاشیان حقیقت سے گزارش

اے مسلماں! اپنے دل سے پوچھ ملا سے نہ پوچھ
ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم

اس کے بعد ہم ان محبان اسلام سے گزارش کریں گے جو در حقیقت ایمان و اسلام کے متلاشی ہیں کہ وہ پھر سے اسلام کو قرآن کی روشنی میں دیکھیں اور "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" کے زریں اصول میں حق و باطل اور خیر و شر کی تمیز کریں۔ کیونکہ اگر ایک فلسفی اپنے فلسفہ و زور دلائل سے آم یا جامن کے پیڑ کو بیر یا پیلو کا درخت ثابت کرنا چاہے تو کوئی جاہل سے جاہل انسان بھی اس فلسفی کی چکنی چپڑی باتوں میں نہیں آنے کا بشرط یہ کہ وہ جاہل صرف جاہل ہی ہو دیوانہ نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے نہ کہ فلسفیانہ موشگافیوں سے۔

ٹھیک ٹھیک اسی طرح جب کوئی صرفی و نحوی اور ادیب و شاعر اپنے مخصوص انداز میں اسلام کی تعریف قرآن کے سوا کسی خود ساختہ اصول عقائد سے کرنے لگے تو ہر اس انسان کا جو اپنی عقل و شعور اور قلب و ضمیر کا مالک ہے یہ فرض ہے کہ دیدہ دل سے کام لے کہ وہ کہاں تک عقلاً صحیح و نتیجہ خیز ہے کیونکہ یہ عالم کشت زار سعی و عمل ہے اور عمل سے ہی سب کچھ بنتا اور بگڑتا ہے نہ کہ محض اعتقادات سے، واقعات زمانہ اس پر شاہد عدل ہیں۔ نیز فطرت، مشاہدات و محسوسات کا تقاضا کرتی ہے نہ کہ مزعومات و معتقدات کا۔ اور اسلام بھی چونکہ فطری مذہب ہے اس لیے اس کے وعدے اٹل، نتائج نقد اور اصلوب مجرب ہیں نہ کہ مبنی بر نظریات جن کا حاصل حصول کچھ بھی نہ ہو اور محض ادھار ہی ادھار ہو۔

غرض یہ کہ اسلام اپنی جماعت کو دنیا و آخرت کی کامل کامیابی و فتح مندی اور تمام و کمال

صفات حمیدہ و اخلاق پاکیزہ اور کلیتہ" انسانیت اعلیٰ اور حکمت تامہ و علم حقائق الاشیاء اور ولایت و سلطنت تفویض کیے بغیر نہیں چھوڑتا' بشرط یہ کہ وہ جماعت قرآنی نکتہ نگاہ سے مومن و مسلم ہو۔

ولایت' پادشاہی' علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں' فقط اک نکتہ ایماں کی تفسیریں

اگر حقیقت حال یوں نہیں تو سب کفر ہی کفر ہے۔

علمائے حق کی خدمت میں التماس

والذین اجتنبوا الطاغوت ان یعبد وھا وانا بوا الی اللہ لھم البشرے فبشر عباد ○ الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ ط اولٰئک الذین ھداھم اللہ واولٰئک ھم اولوا الالباب○

کلمتان غریبتان فاحتملو ھما
کلمتہ حکمتہ من سفیہ فاقبلوھا
وکلمتہ سفھتہ من حکیم فاغفروھا

اس کے بعد ہم علمائے حق و صداقت کی خدمت میں مودبانہ گزارش کریں گے کہ آخر ہم انسان ہیں اور انسان وہی ہو سکتا ہے جو مجموعہ خطاؤ نسیان ہو۔ لہٰذا امکان ہو سکتا ہے کہ ہم نے بھی کہیں غلطی کھائی ہو اور ہمیں معلوم تک نہ ہو۔ چنانچہ بڑے بڑے ائمہ دین اور مجدد دین ملت سے لغزشیں ہوئیں اور بعد میں آنے والے حضرات نے ان کی تردید میں کتابیں لکھیں' گویا ان کے نزدیک ان کی تردید کرنا ایک ضروری امر دین تھا' اس لیے انہوں نے ایسا کیا' لہٰذا کوئی شخص بھی یہ دعوٰی نہیں کر سکتا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے وہی مقصود حق ہے۔ البتہ اپنی فہم و فراست سے ہر اس شخص کا یہ فرض ہے جو مرنے کے بعد اٹھ کر اپنے اعمال کی جزاؤ سزا پر کما حقہ یقین رکھتا ہے کہ وہ اپنی دیانت داری کے ساتھ کتاب و

سنت کی تبلیغ و اشاعت کرے' اور جہاں تک ہو سکے اپنے علم کے مطابق اس پر عمل کرے۔

غرض یہ کہ جس طرح بزرگان سلف کی غلطیاں دوسرے حضرات پر آشکارا ہوئیں' اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ہم نے بھی قرآن و حدیث سے غلط استدلال کیا ہو۔ اس لیے ہم نہایت خلوص نیت کے ساتھ یہ التجا کریں گے کہ ہمیں ازراہ لطف و کرم آگاہ کر دیا جائے تاکہ ہم اس پر غور و فکر کریں۔ نیز ہم یہ بھی وعدہ کرتے ہیں کہ اشاعت دوم یا اس کے دوسرے حصے میں جن جن لغزشوں پر ہمدردانہ طور پر ہمیں متنبہ کر دیا گیا ہو گا' ان پر نہایت ایمان داری کے ساتھ نظر ثانی کی جائے گی۔ اور اگر کوئی معقول دلیل قرآن فی مقابلة القرآن ہمیں مل گئی۔ اور ہمیں احساس ہو گیا کہ ہم نے واقعی فلاں مقام پر ٹھوکر کھائی ہے تو انشاء اللہ العزیز الحکیم اپنی غلطی کا بر سرعام اعلان کرتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں استغفار کریں گے۔ کیونکہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نے ہمیں اپنی غلطی کا صحیح احساس کرایا ہو اور ہم نے عزت نفس کو ملحوظ رکھ کر اعتراف حقیقت نہ کیا ہو بلکہ ہم ہر آن و ہر مقام پر خدائے قہار کا خوف رکھتے ہوئے فوراً تلافی مافات بصورت توبہ و استغفار کرنے کے عادی ہیں۔

پس ہم صرف علمائے ربانی سے یہ توقع کرتے ہیں کہ وہ بفحوائے "ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظته الحسنته و جادلهم بالتی هی احسن" ہماری اصلاح بطریق احسن کر کے ہمیں مشکور فرمائیں گے۔

رہے علمائے سو یا علمائے علم فروش۔ ان کا تو ہمیشہ سے یہی شیوہ رہا ہے کہ کسی ہمدرد و مخلص مصلح کی سربازار پگڑی اچھالتے ہوئے اپنے اخبار و رسائل کے کالم ویسے سیاہ کریں جیسے دین و مذہب کی آڑ میں خواہشات نفسانی کی پیروی کرتے کرتے اپنے دل سیاہ کر دیئے ہیں۔ سو انہوں نے تو اپنے سیاہ دل کے زیر فرمان ہو کر اپنی خبث باطنی کا اظہار کرنا ہو گا۔ کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان کی تجارت ختم ہو جائے۔ اور وہ کبھی بھی خدائے قہار و جبار کا خوف کرتے ہوئے اپنے اعمال کا احتساب نہیں کرتے کہ ہم یہ کیا کر رہے ہیں۔

نیز وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ وقار دنیاوی کو نظر انداز کر کے کسی داعی حق و صداقت کا

مخلصانہ طور پر ساتھ دیں' بلکہ شب و روز وہ اسی دھن میں ہوتے ہیں کہ کسی غریب و مخلص ہمدرد اسلام کا سوقیانہ طور پر مذاق اڑا کر عوام الناس پر یہ ثابت کیا جائے کہ اسلام کے سچے خادم تو ہم ہی ہیں کہ کسی کی بھی پراوہ نہیں کرتے' اور علی الاعلان اظہار حق کر دیتے ہیں مگر حقیقت میں اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ کیا ہیں۔

پس انہی کے متعلق کسی حقیقت شناس نے کیا خوب کہا کہ

عجب ہیں یہ زاہدن خود بیں خدا تری قوم کو بچائے
بگاڑ کر تیرے مسلموں کو وہ اپنی بگڑی بنا رہے ہیں

غرض یہ کہ علمائے سو نے اپنا الو سیدھا کرنا ہے' اور علمائے حق نے اپنا خدائی فرض ادا کرنا ہے۔ لہٰذا ہماری استدعا انہیں حضرات اہل حق سے ہے کہ خدارا ہماری اصلاح بطریق احسن کریں "ادفع بالتی ھی احسن" الخ

ہاں بے شک ہم نے بعض بعض موقعوں پر کچھ سخت و ست الفاظ استعمال کیے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم نے بھی تو علماء کی تنقیص کی ہے۔ اس کے متعلق خدائے قہار کو حاضر و ناظر یقین کر کے اتنا عرض کرتے ہیں کہ ان سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں کہ علمائے سو کی طرح ان کی بے عزتی کر کے اپنی حقانیت کا سکہ جمائیں بلکہ محض للّٰہ فی اللّٰہ اسلام کی بربادی اور قرآنی تعلیمات کی پائمالی پر دل میں جو درد اٹھا تو اس طور سے اٹھا کہ ہم قابو میں نہ رہے اور بے ساختہ زبان قلم سے کچھ گریہ و بکا کیا بلکہ۔

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
نالہ پابند نے نہیں ہے

درد جب اٹھتا ہے تو بے طرح اٹھتا ہے' اور جب کچھ فریاد کرتے ہیں تو وہ بھی بے طرح سی ہوتی ہے۔ اس لیے جو کچھ ہم نے کیا ہے وہ خدا و رسول کی اطاعت اور اخلاق اسلامی کو پھر سے زندہ و تابندہ کرنے کی خاطر کیا ہے۔ جزایں خیال ندارم خدا گواہ من است

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

البتہ ہم اس نتیجہ پر ضرور پہنچتے ہیں کہ اگر حضرات علمائے کرام نے اسلام کو اپنی سابقہ سادگی پر چھوڑا ہوتا اور فاطر السموت والارض کے مقصد تخلیق موت و حیات پر قرآن روشنی میں غور و تدبر کر کے اہل اسلام کی رہنمائی کی ہوتی جیسا کہ صدر اول میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے مبارک عہد میں کی تھی تو موجودہ دعوائے ایمانی کے باوجود خدا و رسول اور کتاب و سنت سے منافقانہ بغاوت و سرکشی کے طوفان ہائے بدتمیزی کے انسانیت سوز و ہلاکت آفرین سیلاب نہ آتے اور نہ موجودہ اہل حق و ارباب صلاح و تقویٰ کی سربازار پگڑی اچھالی جاتی مگر افسوس یہ ہے کہ علماء نے محض اس خیال سے دین فطرت میں تاویل و تحریف کا باب مسدود مفتوح کر دیا کہ اگر قرآن و حدیث کی صحیح صحیح ترجمانی کرتے ہیں تو اکثر مدعیان اسلام کو خارج از اسلام قرار دینا پڑے گا گویا انہیں قوم اور مدعیان اسلام سے کما حقہ ہمدردی تھی کہ ان کی خاطر تاویل سے کام لے کر انہیں خواہ مخواہ مسلمان اور جنت کا مستحق ثابت کیا۔ مگر نہ تو موت و حیات کے مقصد ربانی کا خیال دامن گیر رہا اور نہ کتب سماویہ کے نزول و انبیاء و رسل علیہم السلام کی بعثت خصوصی کا لحاظ رکھا کہ آخر وہ کس مقصد کے لیے تشریف لائے۔ آیا یہ سب کچھ محض سطحی و بے نتیجہ اعتقادات کے لیے ہوا یا اصلاح اعمال و اتمام اخلاق کے لیے۔

پس یہی وہ بنیادی مسئلہ ہے جس میں اکثر علماء سے لغزش ہوئی اور اکثر افراد اسلامی اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ سے یکسر باغی بلکہ دشمن ہو کر فسق و بد اخلاق کے مبلغ ہو گئے۔ لہذا اس قسم کے غلط اقدامات اور ان کے تباہ کن نتائج و ہلاکت انگیز مآلات ہیں جن سے ہمیں سخت اور ناقابل برداشت صدمہ ہوا اور ہم اس امر پر مجبور ہو گئے کہ پھر سے اسلام کو اسی طرح پیش کریں جیسا کہ اس کا مطالبہ ہے اور مدعیان اسلام کو اپنی حقیقی منزل اور انجام دین و دنیوی کا صحیح طور سے احساس کرائیں چنانچہ اس کتاب میں صرف اسی بنیادی حقیقت کو بے نقاب کر کے اس کے اصول یا محبوبہ حق و صداقت کے مستقل وصال و دائمی تسکین و شکیبائی کے تمام کے تمام آداب و رسائل پیش کیے جیسا کہ ہمارا فرض تھا۔ چنانچہ مذکورہ بالا سطور میں جو کچھ عرض کر دیا گیا ہے اس میں صرف یہی جذبہ کار فرما ہے کہ وہ امت جو خیر الامت

ہے نہ اپنے فرض منصبی کو فراموش کر دے اور نہ اپنے ہاتھوں تباہ و برباد ہو اور بس۔

آخری التجایہ ہے کہ

جن حضرات کو ہمارے نظریات سے جس حد تک اتفاق ہو وہ للّٰہ فی اللہ ہمیں آگاہ کر دیں تاکہ ہم کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں کہ ہماری دعوت و تبلیغ کا کیا اثر ہوا۔

فقط

حافظ محمد سرور قریشی کوہاٹی

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۶۵ھ

مطابق ۲۲ مارچ ۱۹۴۶ء یوم جمعہ

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ
یہ زورِ دست و ضربتِ کاری کا ہے مقام
میدانِ جنگ میں نہ طلب کر نوائے چنگ
خونِ دل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات
فطرت لہو ترنگ ہے غافل نہ جل ترنگ

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

حواشی و حوالہ جات

(۱) خلفائے راشدین' حالات ابوبکر' خدمت حدیث ص ۱۲ و تاریخ فقہ اسلامی' قرآن و حدیث مطبع معارف ص ۱۴۱ و نیز دیکھو تذکرۃ الحفاظ ماخوذ از الفاروق حصہ دوم' باب امامت و اجتہاد' روایات کی چھان بین مطبع معارف

(۲) تاریخ فقہ اسلامی اس دور میں اجتہاد مطبع معارف ص ۱۴۹

(۳) تاریخ فقہ اسلامی پانچواں دور مطبع معارف ص ۳۲۱

۷۸۶

حقائق اسلام

کا حصہ اول

کتاب حقیقت

حسن الاعمال و الاخلاق

یعنی

اصول و قواعد دین محمدیہؐ

و

اغراض و مقاصد جماعت اسلامیہ

از

داعی حق و صداقت حافظ محمد سرور قریشی سرحدی

ایک خاص دعائے نبویؐ

بانی اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اخلاق آفریں و عمل افزاء اور انقلاب انگیز و حقیت کشاء "دعا"

اور اس میں "جماعت اسلامیہ کی تشکیل اور اس کا نصب العین متعین کرنے کا ایک ناقابل فراموش و واجب الاذعان بصیرت افروز و نصیحت آموز

درس اسلام

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہؐ نماز شروع کرتے تھے تو تکبیر اولیٰ کے بعد اور سورہ فاتحہ سے پہلے (بارگاہ اقدس میں) یہ مناجات کرتے کہ

ان صلوتی و نسکی و محیائی ومماتی للہ رب العالمین ○ لا شریک لہ و بذ الک امرت ولنا من المسلمین اللھم اھدنی لاحسن الاعمال و احسن الا خلاق لا یھدی لا حسنھا الا انت وقنی سیئی الاعمال و سیئی الاخلاق لایقی سیئھا الا انت۔ (سنن نسائی جلد نمبر ۱/ کتاب الافتاح باب الدعاء بین التکبیر والقراۃ۔ مطبع مجبائی ص ۱۴۲)

بے شک میری نماز' اور میری قربانی اور میری زندگی و موت اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو رب العالمین ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور مجھے ایسا ہی حکم دیا گیا ہے' اور میں مسلمانوں میں سے (ایک مسلمان) ہوں۔ اے اللہ! تو مجھے اچھے اعمال اور اچھے اخلاق کی ہدایت کر' سوائے تیرے اور کوئی دوسرا ان کی بھلائیوں کی طرف ہدایت نہیں کر سکتا' اور مجھے برے اعمال اور برے اخلاق سے بچائیو۔ کہ تیرے سوا دوسرا کوئی بھی ان کی برائیوں سے بچانے والا نہیں۔"

گویا جس وقت کوئی مرد مومن اپنے خالق حقیقی و معبود برحق کے سامنے ثبوت توحید و

اظہار عبودیت کے لیے بصورت نماز رو بقبلہ سرو قد کھڑا ہو تو سب سے پہلے فرائض و مقتضیات اسلام سے آگاہی حاصل کرے۔ (جیسے کہ دعا میں مذکور ہیں) پھر اپنی زبان حق و صداقت سے ان الفاظ قدسی میں شہادت اسلام دے کر خلاق ارض و سما کی بارگاہ اقدس میں یہی دعا کرتے ہوئے فریضہ نماز کو انجام دے۔ اور پھر اس کے بعد اس دعا کو عملی جامعہ پہنانے کے لیے مذکورہ بالا شہادت کے مطابق جانی و مالی اور دیگر ہر قسم کی قربانیوں کے لیے ہمہ تن مستعد و سرگرم عمل رہے کہ یہی شان اسلام و علامت ایمان ہے۔

یہ شہادت کہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اول

مقصد حیات انسانیہ اور قرآن و جماعت اسلامیہ

فصل اول نصب العین

رب اعوذ بک من ھمزات الشیاطین ○ واعوذ بک رب ان یحضرون ○

(قران المومن رکوع ٦ پارہ ١٨)

ایاک نعبد وایاک نستعین ○ (الفاتحہ)

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا قف وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق ونودوا ان تلکم الجنتہ اور ثتموھا بما کنتم تعملون

(قران پارہ ٨ الاعراف رکوع ٥)

اما بعد

حمد بے حد مر خدائے پاک را
آنکہ ایماں داد مشت خاک را

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

تبرک الذی بیدہ الملق وھو علی کل شیئی قدیر ○ ن الذی خلق الموت والحیوۃ لیبیلوکم ایکم احسن عملاً

(قران پارہ ٢٩ سورۃ الملک رکوع اول)

روح الفت قلب بینا فکر کامل سے سمجھ
کائنات رنگ و بو کی جان ہے حسن عمل

مقصد حیات انسانیہ و قرآن و جماعت اسلامیہ۔

قرآن و جماعت اسلامیہ کا اولین مقصد و نصب العین یہ ہے کہ صرف خلاق ارض و سما کی پرستش کی جائے اور اسی کے اقتدار و عظمت کے آگے سرنگوں ہو کر حق المقدور حق عبودیت ادا کیا جائے۔ یا بالفاظ دیگر تمام طاغوتی و شیطانی تسلط و اقتدار سے کھلی بغاوت اختیار کر کے حکومت الٰہیہ قائم کرتے ہوئے اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ سے مزین ہو کر عبادالرحمان و عباد الشیطان میں ایسا بین امتیاز حاصل کیا جائے کہ دیکھنے اور پرکھنے والے ارباب علم و دانش خود بخود یہ فیصلہ دیں کہ اللہ والوں کے مابہ الامتیاز اوصاف ایسے ہوتے ہیں اور شیطان کے پرستاروں کی عادات و علامات یہ ہیں۔ اور بس۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آذری

گویا قرآن جماعت اسلامیہ کے تمام افراد کو اطاعت حق سے مزین و اعمال صالحہ میں ملبوس دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کی وجہ وحید صرف یہ ہے کہ خدائے ذوالجلال والا کرام نے موت و حیات کو اسی مقصد کے لئے پیدا کیا ہے چنانچہ ارشاد عالیہ ہے کہ۔

(بڑا) بابرکت ہے وہ (خدائے بااختیار) جس کے ہاتھ میں (ہر دو جہان یعنی زمین و آسمان کی) سلطنت ہے اور وہ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ جس نے موت و حیات کو (صرف اس واسطے) پیدا کیا ہے کہ تمہیں آزما دیکھے کہ تم میں کون اعمال صالحہ (اختیار) کرتا ہے (اور کون فاسق و بے عمل ہے)

(قرآن پارہ ۲۹ سورۃ الملک رکوع اول)

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے کہ۔

اور (خدائے قادر و توانا) وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ایام میں پیدا کیا اور (اس وقت) اس کے تخت (حکومت) کی فرماں روائی پانی پر تھی (اور یہ سب کچھ صرف اس لئے پیدا کیا) تاکہ وہ تمہیں آزما دیکھے کہ تم میں سے اچھے اعمال کس کے ہیں۔

(قرآن پارہ ۱۲ سورۃ ہود رکوع اول)

ان آیات سے یہ مطلب ہرگز نہیں نکلتا کہ خدا تعالیٰ کو علم نہ تھا' بلکہ وہ تو علام الغیوب اور سمیع بصیر اور لطیف الخبیر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسی پاکباز جماعت کو چلتا پھرتا اور اپنے خالق و معبود کا حق ادا کرنے والی وجود دیکھنا چاہتا ہے۔ جس کے تمام افراد من حیث الجماعت حکومت الہیہ کے ماتحت نیک عملی وخوش اخلاقی کی زندگی بسر کرنے والے ہوں' اور بس۔

یہی ایک مقصد عظیمہ و جلیلہ ہے جس کی خاطر زمین و آسمان اور ان کے درمیان گونا گوں مخلوقات ان گنت نعمتوں اور مختلف قسموں کی صورتوں اور زینتوں کو کتم عدم سے منصہ شہود پر جلوہ گر فرمایا۔ جیسا کہ خود ارشاد الٰہی ہے کہ۔

بے شک روئے زمین میں جو کچھ بھی ہے اسے ہم نے زمین کی خوشنمائی (وزینت) کا موجب بنایا ہے۔ تاکہ ہم لوگوں کو آزمائش میں ڈال دیکھیں کہ ان میں سے کون کون اچھے اعمال کرنے والے ہیں ○

(قرآن پارہ ۱۵ سورۃ الکھف رکوع اول)

پس مذکورہ بالا آیات قرآنی سے صرف یہی امر مترشح ہوتا ہے کہ خدائے خلاق ارض و سما کی مقصود و مطلوب شے محض اعمال صالحہ و اخلاق حسنہ ہے نہ کہ خشک اعتقادات۔ اگر مقصود الٰہی موخر الذکر چیز ہوتی تو پھر اسی پر زور دیا جاتا' گو حقیقتاً صحیح و حقیقی عقائد ہی بواعث عمل ہوتے ہیں' لیکن اس میں عوام کو تو کیا کہ اکثر مدعیان علم و دانش کو بھی دھوکہ لگ سکتا ہے جیسا کہ واقعات و حالات نے ثابت کر دکھایا ہے۔ کیونکہ اعتقادات و یقینیات کی دو قسمیں ہیں' ایک سطحی اعتقادات دوسرے حقیقی اعتقادات لہٰذا جن اعتقادات و یقینیات کا عمل و اکتساب پر اثر پڑ سکتا ہے وہ حقیقی ہیں نہ کہ سطحی۔ تو چونکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو تشریح کے بغیر مقصد کو واضح نہیں کر سکتی اس لئے زبان عمل طلب نے وہ جامع و اکمل لفظ استعمال کیا جو فی البدیہ سلیم الفطرت دل و دماغ پر اتر کر اپنی مقصود حقیقت کو واضح و روشن کر دیتا ہے کہ نیک عملی و خوش خلقی اختیار کرنا مقصود و مطلوب خالق ہے۔ پس اس حقیقت

کبری کا ترجمان و جامع لفظ عمل صالح ہے۔ اور یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ جب ایک نصب العین واضح کر دیا جائے کہ فلاں ملک فتح کرنا ہے تو اس کے اسباب و ذرائع فراہم کر کے ان کا استعمال کرنا خود بخود فرض ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی فوج کو نصب العین و مقصد واضح کئے بغیر یہ حکم دیا جائے کہ سامان جنگ تیار کر کے روزانہ پریکٹس کیا کرو تو گو وہ فرماں بردار فوج ہونے کی حیثیت میں ایسا کرے گی مگر دلچسپی سے نہیں یونہی مجبوری سے کیونکہ وہ اس امر میں غلطاں و پیچاں ہو گی کہ جب کوئی متعین مقصد نہیں تو اس قدر ضروری بھی نہیں جتنا ہونا چاہیے۔ اس لئے مقصد متعین کر کے اسباب کا حکم دینا زیادہ مفید و دانائی ہے۔ پس عمل صالح خدائی غرض و غایت و نصب العین اور ملک جنت کو فتح کرنا ہے۔ گو ایک دوسرے درجہ میں عمل بھی جنت کا سبب یا جنت' مقصد اعظم (یعنی عمل) کا انعام ہے جس طرح کوئی بادشاہ خوش ہونے کے بعد فوج کو دیا کرتا ہے) مگر اعتقادات و یقینات تو اس مقصد وحید (یعنی عمل) کے بلا عمل ایک خیالی اسباب و وسائل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زبان الٰہی و شریعت اسلامی نے اصل مقصد و نصب العین کو حاصل کرنا بتلایا ہے۔ نہ کہ اسباب و ذرائع کو۔ مگر باوجود اس کے بھی اکثر دنیائے نام نہاد اسلام نے امر مقصود و مطلوب کو فراموش کر کے ذریعہ و وسیلہ کو مطلوب و محبوب سمجھ رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سارا زور اور تمام عقل و دانش کو صرف اسی بنا پر صرف کر دیا ہے کہ نجات عقائد پر ہے۔ لیکن بخلاف اس کے قرآن ؤ جماعت اسلامیہ کا سارا زور محولہ بالا آیات کی روشنی میں اس پر خرچ ہو رہا ہے کہ محض خشک اعتقادات کچھ شے نہیں جو کچھ ہے وہ عمل اور اخلاق ہیں۔ کیونکہ مقصد پیدائش جن و انس یہی ہے جیسا کہ ارشاد رب العالمین ہے کہ۔

اور میں نے جن و انس کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ میں ان سے کچھ روزی کا خواہاں نہیں ہوں اور نہ اس کا ارادہ ہے کہ وہ مجھے کچھ کھلائیں (پلائیں)

(قرآن پارہ ۲۷ سورۃ الذاریات رکوع ۳)

یہاں مقصد حیات انسانی کو عبادت سے تعبیر کر دیا ہے۔ جو درحقیقت عمل کی تشریح

ہے کہ عمل موت و حیات کا فلسفہ کیا ہے؟ وہ صرف یہی کہ پرور دگار عالم کی اطاعت و عبادت کی جائے' بجز اس ذات واحد کے کسی کو رب اور معبود نہ بنایا جائے۔

پس جس قوم نے بہ حیثیت مجموعی خدائے احکم الحاکمین کے اس مقصد وحید کو سرانجام دیا تو حقیقتاً وہ ایک قوم یا جماعت ملل اللہ یا عابد و مسلم کہلانے کا حق رکھتی ہے۔ اور وہی اس لائق ہے کہ زندہ رہ کر دوسرے بنی نوع انسان کی سیادت و قیادت کا شرف حاصل کر کے خلافت ارضی کی مستحق رہے۔

لیکن جو قومیں اور امتیں اس مقصد وحید و اعظم کو بالکل فراموش کر کے اپنی خود ساختہ خواہشات و معتقدات کی پرستش کرتی ہوئی سیہ کاری و بد عملی اور گوناگوں فسق و فجور میں مبتلا ہو جائیں وہ اس کی مستحق ہیں کہ تباہ و برباد کر دی جائیں۔ چنانچہ قرون ماضیہ و امم سابقہ میں جس قدر بھی عذاب ہائے الیہ کا نزول و ورود ہوتا رہا ان کے اسباب و بواعث محض بے یقینی و بد اعتقادی نہیں بلکہ عملی نافرمانی الہی اور ارتکاب فسق و اخلاق رذیلہ ہیں جیسا کہ ارشاد حق ہے کہ۔

اور ہم بستیوں کو (خواہ مخواہ) ہلاک نہیں کرتے' مگر (اس صورت میں کہ) ان کے رہنے والے ظالم (بدکار) ہو جائیں'

(قرآن پارہ ۲۰ سورۃ القصص رکوع ۶)

اس آیت کریمہ میں ایک اصول بیان کیا گیا ہے کہ رب العالمین جس قوم کو تباہ و ہلاک کرتا ہے اس کے صحیح اسباب کیا ہوتے ہیں اب ان قوموں پر خدائے عادل و مشاہد کی گواہی پیش ہوتی ہے جو مختلف عذابوں میں مبتلا ہو کر نیست و نابود ہو گئی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ

وہ اپنی ہی شرارتوں کی وجہ سے غرق کر دیئے گئے۔ (اور) پھر وہ دوزخ میں ڈال دیئے گئے۔ پس انہوں نے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو بھی اپنا مددگار نہ پایا۔ (جو انہیں عذاب سے چھڑاتا)۔

(قرآن پارہ ۲۹ سورۃ نوح رکوع ۲)

اب ایک اور مقام پر مفصل بیان کیا گیا کہ پہلی امتیں اپنے گناہوں کی وجہ سے تباہ ہو گئیں۔ اور اے مسلمانو! اب ان کا جانشین ہم نے تمہیں بنا کر بھیجا ہے تاکہ یہ دیکھیں کہ ان کے بعد تم کیسے اعمال اختیار کرتے ہو۔ چنانچہ الفاظ الہٰی یہ ہیں کہ۔

اور بے شک تم سے پہلے کتنی امتیں گزر چکی ہیں کہ جب انہوں نے (نیک عملی کے بجائے) ظلم کی راہ اختیار کی تو ہم نے انہیں (پاداش عمل میں) ہلاک کر دیا۔ ان کے رسول ان کے پاس روشن دلیلوں کے ساتھ آئے تھے مگر اس پر بھی وہ آمادہ نہ ہوئے کہ ایمان لائیں (تو دیکھو) مجرموں کو اسی طرح ہم ان کے جرموں کا بدلا دیا کرتے ہیں۔ پھر (اے مخاطبین قرآن) ہم نے تمہیں ان کے (ہلاک ہونے کے) بعد زمین کا خلیفہ بنا کر بھیجا تاکہ ہم دیکھیں کہ (اب) تمہارے اعمال کیسے ہیں۔

(قرآن پارہ ۱۱ سورۂ یونس رکوع ۲)

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ

وہی تو (ذات پاک و قادر مطلق) ہے جس نے تمہیں (اس) زمین میں (اپنا) نائب بنا کر بھیجا اور تم میں سے (اصلاح و عمل اور مقدرت حکومت کے اعتبار سے) بعض کو بعض پر درجوں میں فوقیت بخشی ہے تاکہ جو کچھ تمہیں نوازا ہے۔ ان میں تمہاری (شکر گزاری و فرمانبرداری کی) آزمائش کرے۔

(قرآن پارہ ۸ سورۃ الانعام رکوع ۲۰)

ٹھیک ٹھیک اسی طرح ظالم قوم کی ہلاکت کی خبر دیتے ہوئے حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو ارشاد فرمایا کہ ان کی ہلاکت کے بعد تمہاری آزمائش عمل ہو گی چنانچہ ارشاد وحی الہٰی ہے کہ

موسیٰ نے اپنی قوم کو فرمایا کہ خدا تعالیٰ سے مدد مانگو اور (مصائب کا مقابلہ کرتے ہوئے) ثابت قدم رہو۔ بلاشبہ زمین (کی بادشاہت صرف) خدا ہی کے لئے ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔ اور (یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ) انجام کار ان ہی کے لئے ہے جو متقی (اور صلاحیت کے لحاظ سے حکومت کے قابل) ہوں گے۔ قوم

والوں نے کہا (کہ اے موسیٰ!) تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم ستائے گئے۔ اور اب تمہارے آنے کے بعد بھی ہم ستائے جا رہے ہیں۔ (حضرت) موسیٰ نے فرمایا کہ قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمنوں کو (ظلم وجور کے بدلے ہلاک کر دے اور پھر تمہیں (اپنے ملک) زمین میں اس کا جانشین بنائے (اور پھر دیکھے ان جانشینی کے بعد) تمہارے اعمال کیسے ہوتے ہیں۔

(قرآن پارہ ۹ سورۃ الاعراف رکوع ۱۹)

پس مذکورہ بالا دلائل و براہین سے چند امور پر نہ صرف یہ کہ روشنی پڑتی ہے بلکہ ان کے ثبوت کے بعد مہر تصدیق ثبت ہوتی ہے۔

اول

یہ کہ امم سابقہ کی تباہی و ہلاکت کفریہ اعتقادات و مشرکانہ ظنیات سے نہیں ہوئی بلکہ باہمی فسق و فجور اور بد عملی سے ہوئی ہے اور ان کی جگہ دوسری قوموں کو پیدا کر کے کائنات رنگ و بو کو مزین و مرصع کرنے کے بعد جس چیز کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ صلاح و تقوےٰ اور نیک عملی ہے۔

دوم

یہ کہ بنی نوع انسان وغیرہ کی جس قدر بھی آزمائش ہو گی وہ محض اعمال و اخلاق میں ہو گی۔ نہ کہ انسانی مزعومات و خود ساختہ اعتقادات میں کیونکہ قرآن مجید میں اول سے لے کر آخر تک غور و فکر سے پڑھ جائے کہیں بھی لفظ اعتقاد کا نام نہیں جو کچھ ہے وہ صرف ایمان اور عمل و اکتساب اور اس کی جزا و سزا ہے۔ (لفظ ایمان اور اس کی حقیقت کی تشریح اسی کتاب کے دوسرے باب میں ملے گی)

جس کے پہلو میں دل ہے اور دل میں بصیرت و شعور ہے وہ صرف اس سے ہی عمل و صالح کی مطلوبیت و محبوبیت کا اندازہ لگا کر نتیجہ پر باآسانی پہنچ سکتا ہے کہ مالک یوم الدین کو کیا چیز پسند ہے۔

سوم

یہ کہ آیہ نمبر۱۲ کی روشنی میں یہ ثابت ہوا کہ خلافت الیہ و تمکن فی الارض کے لئے خود ساختہ معتقدات کی ضرورت نہیں' جو کچھ ہے وہ تقویٰ و پرہیز گاری اور صلاح و عمل کی ہے۔

تعریف حسن عمل

چہارم

یہ کہ اعمال و اخلاق کی تربیت انسانی دماغ نہیں دے سکتا' کیونکہ انسان ازخود یہ نہیں سمجھ سکتا کہ مجھے اپنے خالق نے جس مقصد عمل کے لئے پیدا کیا ہے اس کی صحیح تعریف کیا ہے۔ لہٰذا اس کا جواب آیت نمبر۵ میں دیا گیا ہے کہ عمل سے مراد اطاعت حق و عبادت معبود حقیقی ہے جیسا کہ ایک اور آیت کریمہ میں وضاحت ہوتی ہے کہ

اے لوگو! تم اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا ہے؛ تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

(قرآن پارہ اول سورۃ البقرہ رکوع ۳)

انسان چونکہ علم الٰہی کے بحرِ بے کراں کے آگے سرتاپا اجہل ہے' اس لئے وہ اپنے مستقبل حقیقی و خیر و فلاح' اور رشد و ہدایت یا کفر و ضلالت کے متعلق کچھ نہیں سوچ سکتا جب تک کہ اپنے خالق کی ربوبیت عامہ کی برکات و عنایات سے مستفیض نہ ہو جائے' اس لئے اسے ہر وقت اس کے احکام و ہدایات کا منتظر رہنا چاہیے۔ جس طرح نابالغ بچے اپنے مستقبل کے لئے والدین کی شفقت آمیز نصائح کے محتاج ہوتے ہیں' ٹھیک یہی حال نوع انسان کا بھی ہے۔ لہٰذا جو احکامات اور ہدایات عرش معلے سے نازل ہوں وہی انسان کی نجات کامرانی کی موجب ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد حق ہے کہ

اور شائد تم ایک شے کو (اپنے علم و شعور میں) برا سمجھو اور وہ (دراصل) تمہارے حق میں بہتر ہو' اور شائد (اسی طرح) تم ایک (دوسری) چیز کو اپنے لئے پسند کر لو۔ اور وہ

(حقیقت انجام کے لحاظ سے) تمہارے لئے بہت مضر ہو۔ اور (یہ اس لئے کہ) اللہ تعالیٰ بہت جاننے والا ہے اور تم کچھ نہیں جانتے ہو۔

(قرآن پارہ ۲ سورۃ البقر رکوع ۲۶)

پس اس زریں اصول حق کے پیش نظر ہم ازخود یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ حسن عمل کی تعریف کیا ہے اور امر بد کس کو کہتے ہیں۔ جب تک کہ قدرت وحی قرآن یا اس کی روشنی میں فطری الہام کے ذریعہ ہمیں ہدایت و تلقین نہ کر دے۔ جب یہ صحیح ہے تو پھر یہ مان لینا چاہیئے کہ ہمیں جس امر میں خالق حقیقی و رب العالمین نے تعمیل کا حکم دیا ہے وہ حسن عمل ہے اور جس سے منع فرمایا ہے وہ بد عملی ہے جو موجب ہلاکت ہے۔

فصل دوم

مقصد بعثت انبیائے کرامؑ اور اہمیت اخلاق

اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز سمجھنے کے قابل یہ ہے کہ جہاں پروردگار عالم نے جن و انس کو اس لئے پیدا کیا کہ اس کی عبادت و فرمانبرداری کی جائے' وہاں اس مہربان خالق نے یہ انتظام بھی کیا ہے کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہا اور فریضہ رسالت کو انجام دینے کے قابل سمجھا' اس کو اپنا رسول برحق بنا کر سلسلہ نزول احکام قائم کر دیا' تاکہ مخلوقات اپنے خالق حقیقی کو پہچان کر اس کے احکام کی پیروی کرتی ہوئی حق عبودیت ادا کر دے۔ اور پھر اس کی رحمت کا انتظار کرے کہ وہ اس فانی دنیا کے بعد اپنی وفا شعار مخلوقات کو کیا صلہ دیتا ہے۔

چنانچہ اس اہم فریضہ رسالت کو انجام دینے کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ جو مقتدر ہستی اس منصب علیہ پر فائز ہو کر خدائی احکام کی ترجمانی کرنے میں ہمہ تن مشغول و معروف ہو جائے اس کی کما حقہ' اطاعت و پیروی کی جائے ورنہ نظام رسالت قائم نہ رہتا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اس حقیقت کو بایں الفاظ واضح فرمایا کہ

اور ہم نے کوئی رسول (برائے نام) بنا کر نہیں بھیجا۔ مگر یہ کہ اس کی اطاعت اللہ کے اذن سے کی جائے۔

(قرآن پارہ ۵ سورۃ النساء رکوع ۹)

یعنی اس لئے نہیں بھیجا کہ لوگ اس کے نام کا محض کلمہ پڑھتے رہیں بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ اس کی اطاعت و پیروی کی جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی پیغمبر کو اعتقاداً پیغمبر یا رسول مان لینا کوئی وقعت نہیں رکھتا' کیونکہ اصل مقصود حق اطاعت و فرمانبرداری ہے' نہ کہ محض اعتقاداً رسول ماننا۔ اس کی مزید و مدلل تشریح اس کتاب کے دوسرے حصہ میں حقیقت ایمان بالرسل کے تحت ملے گی۔

اب وہ لوگ خواہ عامی ہوں یا عالم' جنہوں نے اس مقصود الٰہی یعنی اطاعت کو محض اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف سمجھ کر عملاً فراموش و ملیامیٹ کر کے خود ساختہ اعتقادی الجھنوں کا نام اسلام رکھ کر فسق و فجور کو عام کر رہے ہیں اپنے اس فعل پر نظر ثانی کریں کہ آیا وہ حق اسلام ادا کر رہے ہیں یا وہ اس آیت قرآنی کے مصداق ہیں کہ بے شک وہ پہلے سے گمراہ ہو چکے ہیں اور اکثر دنیا کو بھی گمراہ کر گئے ہیں' اور (دراصل وہ خود) راہ راست سے ٹھیک گئے ہیں۔

(قرآن پارہ ٦ سورۃ المائدہ رکوع ١٠)

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

اگر اور کچھ نہیں تو صرف الفاظ اسلام' اور مسلم' پر ہی غور و فکر کر لیتے کہ ان کے لغوی اور اصطلاحی معنی مجموعہ اعتقادات کے ہیں یا حسن عمل و اخلاق فاضلہ اور اطاعت و گردن نہادن کے۔ کیونکہ ہر شے کی حقیقت اس کے نام کے الفاظ کے اندر مضمر ہوتی ہے' بالکل اسی طرح اسلام بھی اپنے اندر عمل کا بحرِ بے پایاں موجزن رکھتا ہے۔ انشاء اللہ العزیز الحکیم اس کی تشریح آگے آئے گی۔

براَفگن پردہ تا معلوم گردد
کہ یاراں دیگرے رامی پر ستند

اب یہ بات سمجھانا مقصود ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کیوں مبعوث ہوتے ہیں؟ اور ان کی بعثت کی غرض غایت کیا ہوتی ہے؟ قرآن حکیم نے جن خصوصی امور کا ذکر فرمایا ہے وہ چار ہیں۔

(١) تلاوت آیت اللہ (٢) تزکیہ نفس (٣) تعلیم کتاب (٤) تعلیم الحکمت

جیسا کہ ارشاد رب العالمین ہے کہ

البتہ بے شک (اللہ تعالیٰ) نے مومنوں پر (بڑا فضل و) احسان کیا' کہ ان میں انہی میں کا ایک رسول بھیجا' جو انہیں اس (اللہ) کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے' اور ان کو (ہر قسم کی برائی

سے) پاک کرتا ہے' اور انہیں کتاب (الٰہی) اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ ورنہ (رسول کے آنے سے) پہلے تو یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔

(قرآن پارہ ۴ سورۃ آل عمران رکوع ۱۷)

بالکل اسی تعلیم و تبلیغ کے لئے حضرت ابرٰہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے بھی حضرت محمد رسول اللہ کی بعثت کے واسطے دعا فرمائی تھی۔

(قرآن پارہ اول سورۃ البقرۃ رکوع ۱۵)

یہی تو وہ اہم مقامات ہیں جن کو عقل سلیم و قلب منیب سے کام لے کر مقاصد ربانی کو تلاش کیا جاسکتا ہے کہ مقصد حیات و موت انسانی وغرض بعثت انبیاء کرام و رسل عظام کیا ہے۔ آیا اصلاح عمل و اخلاق ہے کہ محض یقین و اعتقاد؟

اب دیکھنا یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیات نمبر۵ و ۱۵ کی تصدیق کے علاوہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنی آمد کی غرض و غایت کیا فرمائی ہے چنانچہ آپ کا ارشاد و اعلان ہے کہ

میں تو اس لئے (پیغمبر بنا کر) بھیجا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق اور محاسن کی تکمیل کروں۔

(رحمتہ اللعالمین جلد ۳ فصل ۳ مسلمان کمپنی صفحہ ۳۹۴)

ایک اور مقام پر فرمایا کہ

میں اس لئے مبعوث کیا گیا (رسول بنا کر بھیجا گیا) کہ حسن اخلاق کی تکمیل کروں۔(۱)

ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرمایا کہ

میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں کہ صالح اخلاق کی تکمیل کروں۔" (۲)

پھر ایک فیصلہ کن ارشاد فرمایا کہ

سوائے اس کے (کوئی دوسری بات) نہیں کہ میں تو صرف اسی لئے مبعوث کیا گیا ہوں کہ نیک اخلاق کو تمام تک پہنچاؤں۔(۳)

ایک دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا کہ

میں تو صرف اسی لئے (رسول بنا کر) بھیجا گیا ہوں کہ مکارم الاخلاق کی تکمیل کر دوں (اور بس)(۴)

الغرض رسول کریم نے جہاں کہیں بھی کوئی مقصد اپنی بعثت کا فرمایا ہے تو وہ یا تو صریح خلق ہے اور یا اعمال حسنہ و اخلاق فاضلہ کا کوئی گوشہ ہے جس کی تہ میں کوئی اخلاقی روح کار فرما ہے۔ لیکن بخلاف اس کے قرآن مجید اور حدیث صحیح میں یہ کہیں نہیں فرمایا کہ "میں محض اعتقادات کی اصلاح کرنے آیا ہوں" اور دراصل یوں اعلان اس لئے بھی نہیں کیا جا سکتا کہ محض اعتقاد کچھ شے نہیں' کیونکہ مقصود بالذات جو شے ہے وہ عمل و اخلاق کے واسطہ سے رکھتا ہے بذات خود یہ کوئی شے نہیں اور نہ ہی مقصود خالق ہے۔ اور نہ ہی رسول برحق کی بعثت کا یہ مقصد تھا۔

چنانچہ آپؐ نے مبعوث ہوتے ہی اپنے فرض منصبی کو انجام دینا شروع کر دیا تھا جس کی عینی شہادت حضرت ابوذر غفاریؓ کے بھائی اس وقت دیتے ہیں۔ جبکہ حضرت ابوذر کو بعثت رسول کی خبر پہنچی تو اپنے برادر سے فرمایا کہ سوار ہو کر اس وادی (مکہ معظمہ) میں جا کر اس نئے رسول کی باتیں سن! (کہ وہ کیا تعلیم دیتا ہے) تو وہ واپس ہو کر یہ بیان دیتے ہیں کہ

میں نے ان کو دیکھا کہ وہ مکارم اخلاق کی دعوت دے رہے ہیں۔(۵)

یہ تو ایک انصاف پسند متلاشی حقیقت کی شہادت تھی' علاوہ اس کے ایک زبردست دشمن حق ابوسفیان نامی قریشی (جو آخر میں وہ بھی اسلام کے دلکش تیر محبت سے زخمی ہو کر شمع اسلام پر پروانہ وار گرے اور عشاق اسلام میں شامل ہو گئے تھے۔ مگر ابھی تک سخت دشمن اسلام بنے ہوئے تھے کہ اس ہرقل روم کے دربار میں بانی اسلام کی دعوت و تعلیم کا جو نقشہ نہایت معاندانہ حیثیت میں پیش کیا' وہ بھی اپنے اندر محاسن و مکارم اخلاق کا بے مثل مجموعہ رکھتا ہے چنانچہ بخاری میں مذکور ہے کہ

(شہنشاہ روم) ہرقل نے پوچھا کہ (اے ابوسفیان!) وہ (نئے پیغمبر) تمہیں کیا تعلیم دیتے ہیں؟ ابوسفیان نے کہا کہ "وہ کہتا ہے کہ صرف ایک خدائے برحق کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو' اور ان بتوں کی پرستش' جو تمہارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں' اور وہ (رسول) ہمیں نماز پڑھنے' اور سچ بولنے اور پاکباز رہنے' اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی (یعنی نیک سلوک) کرنے کا حکم دیتا ہے"

ہرقل نے (یہ سب کچھ سن کر) کہا کہ جو شخص لوگوں پر جھوٹ نہیں بولتا یہ کس طرح یقین کر لوں کہ وہ (اپنی پیغمبری منوانے کے لئے) اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھتا ہو گا۔(۶)

اخلاقی تعلیم کی یہ شہادت ان لوگوں کی ہے جو اسلام کے سخت دشمن ہیں۔

تیسری ایک جامع شہادت

حضرت اکثمؓ کو ظہور اسلام کی خبر ہوئی تو دو شخصوں کو رسول اللہ کی خدمت میں بھیجا کہ تحقیق حال کریں' وہ دونوں خدمت مبارک میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کو یہ آیہ قرآنی سنائی کہ

> بے شک اللہ تعالٰی عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔ اور یہ کہ قرابت داروں کو (ان کا حق) دیا جائے اور فحاشی' منکرات' اور (حق سے) بغاوت (و ظلم و عدوان) سے منع فرماتا ہے' وہ (خدا تعالٰی) تم کو ایسی ہی نصیحت کرتا ہے تاکہ تم عبرت لو ○
>
> (قرآن پارہ ۱۴ سورۃ النحل رکوع ۱۳)

ان لوگوں نے جا کر ان (حضرت اکثم) سے یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے تمام قوم کی طرف خطاب کر کے کہا کہ

> اے قوم میری رائے میں یہ پیغمبر مکارم اخلاق کا حکم دیتا ہے' اور ذمائم اخلاق سے روکتا ہے' تم لوگ قبول اسلام میں دم نہ بنو' سر بنو' مقدم ہو' موخر نہ ہو (یعنی بعد میں اسلام قبول کرنے والے نہ ہو بلکہ ابھی سے مسلمان ہو جاؤ) اس کے بعد تادم مرگ اس کوشش میں مصروف رہے' انتقال ہوا تو اہل و عیال کو تقویٰ اور صلہ رحمی کی وصیت کی۔ (مگر صرف اعتقادات کو مضبوط رکھنے کی وصیت نہ کی) کیونکہ اسلام حسن اخلاق و پرہیز گاری اور پیروی خدا و رسول کو شرف قبولیت بخشتا ہے)(۷)

پس ان شہادات سے ثابت ہوا کہ آپ کی بعثت کا مقصد وحید عمل صالح و خلق عظیم کو

پھر سے زندہ و تابندہ کر کے اس کے کمال تک بنی نوع انسان کو پہنچایا جائے' تاکہ انسان اپنی آمد کی غرض و غایت کی تحصیل کر کے مقرب حق بن کر اپنے معبود حقیقی کی توحید کی شہادت' سجدہ کمال درجہ عبودیت میں دی جائے۔

روح الفت' قلب بینا' فکر کامل سے سجھ
کائنات رنگ و بو کی جان ہے حسن عمل

اس معرکہ میں سے اہم چیز محض تعلیم ہی تعلیم نہیں ہوتی بلکہ قابل تعریف و لائق قبول یہ چیز ہوتی ہے کہ معلم اخلاق کی خود عملی حالت کیا ہے کیونکہ کسی تعلیم کے شیوع و اجرا کے لیے محض علمی دلیل کافی نہیں۔ جب تک اس کو عملی جامہ پہنا کر منظر عام میں نہ لایا جائے۔ اس لیے بانی اسلام کی بعثت کے مقاصد کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ آپ کے اعمال و اخلاق کو بھی پیش کیا جاوے۔

لہذا ہم آپ کے جملہ اخلاق کو پیش کرنے سے قطع نظر کر کے صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آپ کی اس حیثیت سے کس طرح جامع و مانع تعریف کی جا سکتی ہے۔ اور بس

"چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے سوال ہوتا ہے کہ یا ام المومنین! ہمیں رسول کریمؐ کے اخلاق سے آگاہ کیجئے۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ کیا تم قرآن مجید کا مطالعہ نہیں کیا کرتے؟ عرض کیا کہ ضرور کرتے ہیں۔ تو فرمایا کہ بے شک رسول کریمؐ کے اخلاق کا مجموعہ قرآن ہے۔"(۸)

گویا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تعلیم دی ہے وہ ساری کی ساری رسول برحق کی حیات طیبہ میں عملاً موجود ہے۔ بالفاظ دیگر قرآن کا مطالعہ کرنا عین رسول کریم کی حیات پاک کا مطالعہ کرنا ہے۔ اور یہ اس لیے نہیں کہ محض آپ کے اخلاق کو دیکھ کر عش عش کیا جائے۔ بلکہ یہ سب کچھ اس لیے معرض عمل میں آیا ہے کہ تمام پیروان رسول بھی اسی طرح زندگی بسر کریں۔ ورنہ عدم تعمیل کی صورت میں وہ مسلمان کہلانے کے حق دار نہیں ہوں گے۔

کیونکہ اسلام نام عمل و پیروی اخلاق رسول کا ہے۔ محض اخلاق رسول کی داد دینے کا

نہیں چنانچہ ارشاد حق تعالیٰ ہے کہ

(اے مسلمانو!) تمہارے لیے (یعنی جو کوئی خدا تعالیٰ کے عذاب) اور روز آخر (کی باز پرس) سے ڈرتا اور کثرت سے یاد الٰہی کرتا ہو اس کے لیے (پیروی کرنے کو) رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے (جس پر چل کر فلاح و کامرانی حاصل کر سکتے ہو)

(قرآن پارہ ۲۱ سورۃ الاحزاب رکوع ۳ آیت اول)

اسوہ حسنہ کے معنی

لفظ "اسوہ" بمعنی قدوہ کے ہے اور قدوہ اس حالت کو کہتے ہیں جس کو کسی دوسرے میں دیکھ کر انسان اس کی پیروی کرے' خواہ وہ اچھی ہو یا بری چنانچہ کہتے ہیں "تاسیت بہ" یعنی میں نے اس کی پیروی کی۔(۹)

پس اسوہ سے مقصود ایسی پیش نظر حالت ہے جس کی پیروی اور متابعت کی جائے۔ ہم نے اس کا ترجمہ "نمونہ" کر دیا ہے' کیونکہ اردو میں اور کوئی لفظ اس مفہوم کے لیے ذہن میں نہیں آیا۔(۱۰)

اس سے ثابت ہوا کہ ہر اس مسلمان کے لیے جو خدا کے وجود اور یوم آخرت پر صحیح ایمان رکھتا ہو رسول اللہ کی پاک سیرت و اسوہ حسنہ پر عمل کر کے اخلاقی اوصاف پیدا کرنا اولین فرائض میں سے ہے۔

حضورؐ کی برے اخلاق سے بچنے اور نیک اخلاق حاصل کرنے کی دعا

اگرچہ انسان کا نیک سیرت و خلیق ہونے کا زیادہ تر مدار اس کی جرات و ہمت اور استقلال و ثبات قدمی و عاقبت اندیشی پر ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ توفیق الٰہی کا بھی اس

میں دخل ہے۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ بارگاہ رب العزت میں ہر وقت و ہر آن اخلاق شنیعہ سے بچنے اور اخلاق صالحہ کے حاصل کرنے کی دعا مانگا کرے تاکہ حق تعالیٰ کی امداد و رحمت شامل حال ہو کر ہر قسم کے شیطانی حملوں سے بچاؤ ہوتا رہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضرت رسول کریمؐ ہمیشہ ایسی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ مثلاً یہ کہ

> اے اللہ میں تیرے پناہ مانگتا ہوں (خاص تیری اور ہر قسم کی) دشمنی و نفاق سے اور (میں پناہ مانگتا ہوں) برے اخلاق سے۔(۱۱)

دوسری حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ

> اے اللہ بے شک میں تیری پناہ مانگتا ہوں (ہر قسم کے) برے اخلاق اور برے اعمال اور بری خواہشات سے۔(۱۲)

اخلاق حسنہ کے حاصل کرنے کی دعائے رسول یہ ہے جو آپ ہر نماز کی ابتدا میں مانگا کرتے تھے۔

> اے اللہ! تو ہی شہنشاہ ہے۔ نہیں ہے کوئی دوسرا معبود (برحق) سواء تیرے' تو میرا پروردگار ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔ میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا' اور (پھر) اعتراف کیا میں نے اپنے گناہ کا پس تو بخش دے گناہ میرے' بے شک کوئی نہیں جو گناہوں کو بخش دے سوائے تیرے اور ہدایت کر مجھ کو بہترین اخلاق کی (دوسرا کوئی) اچھے اخلاق کی ہدایت کرنے والا نہیں مگر (ایک) تو ہی اور دور کر مجھ سے برے اخلاق کو۔ (دوسرا کوئی) سوائے تیرے نہیں جو مجھ سے اخلاق شنیعہ کو دور کردے۔(۱۳)

ایک دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں جن کو حضور کے پیچھے ہمیشہ نماز پڑھتے ہوئے سنا گیا ہے

> اے اللہ! تو بخش دے میری خطاؤں اور سب گناہوں کو۔ اے اللہ! میرا مرتبہ بلند کر اور میرے تمام کام سنوار دے۔ اور مجھے ہدایت کر نیک اعمال و صالح اخلاق کی۔ بے شک نیک اعمال و اخلاق کی۔ دوسرا کوئی ہدایت کرنے والا نہیں اور نہ

ہی کوئی بری عادتوں کو دور کرنے والا ہے سوائے تیرے۔(۱۴)

یہ اور اس قسم کی بیسیوں اور دعائیں ہیں جن میں حضرت معلم اخلاق اعظم نے عمل و اخلاق کی مختلف طور سے اہمیت و ضرورت کو واضح و ثابت کیا ہے۔ اور یہ کہ اسلام میں جس قدر وقعت ان کو حاصل ہے اتنی دیگر امور کو نہیں۔ چنانچہ ایک خاص الخاص دعا یہ کرتے تھے جس کو حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول کریمؐ نماز شروع کرتے تھے تو تکبیر اولیٰ کے بعد فاتحہ سے پہلے فرماتے کہ :۔

بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی و موت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو رب العالمین ہے جس کا کوئی شریک نہیں' اور اسی طرح کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے (ایک مسلمان ہوں) اے اللہ! تو مجھے اچھے اعمال اور اچھے اخلاق کی ہدایت کر دوسرا کوئی ان کی اچھائیوں کی ہدایت کرنے والا نہیں سوائے تیرے۔ اور مجھے برے اعمال اور برے اخلاق سے بچائیو' کہ سوائے تیرے کوئی بھی ان کی برائیوں سے بچانے والا نہیں ہے۔(۱۵)

اس دعا نے تو فیصلہ ہی کر دیا کہ مسلمان کہلانے کے لیے کن کن اوصاف و ایثارات کی ضرورت ہے اور یہ کہ اس کی زندگی و موت کا حقیقی مقصد و مالک کون ہے۔ اور اس کے جذبات و خواہشات کی نہج صحیح کیا ہے کہ وہ مسلم کہلانے میں سچا ثابت ہو سکے۔ مزید برآں یہ کہ حضور کے سامنے محض عقائد کی اصلاح و فساد کا سوال نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہے تو وہ اعمال و اخلاق کا ہی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

پس اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ ہر نماز کو شروع کرتے وقت قرات سے پہلے یہی دعائیں مانگا کرتے تھے' دوسرا باریک نکتہ یہ ہے کہ اسلام میں تمام اعمال سے بڑھ کر عمل نماز ہے۔ اور پھر آپ نماز کی ابتدا بھی اخلاق حسنہ کے حاصل کرنے کی دعا سے کرتے تھے۔ لہذا حضور کے تتبع میں جماعت اسلامیہ کے افراد کو بھی نماز کا افتتاح ایسی ہی دعاؤں سے کرنا چاہیے تاکہ پھر اپنی دعاؤں کو عملی جامہ پہنانے کا خاص طور پر احساس رہے۔ خصوصاً" آخری دعائیں اسلام کا جامع پروگرام پیش نظر رہتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

(۱) کشف المغطا عن کتاب الموطا جلد ۳ باب ماجاء فی حسن الخلق طبع صدیقی ص ۵۴۳ ورواہ حاکم و احمد و الطبرانی ماخوذ از کشف المغطا ص ۵۴۳

(۲) صحیح المستدرک حاکم جلد ۲ کتاب التاریخ' دلائل النبوۃ عن ابی ہریرۃ مطبع دائرۃ المعارف ص ۶۱۳

(۳) عن ابن سعد للبخاری فی الادب' حاکم' بیہقی' عن ابی ہریرۃ۔ ماخوذ از جامع الصغیر للسیوطی جلد اول فصل انما مطبوعہ مصر ص ۸۶

(۴) کتاب کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق بر حاشیہ جامع صغیر للسیوطی جلد ۱ مصری صفحہ ۱۰۵

(۵) بخاری جلد ۲ کتاب الادب باب حسن الخلق عن ابن عباس کرزن پریس ص ۸۹۱ و مسلم جلد ۲ کتاب الفضائل باب من فضائل ابو ذر مطبع علیمی ص ۲۹۵

(۶) صحیح بخاری جلد اول باب کیف کان بداؤ الوحی۔ کرزن پریس ص ۴

(۷) اسد الغابہ تذکرۂ حضرت اکثم بن صیفی۔ ماخوذ از سیر الصحابہ جلد دہم' مذہبی خدمات اشاعت اسلام' مطبع معارف ص ۱۵۹

(۸) المستدرک حاکم جلد ۲ کتاب التاریخ ذکر خلق رسول مطبع دائرۃ المعارف ص ۶۱۳ و ابو داؤد جلد ۱ کتاب الصلوۃ باب فی الصلوۃ الیل عن سعد بن ہشام مطبع مجتبائی ص ۱۹۶

(۹) مفردات امام راغب

(۱۰) ابوالکلام آزاد ماخوذ از الہلال جلد ۱ نمبر ۲ عیدالضحیٰ ص ۵ کالم اول کا حاشیہ۔

(۱۱) سنن نسائی جلد ۲ کتاب الاستعاذہ من الشقاق الخ مطبع رحیمیہ ص ۲۶۸ عن ابی ہریرہ۔

(۱۲) جامع ترمذی جلد ۲ ابواب الدعوات باب عن قطبہ بن مالک مطبع فیض ص ۵۳۷

(۱۳) مسلم جلد ۱ کتاب الصلوۃ المسافرین باب صلوٰۃ النبی و دعایہ بالیل عن علی مطبع علیمی ص ۲۶۳ و ابو داؤد جلد ۱ کتاب الصلوۃ باب مایستفتح بہ الصلوۃ من الدعاء مطبع مجتبائی ص ۱۱۷ و مسند للشافعی کتاب استقبال القبلۃ مطبع خلی ص ۱۹

(۱۴) المعجم الصغیر للطبرانی الجز السابع من اسمہ عبداللہ عن ابی ایوب مطبع انصاری ص ۱۳۶

(۱۵) سنن نسائی جلد ۱ کتاب الافتتاح باب الدعاء بین التکبیر و القراۃ مطبع مجتبائی ص ۱۴۲

فصل سوم

اخلاق کے متفرق احکام

حضرت بانی اسلام علیہ السلام نے حقیقت اخلاق کو مختلف حکیمانہ و پیغمبرانہ انداز میں پیش کیا ہے تاکہ جو افراد بھی جماعت اسلامیہ میں شامل ہونا چاہیں تو وہ اس کا عملی لحاظ رکھیں۔ کیونکہ آپ کی بعثت کا مقصد و فرض ہی یہی تھا۔ کہیں اس کی تعریف صوم و صلوۃ کے برابر کی اور کہیں کسی کو نصحیتاً اس کی تعلیم دی، اور کہیں اس کو ایمان سے بھی زیادہ وزنی قرار دیا، اور کہیں تو یہ فرمایا کہ خداوند تعالیٰ اور میرے نزدیک جتنی وقعت و عزت کسی حامل اخلاق کی ہو سکتی ہے اتنی کسی اور کی نہیں۔ چنانچہ ہم ان ارشادات قدسیہ کو ذیل میں بحوالہ درج کرتے ہیں۔ مثلاً ارشاد پاک ہے کہ

> کوئی (دوسری ایسی) شے نہیں جو میزان (قیامت) میں رکھی جاوے تو وہ حسن خلق سے زیادہ وزنی (یعنی قابل قبول و باعث درجات و نجات) ہو، اور بے شک حسن خلق والا اس کے طفیل ایک روزہ دار و نمازی کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ (۱)

ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ

> بے شک انسان حسن اخلاق کے باعث قائم الیل (یعنی ہمیشہ رات کو عبادت کرنے والے) اور صائم النہار (یعنی ہمیشہ روزہ رکھنے والے) کے درجات کو حاصل کر لیتا ہے۔(۲)

چنانچہ جن لوگوں کو خدا و رسول کے نزدیک عزت و شوکت اور وقعت و تقریب و الفت حاصل ہے وہ بھی حاملین اخلاق فاضلہ ہیں۔ مثلاً ارشاد پاک ہے کہ

> بے شک تم اپنے اخلاق حسنہ کے طفیل ہی میرے نزدیک محبوب ہو سکتے ہو۔ (۳)

ایک اور ارشاد میں اس سے بھی زیادہ وضاحت کر کے زور دیا گیا ہے کہ

بے شک تم میں سے قیامت کے دن مجھ سے وہ لوگ محبوب اور مجلس کے لحاظ سے میرے مقرب ہوں گے جن کے اخلاق تم میں سے اچھے ہوں گے۔ اور میرے نزدیک زیادہ غضب ناک اور مجھ سے دور تم میں سے وہ لوگ ہوں گے جو زیادہ باتونی اور متکبر ہیں (۴)

یہی نہیں کہ خوش خلقی صرف رسول کریم کو عزیز ہے بلکہ حق تعالیٰ کو بھی محبوب و پسند ہے۔ چنانچہ ارشاد پاک ہے کہ

اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے زیادہ محبوب خدا وہ ہے۔ جس کے اخلاق اچھے ہوں۔(۵)

پھر ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ

بے شک تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں (۶)

ایک دفعہ اتفاق سے چاروں جوانب سے سوالات ہوئے۔ مثلاً سامنے سے آنے والے نے پوچھا۔ "یارسول اللہ! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟" فرمایا " حسن خلق۔"بائیں طرف سے استفسار ہوا کہ "کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا " حسن خلق" پیچھے سے دریافت ہوا کہ "کونسا عمل افضل ہے" آپ نے مڑ کر دیکھ کر فرمایا کہ "تجھے کیا ہوا ہے کہ سمجھتا نہیں؟ حسن خلق۔ اور وہ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے تو تو غصہ نہ کر" (۷)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خلاق ارض و سما اور اس کے رسول برحق کے نزدیک کفر و ایمان و ہلاکت ہر دو جہان و نجات دنیا کا سارا دار و مدار صرف اعمال حسنہ و اخلاق فاضلہ پر ہے۔ اور یہ کہ جس قدر قدر و منزلت اور عزت و افتخار اخلاق کو حاصل ہے وہ حقیقی توحید و رسالت کے بعد کسی دوسرے امر کو حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ

(رب العالمین کی طرف سے) جو بہترین نعمت مرد مومن کو دی گئی ہے "وہ حسن خلق ہے اور بدترین شے جو انسان کو دی گئی ہے" وہ حسین و جمیل شکل میں برا دل ہے (جس کے طفیل نیک و بد کی تمیز نہیں ہو سکتی اور وہ بالفاظ دیگر بد اخلاقی

ہے(۸)

ایک اور حدیث میں یہاں تک فرما دیا گیا کہ

چار چیزیں ایسی ہیں اگر وہ تجھ میں پائی جائیں تو دنیا (و مافیہا) کا سب کچھ بھی جاتا رہے تو پرواہ نہ کیجئے (اور وہ یہ ہیں) ہمیشہ سچ بولنا ۲۔ امانت کا محفوظ رکھنا ۳۔ اور حسن خلق و ۴۔ کھانے پینے میں پرہیز گاری اختیار کرنا۔ (یعنی ہر جا و بیجا سے خورد و نوش نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ لقمہ حلال ہی کھایا جائے۔ اگرچہ وہ روکھا سوکھا ہی کیوں نہ ہو) (۹)

آپ ہمیشہ اپنے صحابہ کو اخلاقی تعلیمات سے پاک و مزین کرتے رہتے تھے۔ کیونکہ دین اسلام کا اصلی سرمایہ یہی اخلاق ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ نے حضرت ابوذرؓ کو (جو کہ خاص اخلاقی تعلیم سے ہی متاثر ہو کر مشرف باسلام ہوئے تھے) ان سنہری الفاظ میں نصیحت فرمائی کہ

اے ابوذر! تو جہاں کہیں بھی رہے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کر (کیونکہ وہ زبردست جبار و قہار بھی ہے) اور اگر بتقاضائے بشریت کوئی گناہ (کر لے تو اس) کے (فوراً) بعد (کوئی ایسی بڑی) نیکی کر لیا کرو جو اس گناہ کی تلافی کر دے۔ اور لوگوں سے حسن اخلاق سے ملا کر (کہ یہ اصل اسلام ہے) (۱۰)

بالکل یہی نصیحت آپ نے حضرت معاذؓ کو بھی فرمائی ہے جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ (۱۱)

الغرض اس حدیث میں رسول کریمؐ نے تین نہایت اہم امور اسلام کی تلقین فرمائی ہے۔ خدا کا خوف گناہ کے بعد طاعت حق، حسن اخلاق، دراصل غور و تعقل اور شعور کامل و قلب سلیم سے کام لیا جائے تو یہ بلا تامل سمجھ میں آ سکتا ہے کہ تمام گناہوں سے بچنے اور صلاح و تقویٰ اور نیک عمل کی قوت حاصل کرنے کا سب سے بڑا اور غیرفانی سرچشمہ صرف خدائے قہار و ذوالجلال کی موجودگی کا صحیح تصور اور اس کے روبرو حاضر ہو کر اپنے اعمال کا بدلہ لینے کا صحیح و اکمل موجب عمل یقین و ایمان ہے۔ جیسا کہ ہم آئندہ اوراق یعنی کتاب

حقیقت ایمان باللہ میں ثابت کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز الحکیم۔

اخلاق کے مستحق غیر مسلم بھی ہیں نہ کہ خاص مسلمان

عام طور پر یہ گمراہی پھیلی ہوئی ہے کہ "یہ اخلاقی احکام جس قدر بھی ہیں وہ باہمی ہم مذہب لوگوں کے متعلق ہیں" غالباً یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم اقوام اکثر مدعیان اسلام کی بداخلاقی سے نالاں و ترساں ہیں۔ یہ ہمیں تسلیم ہے کہ نام نہاد مسلمانوں نے بے شک غیر مسلم وطن سے عملاً بد اخلاقی کو جائز رکھا ہے۔ مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایسے لوگوں کو جس ناگفتہ بہ بد اخلاقی و انسانیت سوز افعال سے خود اپنے ہم مذہب مسلمانوں کو تختہ مشق بنا رکھا ہے اس قدر غیر مسلموں کو نہیں بنایا۔ کیونکہ ان کا شب و روز کا تعلق اپنے ہم مذہبوں سے ہے اس لیے ہر وقت ان کا فاسقانہ خنجر مسلمانوں کے گلے پر پھرتا رہتا ہے۔ لہٰذا کسی غیر مسلم کو خاص طور پر ان رسوا کنندگان اسلام سے شکوہ سنج نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ نہ اپنوں کے ہیں نہ بیگانوں کے۔ اس کی وجہ در حقیقت اسلامی تعلیمات و اخلاق کو چھوڑ کر خواہشات نفسانی کی پرستش کرنا ہے۔ اور بس۔ بالفاظ دیگر ایسے لوگوں نے اسلام کا جوا اپنے گلے سے اتار پھینکا ہے لیکن نامردی و بزدلی سے نام اسلام سے انکار نہیں کر سکتے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جتنا اسلام کو نقصان اسلام کے اندر رہ کر پہنچا سکتے ہیں اتنا خارج ہو کر نہیں پہنچا سکتے۔ اس لیے ان منافقین و عیارا عدائے اسلام نے یہی ڈھنگ اختیار کر رکھا ہے اگر ہم مودبانہ گزارش کریں گے کہ اے غیر مسلم بھائیو! آپ اکثر مدعیان اسلام کی بد عملی و بد خلقی پہ نہ جائیں بلکہ براہ راست اسلامی تعلیم کا مطالعہ کر کے خود راہ حق تلاش کر کے اپنی نجات حاصل کریں۔ پس ہم فی الحال بطور نمونہ ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس میں غیر مسلموں سے بھی اخلاق کا ثبوت دینے کا حکم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ

> اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو وحی بھیجی کہ اے میرے دوست! اپنے اخلاق کو سنوار، اگرچہ کفار (غیر مسلموں) کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو (جب تم ایسا کر لو گے)

تو پھر ابرار کے مدخل میں داخل ہو جاؤ گے۔ اور بے شک اسی شخص کے حق میں جس نے اپنے اخلاق اچھے رکھے ہیں۔ میں نے پہلے سے فیصلہ کر لیا ہے اس کو (قیامت کے دن) اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دوں گا۔ اور بے شک اس کو اپنے حظیرت قدس (نہایت مقدس مقام) سے بلاؤں گا اور بے شک اس کو اپنے پڑوس میں قریب تر رکھوں گا۔ (۲۲)

اس حدیث میں صاف حکم دیا گیا ہے کہ جن کو تم کافر سمجھتے ہو ان کے ساتھ بھی اخلاق حسنہ سے پیش آؤ۔ اب جو لوگ اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں قصور ان کا ہے نہ کہ اسلام کا۔ کیونکہ اسلام نے جماعت اسلامیہ کو جو احکام دیئے ہیں ان کا کچھ نمونہ اس کتاب میں مل جائے گا۔ لہذا فیصلہ ان کے متعلق کرنا چاہیے اور بس۔

حقیقت بروائم

پھر آپ سے حقیقت گناہ و نیکی کے متعلق سوال کیا گیا تو ارشاد فرمایا کہ

نیکی، اخلاق حسنہ ہے، اور گناہ وہ ہے جو (اس کے ارتکاب کے بعد) تیرے دل میں کھٹکے (کہ یہ فعل دراصل اچھا نہیں تھا) اور یہ کہ تو اس امر کو برا سمجھے کہ لوگ اس سے مطلع ہوں۔ (یعنی اس کی تشہیر نامناسب خیال کرے) (۲۳)

گویا اخلاق حسنہ ہی نیکی و اسلام ہے نہ کہ صرف نماز، اور بد خلقی گناہ و نافرمانی حق ہے۔

مگر یار لوگوں نے اسلام و ایمان کو اپنے چند خود ساختہ و مزعومہ عقائد میں الجھا رکھا ہے گویا جو شخص ان کے اس اعتقادی سانچہ میں ڈھل جائے وہ پکا مسلمان ہے اگرچہ وہ ساری عمر فسق و فجور اور بد اخلاقی میں بسر کر چکا ہو۔ لیکن بخلاف اس کے جو لوگ ان کے عقائد غیر مسنونہ کے مخالف ہو کر رہیں تو وہ ان کے نزدیک کافر و بے دین ہیں۔ اگرچہ ان کی ساری زندگی زہد و تقویٰ اور نیک عملی و خوش اخلاقی میں گزری ہو۔

جنگ ہفتا دو و ملت جمہ را عذر بنہ
چوں ندید ند حقیقت رہ افسانہ زوند

مگر ہماری جماعت اسلامیہ کے نزدیک کفرو ایمان کا معیار ہی کچھ اور ہے گویا صدر اول میں جو معیار قرآن مجید نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تفویض کیا ہے وہی معیار ہمارا ہے۔ ع

جسے ہے حسن کا دعویٰ وہ روبرو آئے

اخلاق اور اسلام

یہ اور اس قسم کی جس قدر بھی لا تعداد احادیث صحیحہ ہیں ان سب پر غور کرنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام و ایمان سراسر مجموعہ اعمال و اخلاق ہے اور جس قدر بھی بد عملی فسق و فجور ہے وہ سارا کا سارا کفرو الحلو کی پیداوار ہے گویا اخلاق ہی ایک ایسی صفت ہے جو مابہ الامتیاز کفرو اسلام ہے۔ چنانچہ باقی اسلام' معلم اخلاق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ۔

بے شک اسلام میں (ذرہ بھر) نہ جبلی فحش ہے اور نہ کسبی۔ اور بے شک اسلام کے اعتبار سے اچھے لوگ وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔(۱۴)

پھر ایک موقع پر ارشاد پاک ہے کہ

دو خصلتیں ایسی ہیں کہ وہ ہرگز کبھی مومن میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ ایک بخل ہے دوسری بد خلقی۔ (۱۵)

ایک اور حدیث نبوی ہے کہ

طعنہ دینے والا' اور لعنت کرنے والا' اور بے حیا (و فحاشی) اور بیہودہ گو مومن نہیں ہوتا۔ (۱۶)

ایک شخص نے آ کر سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ایمان کے اعتبار سے کون سے مومن کا

مل ترین ہیں؟ فرمایا

ان میں سے جن کے اخلاق اچھے ہیں(۱۷)

پھر ارشاد فرمایا کہ

ایمان کے لحاظ سے کامل ترین مومن وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں (۱۸)

اس حصہ کی پہلی حدیث نمبر۵۱ میں صاف طور سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ اسلام میں رہ کر کوئی شخص بھی نہ فطرۃ بد اخلاق ہو سکتا ہے اور نہ کسبًا۔ یعنی جو شخص فحش کارو بد اطوار ہو گا اس کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ کیونکہ فحاشی اور بد اخلاقی اسلام کی ضد ہے۔ اور اجتماع ضدین ناممکن ہے۔ اسی واسطے بانی اسلام نے حدیث نمبر ۵۲ میں یہ قطعی فیصلہ فرما دیا ہے کہ کوئی مرد مومن و مسلم بد خلق نہیں ہو سکتا۔ جس کی کامل تشریح حدیث نمبر ۵۳ میں کی گئی ہے۔ گویا جس کے بعد کسی تاویل و تحریف کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

پھر اس کے بعد نمبر ۵۴۔ ۵۵ میں ایمان کی تکمیل کا باعث اعظم بھی بتا دیا گیا کہ ایمان اخلاق حسنہ ہی سے مکمل ہو سکتا ہے۔ نہ کہ خشک اعتقادات سے۔ اور یہیں سے یہ حقیقت کبری بھی بے نقاب ہو جاتی ہے کہ ایمان اور اخلاق و اعمال ایک شے ہے۔ اور اگر اخلاق و اعمال نہیں تو ایمان بھی نہیں۔

پس جن لوگوں کو ایمان عزیز اور اسلام پیارا ہے۔ اور جن کو حیات فانی کے بعد حیات دائمی کو ذلت و نکبت سے بچا کر ابدی عیش و تنعم اور خوش حالی و شادکامی اور عزت و افتخار سے بسر کرنا پسند ہے انہیں لازم ہے کہ وہ اپنے اندر اسلامی اعمال و اخلاقی اوصاف پیدا کر کے ہر دو عالم میں عزت و وقار اور تمکنت و سربلندی حاصل کریں۔ ورنہ بصورت دیگر ایمان کے بجائے کفر و الحاد کرتے ہوئے غضب الٰہی کا مصداق ہونا پڑے گا۔ العیاذ باللہ

آخر میں مذکورہ بالا احادیث کی تائید و تصدیق میں ایک آیت قرآنی پیش کرتے ہیں۔ جس کے بعد کسی مزید دلیل کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

بے شک تم میں برگزیدہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہیں جو تم میں پرہیز گار

ہیں۔

(قرآن پارہ ۲۶ سورہ الحجرات رکوع ۲)

حواشی و حوالہ جات

(۱) جامع ترمذی جلد ۲ ابواب البر والصلتہ باب ماجاء فی حسن خلق عن ابی الدرداء مطبع فیض ص ۵۰، ۵۱۔

(۲) المستدرک حاکم جلد ۱ کتاب الایمان باب ان اللہ لیبلغ العبد الخ عن عائشہ مطبع دائرۃ المصارف ص ۶۰ و لفظی تغیر کے ساتھ سنن ابی داؤد جلد دوم کتاب الادب باب فی حسن خلق مطبع مجتبائی ص ۳۰۳

(۳) المعجم الصغیر للطبرانی الجزالتاسع من اسمہ محمد عن ابی ہریرۃ مطبع انصاری ص ۱۷۲

(۴) جامع ترمذی جلد ۲ ابواب البر والصلتہ باب ماجاء فی معالی الاخلاق عن جابر مطبع فیض ص ۴

(۵) طبرانی ماخوذ از سیرۃ النبی جلد ۶ اخلاق حسنہ کا درجہ اسلام میں مطبع معارف تقطیع خورد ص ۲۲

(۶) بخاری جلد ۲ کتاب الادب باب حسن خلق و السخاء عن عبد اللہ بن عمرو کرزن پریس ص ۸۹۲ و مسلم جلد دوم کتاب الفضائل باب کثرت حیایۂ مطبع علیمی ص ۲۵۵ و ترمذی جلد ۲ ابواب البروالصلتہ باب ماجاء فی الفحش مطبع فیض ص ۴۵

(۷) رواہ محمد بن نصر المروزی فی کتاب الصلوۃ عن العلا ماخوذ از الترغیب والترہیب جلد سوم کتاب الادب باب الترغیب فی الخلق الحسن مطبوعہ مصر صفحہ ۲۵۷

(۸) ابن ابی شیبہ عن رجل من جہنیتہ ماخوذ از جامع الصغیر للسیوطی جلد ۲ فصل خیر مطبوعہ مصر ص ۹

(۹) مسند احمد، طبرانی، حاکم بیہقی، ابن عدی، ابن عساکر، عن عبد اللہ ماخوذ از جامع الصغیر للسیوطی جلد ۱ فصل اربع مطبوعہ مصر ص ۳۰

(۱۰) المستدرک حاکم جلد ۱ کتاب الایمان باب خالق الناس بخلق حسن مطبع دائرۃ المعارف ص

۵۴ و جامع ترمذی جلد ۲ کتاب البر و الصلته باب ماجاء فی معاشرت الناس مطبع فیض ص ۲۷
و سنن دارمی نصف الاخر کتاب الرقاق باب فی حسن خلق مطبع نظامی ص ۳۷۶
(۱) المعجم الصغیر للطبرانی الجز السادس فصل من اسمہ علی مطبع انصاری ص ۱۰۹
(۲) رواہ الطبرانی عن ابی ہریرہ۔ ماخوذ از الترغیب و الترہیب جلد ۳ کتاب الادب باب الترغیب فی الخلق الحسن مطبوعہ مصر ص ۲۵۸
(۳) صحیح مسلم جلد ۲ کتاب البر والصلتہ والادب باب تفسیر البرو الاثم عن ابن سمعان مطبع طلیمی ص ۳۱۴ و جامع ترمذی جلد ۲ ابواب الزہد باب ماجاء فی البروالاثم مطبع فیض ص ۴۰ و سنن دارمی نصف الاخر کتاب الرقاق باب فی البروالاثم مطبع نظامی ص ۳۷۶
(۴) رواہ احمد و الطبرانی عن جابر۔ ماخوذ از الترغیب و الترہیب جلد ۳ کتاب الادب باب الترغیب فی الخلق الحسن مطبوعہ مصر ص ۲۵۹
(۵) جامع ترمذی جلد ۲ ابواب البر والصلتہ باب ماجاء فی التجل عن ابو سعید خدری مطبع فیض ص ۲۳
(۶) جامع ترمذی جلد ۲ ابواب البر والصلتہ باب ماجاء فی اللعنت عن عبد اللہ مطبع فیض ص ۲۵
(۷) رواہٗ الطبرانی الاوسط عن عمیر بن قتادۃ۔ ماخوذ از الترغیب والترہیب جلد ۳ کتاب الادب باب الترغیب فی الخلق الحسن مطبوعہ۔ مصر ۲۵۹۔
(۸) جامع ترمذی جلد ۱ ابواب الرضاع باب ماجاء فی حق المراتہ علی زوجہا عن ابی ہریرہ مطبع فیض ص ۳۵۹ والمستدرک حاکم جلد ۱ کتاب الایمان باب من اکمل المومنین ایمانا" الخ مطبع دائرۃ المعارف ص ۵۳ والدارمی نصف الاخر کتاب الرقاق باب فی حسن خلق نظامی پریس ص ۳۷۶ والمعجم الصغیر للطبرانی اجزالسابع من اسمہ عبد اللہ عن ابی سعید خدری مطبع انصاری ص ۳۵

فصل چہارم

روز قیامت اور اخلاق کا نتیجہ

صرف یہی نہیں کہ بااخلاق انسان اسی دنیائے فانی میں معزز و وقیع اور لائق صد آفرین و تحسین اور مستحق شاباش و قابل داد ہے۔ بلکہ اس کے بعد ایک عالم جاودانی بھی ہے۔ جس کو قیامت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے' وہاں بھی صاحب اخلاق اپنے اعمال و اکتسابات کے باعث تمام مخلوقات میں افضل و اشرف شمار کیا جائے گا۔ جیسا کہ طبرانی میں ارشاد پاک ہے۔

بے شک انسان اپنے اخلاق حسنہ کے باعث روز آخرت میں درجات عظیم و شرف المنازل حاصل کر لے گا' حالانکہ وہ شخص (دنیا میں ایک) کمزور (و ناتواں) بندہ ہو گا۔ اور بے شک وہی (انسان) اپنی بد خلقی کے طفیل جہنم کے نہایت اسفل مقام تک پہنچ جائے گا۔(۱)

ایک اور حدیث قدسی ہے جس کو امام حکیم ترمذی نے روایت کیا ہے کہ پس بے شک میرا یہ فیصلہ پہلے سے اس شخص کے حق میں ہو چکا ہے جس نے اپنے اخلاق سنوار لئے ہوں گے۔ کہ میں اس کو (قیامت کے دن) اپنے عرش کے نیچے جگہ دوں گا' اور بے شک میں اس کو اپنے حظیرت قدس (یعنی نہایت مقدس مقام) میں سکونت بخشوں گا' اور بے شک میں اس کو اپنے پڑوس میں قریب تر کر لوں گا۔(۲)

اس سے ثابت ہوا کہ خدائے ذوالجلال والاکرام کا تقرب حاصل کرنے کے لئے جس امر کی ضرورت ہے تو وہ حسن اخلاق ہے۔

ایک اور حدیث ہے جس کو امام ترمذی نے مکمل اور ابوداؤد نے نصف روایت کیا ہے۔ جس میں ارشاد ہے کہ

کوئی چیز (یا کوئی عبادت) ایسی نہیں جو مومن کی میزان میں قیامت کے دن حسن اخلاق سے زیادہ وزنی (اور باعث نجات ثابت) ہو۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ بے حیا و بے ہودہ گو کو دشمن رکھتا ہے۔(۳)

اس حدیث سے چند امور پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک یہ کہ قیامت میں جس چیز کو تولا

جائے گا وہ کوئی اسلامی عقیدہ نہیں ہو گا بلکہ اعمال و اخلاق ہوں گے' دوم یہ کہ اس سے زیادہ کوئی دوسرا فعل بھی زیادہ مستحق بے حیاء و بدکار شخص ہو گا نہ کہ صرف خود ساختہ بد عقیدہ شخص' جیسا کہ اکثر لوگوں کا خیال ہے۔

لہٰذا ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں بھی ایسا ہی آیا ہے کہ قیامت میں صرف اعمال کا وزن کیا جائے اور اعمال و اکتساب ہی کے طفیل دوزخ و جنت کا منہ دیکھنا پڑے گا اور اہل دوزخ جب جہنم میں پہنچ جائیں گے تو پھر جس چیز کی خاطر پھر دنیا میں آ کر انجام دینے کی آرزوئیں کریں گے تو وہ بھی اعمال حسنہ و اخلاق صالحہ ہی ہوں گے۔ نہ کہ اعتقادات۔

پس اس قسم کے دلائل و براہین کی موجودگی میں کوئی بھی ذی شعور و عقل مند اور محقق و صاحب قلب سلیم انسان اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ اسلام میں جو کچھ بھی امر قابل حق ہے تو وہ صرف حسن عمل و نیک خلق ہے۔ اور فلاح و نجات کا انحصار بھی صرف اسی پر ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

سب سے بڑی اور لاجواب دلیل یہ ہے کہ ہر شخص کی زبان پر (قرآن سے متاثر ہو کر) یہ الفاظ چڑھے ہوئے ہیں خواہ وہ امی ہے کہ عالم چھوٹا ہے کہ بڑا عورت ہے کہ مرد قیامت میں "اعمال نامے" ملیں گے۔ یہ کسی نے آج تک کہیں بھی پڑھا سنا نہیں کہ اعتقاد نامے ملیں گے۔ جب حقیقت ایسی ہی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ حقیقت عمل و اخلاق کو فراموش کر کے محض اعتقادی رٹ لگا کر اسی پہ زور دیا جائے۔ اب بطور مشتے نمونہ از خروارے چند ایک آیات قرآنی کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ قیامت میں صرف جزائے عمل کے ثبوت کی دلیل یہ ہے کہ جس میں خدائے مالک یوم الدین کا ارشاد ہے کہ

اور (اے پیغمبر) تم دیکھو گے کہ ہر ایک امت (منتظر فیصلہ مودب اور) زانو بیٹھی ہو گی (اور ان سے کہا جائے گا کہ دنیا میں) جو کچھ تم عمل کرتے رہے آج کے دن ان کا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ ہماری کتاب ہے (جس میں تمہارے اعمال نامے لکھے ہوئے ہیں) تمہارے مقابلہ میں (بلاکم و کاست) حق حق بول رہی ہے۔ جیسے جیسے تم عمل کرتے تھے ہم انہیں

(ساتھ ہی ساتھ) لکھواتے جاتے تھے۔

(قرآن پارہ ۲۵ سورۃ الجاثیہ رکوع ۴)

اور جہاں لفظ فعل کے ساتھ سزا کو بیان کیا گیا ہے اس کی دلیل یہ ہے:۔

سوائے اس کے نہیں کہ ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے' پھر وہی ان کو بتا دے گا (یعنی بدلہ دے گا) جو کچھ وہ افعال کرتے تھے۔ اور جزائے اکتساب کے ثبوت کی دلیل یہ ہے جس میں ارشاد ہے کہ اور (اے میرے نادان بندو!) اس دن (کی وحشت ناکی و ہولناکی) سے ڈرتے رہا کرو جس میں تم (سب کے سب) اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ ہر ایک شخص کو اس کے (کئے ہوئے) کسب کا پورا پورا دیا جائے گا۔ اور ان لوگوں پر (ذرا بھر بھی) ظلم نہ کیا جائے گا۔

(قرآن پارہ ۳ سورۃ البقرہ رکوع ۳۸)

پھر ارشاد حق تعالیٰ ہے کہ

پھر (قیامت کے روز) ان لوگوں کو کہا جائے گا جو (اس دنیا میں طرح طرح کے) ظلم (اور گوناگوں فسق و فجور) کرتے تھے' کہ اب دائمی عذاب (کے مزے) چکھو۔ یہ جو جزا تمہیں دی جا رہی ہے تمہارے اپنے ہی کسب (کرتوتوں) کا بدلہ ہے (اور بس)۔

(قرآن پارہ ۱۱ سورۃ یونس رکوع ۱۰)

ان آیات میں حقیقت عمل و اکتساب کا بخوبی احساس کرایا گیا ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ فاسق اور نافرمان حق لوگ جب جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی خاطر کس چیز کی خواہش کریں گے؟ (اگرچہ ان کی یہ آرزو بر نہ آئے گی) آیا پھر سے اعتقاد و یقین کی یا اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ کی؟ چنانچہ ارشاد ارحم الخالقین و سنا ہے کہ

اور وہ لوگ دوزخ میں چیختے (چلاتے) ہوں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو (یہاں سے) نکال (کر پھر دنیا میں لے چل تاکہ) ہم جیسے عمل کرتے رہے اب ویسے نہیں (بلکہ) اعمال صالحہ کریں گے (تو ہم ان کو جواب دیں گے کہ) کیا ہم نے تم کو اتنی عمریں نہیں دی تھیں کہ جس کو نصیحت اندوز ہونا اس میں منظور ہوتا تو وہ جاتا؟ اور (علاوہ ازیں) تمہارے پاس (ہماری طرف سے ایک) ڈرانیوالا بھی آپہنچا تھا (مگر تم نے پھر بھی ہمارے عذاب سے

بچنے کی کوشش نہ کی) پس (اب اپنے کیے کے) مزے چکھو کہ نافرمان لوگوں کا کوئی بھی مدد گار نہیں۔

(قرآن پارہ ۲۲ سورۃ فاطر رکوع ۴)

گویا سزا و جزا کا ترتب عمل پر ہو گا نہ کہ محض یقین و اعتقاد پر۔

پس ثابت ہو گیا کہ دخول جہنم کی موجب صرف بد عقیدگی نہیں بلکہ کلیتہً بد عملی و نافرمانی ہے۔ لیکن اب دخول جنت کا باعث خاص بھی دیکھنا ہے کہ وہ کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد حق تعالیٰ ہے کہ

یہی وہ جنت ہے کہ ہمارے بندوں میں سے جو پرہیزگار ہو گا ہم اسے اس کا وارث بنائیں گے۔

(قرآن پارہ ۱۶ سورۃ مریم رکوع ۴)

پھر دوسرے مقام پر ارشاد پاک ہے کہ

اور (قیامت کے دن ان لوگوں سے) پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ یہی جنت ہے جس کے تم ان اعمال کی بدولت وارث قرار دیے گئے۔ جن کو تم (دنیا میں) کرتے تھے۔

(قرآن پارہ ۸ سورۃ الاعراف رکوع ۵)

پس اب یہ حقیقت بھی نہایت واضح و ثابت ہو گئی کہ جہاں دوزخ بد عملی کا نتیجہ ہے وہاں جنت بھی حسن عمل کا عطیہ رحمان الرحیم ہے۔ گویا ہر دو جہان میں عمل ہی عمل کارفرما و روح رواں ہے۔ اس کے علاوہ سب فریب نفس ہے چنانچہ ایک اور جگہ ان ہر دو نتیجہ خیز حقیقتوں کا ذکر ایک ساتھ کر کے قطعی فیصلہ کر دیا کہ

پس جس نے ذرہ بھر کوئی نیک عمل کیا ہو گا وہ اس کا نتیجہ بچشم خود دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ بھر کوئی برا عمل کیا ہو گا وہ بھی اس کا نتیجہ بچشم خود دیکھ لے گا۔

(قرآن پارہ ۳۰ سورۃ الزلزال)

علاوہ ازیں حضرت رب العزت محبوب حقیقی کا وصل بھی اعمال صالحہ سے مشروط کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

پس جس (محب صادق) کو اپنے پروردگار سے ہم وصل ہونے کا شوق کامل ہے تو اس

کو چاہئے کہ اعمال صالحہ اختیار کرے' اور کسی غیر کو اپنے رب کی اطاعت میں ہرگز شریک نہ کرے۔

(قرآن پارہ ۱۶ سورۃ الکہف رکوع ۲)

اس آیت کریمہ نے تو وہ حتمی حکم لگا دیا کہ کسی صاحب ایمان و اہل نظر محقق کو بھی انکار کی گنجائش نہیں رہی۔ کیونکہ اس میں دو باتیں ایسی واضح بیان کر دی گئی ہیں کہ ان سے زیادہ روشنی نہ تو سورج کی کرنوں میں ہے اور نہ زمین و آسمان کی کسی اور شے میں۔ ایک یہ کہ اعتقادات کا مطلق ذکر و نام نہیں۔ بلکہ صرف عمل کا تذکرہ ہے۔ اور پھر جس شرک کی نفی مطلوب ہے وہ بھی شرک فی العقیدہ نہیں۔ بلکہ شرک فی العبادت کی نفی مقصود کر دی گئی تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ہر وہ کام جو خدائے واحد کی مرضی کے خلاف کسی غیر کی محبت و لالچ کو حاصل کرنے کے لئے انجام دیا جاوے وہی شرک ہے۔ اور اسی کی نفی وصال حق سے مشروط کر دی گئی ہے۔

بے شک یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ چاہیے کہ ایسی ہی (کامیابی) کے لئے عمل کرنے والے عمل کریں۔

(قرآن پارہ ۲۳ سورۃ والصٰفٰت رکوع ۲)

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

علاوہ ازیں ایک حدیث نبویؐ ہے جس کو امام ترمذی نے بروایت ابو ہریرہؓ نقل کیا ہے' وہ بھی اس لائق ہے کہ یہاں پیش کر کے مذکورۃ الصدر حقیقت اخلاق پر مزید روشنی ڈالی جائے۔ چنانچہ روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اکثر لوگوں کو جنت میں داخل کرنے والی کونسی (بڑی) چیز ہے؟ (یعنی وہ کونسا ایسا عمل ہے جو سب سے بڑا اور خاص موجب دخول جنت ہے؟) تو ارشاد فرمایا کہ خدائے (قہار و حاضر و ناظر) کا (صحیح و محرک عمل) خوف' اور حسن اخلاق ہے۔ اور یہ بھی سوال کیا گیا کہ وہ کونسی ایسی (بڑی بدعملی یا) چیز ہے جو اکثر لوگوں کو آگ میں داخل کرنے والی ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ وہ زبان اور فرج ہے (یعنی بد زبانی

و بے ہودہ گفتار اور شہوت پرستی ہے جس کا خصوصی تعلق زنا و لواطت سے ہے (۴)

گویا جنت میں داخل کرنے کے دو ہی اسباب عظیم بتا دیئے۔ ایک خدائے قہار و جبار کا خوف جس کا نتیجہ اطاعت و فرمانبرداری ہو۔ دوسرا اخلاق حسنہ۔ پھر دوزخ میں داخل ہو کر ہمیشہ کے لئے ہلاک و برباد ہو کر جلتے رہنے کے بھی دو کبیرہ گناہ بتا دیئے۔ اول زبان جس کا تعلق جھوٹ، بہتان، وعدہ خلافی، غیبت اور گالی گلوچ، بے ہودہ گفتگو، جو کہ محض وقت ضائع کرنے والی ہو اور کسی کا مذاق اڑا کر توہین کرنا وغیرہ وغیرہ سے ہے۔ در حقیقت زبانی گناہ ہی تمام معاصی کا سرچشمہ ہے۔ دوم فرج جو ہر قسم کی شہوت رانی پر حاوی ہے گویا قسم اول کا نام اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ اور قسم دوم کا نام بداخلاقی و بدعملی اور فسق و فجور ہے۔

اب آخر میں مذکورہ بالا تمام مباحث کے لئے خدائے احکم الحاکمین و ذوالجلال والاکرام کا بھی فیصلہ سن لینا چاہیے جو سات قسمیں کھانے کے بعد صادر ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد حق ہوتا ہے کہ

قسم ہے آفتاب (عالمتاب) کی اور اس کی دھوپ کی۔ (اور) قسم ہے مہتاب کی جب (وہ نصف اول میں) اس کے پیچھے آتا ہے۔ اور قسم ہے دن کی جب اس (سورج) کو نمایاں کرے۔ (اور) قسم ہے شب (تاریک) کی جب اس (سورج) کو ڈھانپ لے۔ اور قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے (والے) کی۔ اور قسم ہے زمین کی اور اس کے بچھانے (پھیلانے والے) کی۔ اور قسم ہے نفس (انسانی) کی اور اس کے درست (اور حسین و جمیل بنا کر پیش) کرنے (والی ذات حق) کی۔ پھر اس (انسان) کی بدکاری اور پرہیزگاری کی تمام باتیں الہام کر (یعنی فطرۃً سکھا) دیں۔ (غرضیکہ مجھ کو ان تمام مخلوقات عظیمہ و اشیائے ضروریہ کی قسم کھانے کے بعد یہ حقیقت کہنی ہے کہ) بے شک اس نے فلاح (و نجات) پائی جس نے اپنے نفس کو (تمام آلودگیوں اور بد اخلاقیوں سے بچا کر اخلاق حسنہ سے) پاک کیا۔ اور جس نے اس کو (فسق و فجور کی ناپاک) خاک میں دبا دیا وہ نامراد (برباد) ہوا۔

(قرآن پارہ ۳۰ سورۃ الشمس)

اللہ اللہ! یہ کس قدر حیرت افزا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ جل و علی شانہ ایک بات سمجھانے اور اس کے لئے اس قدر عظیم الشان قسمیں کھائے' دراں حال یہ کہ مخاطبین بھی مدعیان دین و ایمان ہوں' حالانکہ ایمان کا اقتضا تو یہ ہے کہ ہر بات چھوٹی ہو یا بڑی جو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول برحق کی زبان قدس سے نکلے اس پر بغیر کسی تامل اور حیل و حجت کے من و عن یقین کر کے اس کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ لیکن یہاں خدائے عزیز حکیم کی مصلحت میں ایسا ہی درست تھا' کیونکہ وہ روز ازل سے لے کر انتہا تک کے تمام چھوٹے بڑے' ظاہر و باطن' حالات کو بخوبی جانتا ہے' اسے معلوم تھا کہ مدعیان اسلام پر ایک ایسا دور بھی آئے گا جس میں ہر حقیقت اسلام کی تاویل و تحریف کی جائے گی' اور اس کی اصلی و لکش اور جمیل و/ حسین صورت کو مسخ کر کے خود ساختہ و مزعومہ عقائد کو اسلامی لباس پہنا کر دین میں ٹھونسا جائے گا۔ ازاں جملہ ایک حقیقت حسن عمل اور دوسرا صالح اخلاق بھی ہے جنہیں اپنی اصلی حالت پر نہ چھوڑا جائے گا۔ کیونکہ ان کے مراکز پر بھی خوش اعتقادات کا قبضہ ہو جائے گا' جس کے طفیل انسانیت نواز اصول' باہمی ہمدردانہ قواعد' بنی نوع انسان کے فطری حقوق' اخلاقی و عملی جذبات' وغیرہ وغیرہ نیست و نابود ہو جائیں گے گویا شرافت بالاں و عصمت و عفت ترساں ہو کر گلی کوچوں میں پامال ہو جائیں گی اور اس وقت ایسے افراد باعث غربت و اقلیت نہ ہونے کے برابر ہو جائیں گے جنہیں اپنی شرافت انسانی و عصمت و پاکدامنی فطرت کا عملی احساس رہ جائے گا۔

لہٰذا مصلحت ربانی نے یہ مناسب سمجھا کہ یوں تو کلام الٰہی پر یقین نہ رہے گا' اور ایمان کا دعوے صرف زبانی ہی زبانی رہ جائے گا۔ اس لئے حقیقت عمل و اخلاق اور تزکیہ نفس کی روح کو حیات جاوید بخشنے کے لئے اس قدر اہم قسمیں کھائی چاہیں۔ تاکہ ان میں جو لوگ کچھ بھی صاحب ایمان و اخلاق رہ جائیں تو وہ یہ باور کر لیں کہ خدائے قدوس کے نزدیک جو امر وقعت اور شرف قبولیت حاصل کر کے نجات دنیا و فلاح دین کا صحیح ضامن ہو سکتا ہے تو وہ صرف تزکیہ نفس انسانی کے لئے یہ از بس ضروری و لابدی ہے کہ وہ خدائی اصول و قواعد کی رو سے تزکیہ نفس حاصل کرے۔ اور بس

یہی وجہ ہے کہ جب خدائے احکم الحاکمین نے حسن اخلاق و تزکیہ نفس کی اہمیت و

حیوانیت کو واضح کر دیا تو ترجمان وحی علیہ السلوٰۃ نے اس کو اچھی طرح سمجھ کر اپنی جماعت اسلامیہ کو اسی رنگ میں رکھنے کی کوشش کی اور بار بار یہی تلقین کی کہ اخلاق درست کرو۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی فطرت میں دو قسم کے جذبات موجود ہیں۔ جذبہ (یاقوت) ملکیہ۔ جذبہ (یاقوت) شہوانیہ۔ پس جس نے ملکی جذبات و اوصاف کی صحیح تربیت کر کے اپنے دل و دماغ اور جسم و اعضاء پر ان کو غالب و حاکم کر دیا تو اس نے نجات و کامرانی حاصل کر لی۔ اور جس نے برعکس اس کے اپنی ظاہر و باطنی کائنات جسم و جان پر جذبات شہوانیہ و قوت سبعیہ کے اقتدار و تسلط کو تسلیم کر کے سر تسلیم کر دیا تو وہ ہلاک و برباد اور ابدی جہنم کا ایندھن بن گیا۔

پس جس نے (دنیا میں) سرکشی (کر کے اصول فطرت و قانون قدرت کی نافرمانی) کی۔ اور دنیاوی زندگی (کے عیش و آرام) کو (اخروی احکام پر) مقدم رکھا تو (اس کا) ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور جو کوئی اپنے پروردگار کے حضور میں (جو ابد ہی پر یقین کامل رکھنے کے لئے) کھڑے ہونے سے ڈرا اور (اپنے) نفس کو (ناجائز) خواہشوں سے روکتا رہا تو بے شک (اس کا مسکن) بہشت ہوگی۔

(قرآن پارہ ۳۰ سورۃ النزعات رکوع ۲)

الغرض اس سورۃ الشمس کے نزول کے بعد آپ جب آیت نمبر ۸۷ ۔ ۸۹ پر گزرتے تھے تو یہ دعا مانگتے تھے کہ

اے اللہ! میرے نفس کو اپنا (اصلی) تقوے عطا کر تو اس کا ولی و مولیٰ ہے۔ اور (اے اللہ!) اس کو تزکیہ (یعنی پاکی) دے (کیونکہ) تو ہی بہتر پاک کرنے والا ہے۔(۵)

یوں بھی تزکیہ نفس ایک ایسا غیر مبہم اور واضح و روشن امر ہے جس کی حقیقت پر کسی اہل علم کو بھی اختلاف نہیں کہ اس سے مراد حق تعالیٰ نفس کو فسق و فجور اور اخلاق رذیلہ و عادات خبیثہ اور ہر طرح کی منہیات شرع سے بچا کر اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ حاصل کر کے تمام احکام الٰہی کے آگے بدل و جان سر تسلیم خم کرنا ہے۔ اور بس۔ لیکن قرآن مجید میں بھی اس کی کچھ نہ کچھ تشریح

موجود ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ

بلا شک و ریب اسی نے فلاح (نجات) حاصل کرلی جس نے تزکیہ کرلیا۔ اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز (بدستور) ادا کرتا رہا۔

(قرآن پارہ ۳۰ سورۃ اعلیٰ)

ان دونوں آیتوں میں تزکیہ نفس کی تشریح کر دی گئی سب سے پہلے تمام معبود ان اباطیل و ارباب الاکاذیب اور ان نفسانی تعلقات اور ناجائز خواہشات و مالوفات سے جو راہ حق سے باز رکھنے کے بواعث ہوں کلیتہً کٹ کر ایک ہی معبود حقیقی و رب برحق کو یاد کیا جائے' اور پھر اس کی نماز قائم کی جائے جو تمام احکام اسلام میں نہایت اہم و عظیم الشان اور ادائیگی کے لحاظ سے آسان امر ہے۔ اور یہ کہ اس کو صحیح طور سے ادا کرنے سے تمام عیوب اور بداخلاقیوں اور فسق و فجور سے تزکیہ حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد حق ہے کہ

بے شک (صحیح) نماز تمام بے حیائیوں اور منکرات (یعنی ناجائز کاموں) سے روکنے والی ہے۔

(قرآن پارہ ۲۱ سورۃ العنکبوت رکوع ۵)

اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز تزکیہ نفس اور نجات و فلاح کا واحد علاج ہے۔ چنانچہ رسول کریمؐ سے اس کی تفسیر پوچھی گئی تو فرمایا کہ

جسے اس کی نماز بے حیائی اور فحش کاموں سے نہ روکے تو سمجھ لو کہ اس کی نماز خدا کے ہاں قبول نہیں۔(۲)

گویا صحیح نماز جو باستثنی ادا کرتے وقت خدائے ذوالجلال کا تصور اس صورت میں کیا جائے کہ اپنے آپ کو اس کی بارگاہ میں حاضر خیال کرکے جو الفاظ ادا کرتے ہوئے عہد و پیمان کرے ان پر غور و فکر کرنے کے بعد عملی اقدام بھی کرے تو یقیناً کوئی باقی نہیں رہتی۔

آمدم برسر مطلب

الغرض ثابت یہ کرنا تھا کہ خدائے احکم الحاکمین کو اس قدر عظیم الشان قسمیں اس لئے

کھلی پڑی ہیں کہ اگر یہ لوگ آیات قرآنی پر سادگی سے ایمان نہ لائیں تو کم از کم ان قسموں کے بعد تو اسلامی حقیقت عمل و خلق اور تزکیہ نفس کی اہمیت و عظمت کو سمجھ جائیں۔ مگر افسوس صد افسوس! بلکہ ہزار لاکھ افسوس کہ نفس پرست و بخیل زدہ اصحاب العقائد نے اپنی سہل انگاری کے باعث ہر بھی اعمال و اخلاق کو عملیات سے نکال باہر کیا اور پھر جو کچھ اور جیسا کچھ نفس نے آسانی سے چاہا دیا کیا اور اپنے معائب و بداخلاق کو چھپانے کے لئے یہ تبلیغ کرنی شروع کر دی کہ ایمان صرف کلمہ پڑھنے سے قائم ہو جاتا ہے اور عمل کو ایمان سے کوئی تعلق نہیں

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

اسلام میں اعتقادات کی حیثیت

گویا تمام اسلامی محاسن اعمال کی گٹھڑی باندھ کر خود ساختہ سطحی عقائد کی گلی میں پھینک کر پامال کر دی العیاذ باللہ۔ اس پر تاویل یہ کرتے ہیں کہ تمام اعمال صحیح اعتقادات سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ حقیقت ایسی ہی ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ عقائد کی اقسام کیوں بیان نہیں کرتے؟ کیونکہ اعتقادات کی دو قسمیں ہیں۔ اول سطحی اعتقاد اس کی تعریف یہ ہے کہ صرف زبانی کلمہ پڑھا جائے اور عمل وہی کرے جو اس کا نفس چاہے یعنی احکام اسلام کی کوئی خاص پابندی نہ کی جائے یعنی وہ اعتقادات و یقینیات جو موجب تخلیق اعمال و اخلاق نہ ہوں۔ سو اس قسم کے عقائد کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ پس آج کل بعض تبلیغ عقائد کی جاری ہے وہ یہی قسم اول ہے

دوسری قسم حقیقی اعتقاد کی ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے کہ جب خدائے واحد کو حاضر و ناظر و یقین کر لیا تو پھر ہر وقت اس سے ڈرتے ہوئے اس کے احکام اوامر کی پابندی کرتے ہوئے تمام منہیات شرع اور فسق و فجور سے پرہیز کیا جائے گویا اپنے آپ کو ہر آن و ہر لمحہ خدائے قدیر و احکم الحاکمین کے روبرو تصور کیا جائے پس یہ اعتقاد و یقین خود بخود عمل و طاعت حق پر مجبور کرتا ہے ہم انشاء اللہ العزیز الحکیم ان دونوں قسموں کی حقیقت ایمان کے

زیر عنوان آئندہ اوراق میں تشریح کریں گے۔

پس ہمیں اور قرآن کو جس قدر شکایت ہے وہ ان اعتقادات سے ہے جو یوں تو زبانی کلمہ پڑھتے ہیں مگر جان طلب اعمال سے گریزاں و نفس کش اخلاق سے کورے ہوتے ہوئے بھی نجات کا انحصار قسم اول یعنی سطحی اعتقادات میں سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید نے نفس اعتقاد کو تو کیا کہ کہیں نام اعتقاد کا بھی ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ خدائے خلاق ارض و سما کے نزدیک اعمال صالحہ و تقویٰ ہی تقویٰ وقعت پذیر و قابل قدر و حرمت ہے۔ اگر ہمارے اس بیان پر کسی کو یقین نہ آئے تو اس کو خدائے قہار کی قسم دے کر یہ مخلصانہ مشورہ دیں گے کہ قرآن مجید میں خود بخود تلاش کیا جائے کہ کہیں نجات و فلاح کو صرف اعتقادات پر بھی منحصر کیا گیا ہے یا نہیں اگر یہ نہ ہو سکے تو ہر گلی اور ہر کوچہ میں حفاظ قرآن موجود ہیں ان سے دریافت کر لیجئے۔ لیکن علمائے اصحاب الاعتقاد و مبلغین یقینیات سے ہرگز نہ پوچھیے کیونکہ انہوں نے ہٹ دھرمی کے باعث کبھی بھی اعمال قرآن کے آگے سر تسلیم خم کرنا نہیں ہو گا۔ اس لیے اپنے آپ مفقود شدہ حقائق قرآن تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ شعر

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

مدارج جنت پر اخلاق کا اثر

صرف یہی نہیں کہ ہر دو جہان کی عزت و قبولیت اور فلاح و کامرانی کا مدار اعمال و اخلاق پر ہے۔ بلکہ نجات کے بعد جنت اللہ میں بھی جو مدارج علیہ و شرف المنازل اور مقامات قدسیہ کی تقسیم ہو گی تو وہ بھی اخلاق صالحہ کے لحاظ سے ہو گی۔ چنانچہ بانی اسلام معلم اخلاق حضرت محمد رسول اللہؐ کا ارشاد مبارک ابوداؤد میں موجود ہے کہ

جو باوجود حق پر ہونے کے جھگڑے سے دست کش ہو گا تو میں اس کے لیے جنت سے باہر ایک گوشہ میں مکان دلانے کا ضامن ہوں۔ اور جو شخص جھوٹ کو مطلق

ترک کر دے اگرچہ مزاحاً ہی ہو تو میں اس کے لیے وسط جنت میں گھر دلانے کا ذمہ دار ہوں۔ اور جس بھلے آدمی نے اپنے اخلاق درست کر لیے تو میں اس کے لیے اعلیٰ جنت میں آرام گاہ دلانے کا ضامن ہوں۔(۷)

یہی حدیث حضرت انس بن مالک کے حوالہ سے قدرے تغیر کے ساتھ امام ترمذی و ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے۔(۸)

غرض یہ کہ جس قدر عزت و افتخار اور شرف و قبولیت اور قرب خدا اور رسول ایک خلیق و نیک چلن انسان کو حاصل ہو سکتا ہے وہ دوسرے کسی مسلمان کا حصہ نہیں۔

خلوص، اخلاق، عمل، ہمت، تدبر، علم، و حق گوئی
بھارت آج ان اوصاف سے تم میں بھی ہے کوئی؟

حواشی و حوالہ جات

(۱) رواہ الطبرانی عن انس ماخوذ از الترغیب و الترہیب جلد ۳ کتاب الادب باب الترغیب فی الخلق الحسن مطبوعہ مصر ص ۲۵۷

(۲) ماخوذ از الاتحافات السنیہ فی الاحادیث القدسیہ فصل المرۃ مع الواؤ ص ۲۲۵ (مطبع دائرۃ المعارف)

(۳) جامع ترمذی جلد ۲ ابواب البر و الصلتہ باب ماجاء فی حسن الخلق عن ابی الدرداء مطبع فیض ص ۲۵ و ابو داؤد جلد ۲ کتاب الادب باب فی حسن خلق مطبع مجتبائی ص ۳۳۳

(۴) جامع ترمذی جلد ۲ ابواب البر و الصلتہ باب ماجاء فی حسن الخلق مطبع فیض ص ۵۱

(۵) رواہ الطبرانی عن ابن عباس۔ ماخوذ از تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان جلد ۱۲ پارہ ۳۰ سورۃ الشمس مطبع صدیقی ص ۲۷۳

(۶) رواہ ابن ابی حاتم۔ ماخوذ از ترجمہ تفسیر ابن کثیر پارہ ۲۱ آیت مذکورہ

(۷) ابو داؤد جلد ۲ کتاب الادب باب فی حسن الخلق عن ابی امامۃ مجتبائی پریس ص ۳۱۳

(۸) ترمذی جلد ۲ ابواب البر و الصلتہ باب ماجاء فی المزاح مطبع فیض ص ۳۹ و ابن ماجہ باب اجتناب البدع و الجدل مطبع نظامی ص ۶

فصل پنجم

تعریف الاخلاق

اب تک مذکورہ بالا فصول میں اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ کی ترغیب و فضیلت اور ان کے حسن و قبح پر بحث رہی۔ مگر اب یہ بتانا ہے کہ اخلاق کی دراصل تعریف و حقیقت کیا ہے؟ تا کہ جو سلیم الفطرت انسان ان کو حاصل کرنا چاہے تو با آسانی سمجھ کر خود کو اخلاق کے سانچے میں ڈھال کر تربیت پا سکے۔

اس سلسلہ میں ہمیں اس وقت حکمی اصول کے مطابق اخلاق کی تعریف نہیں کرنی۔ بلکہ سیدھے سادے الفاظ میں یہ کہنا ہے کہ انسان حقیقت میں دو چیزوں کا نام ہے۔ جسم اور روح بھی جس طرح جسم کی صحت کے لیے علم طب نے ظاہری و مادی اصول مقرر کیے ہیں۔ بالکل اسی طرح روحانی اصلاح و تندرستی کے واسطے بھی رب العالمین نے اصول و قواعد اور حدود و ضوابط منضبط کیے ہیں۔ جسمانی صحت کے استاد و معالج حکماء ہیں اور روحانی اصلاح و تندرستی کے معلم و رہنما حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہوتے ہیں۔

چونکہ روح کا تعلق باطن سے ہے اس واسطے اس کی اصلاح بھی اہل باطن ہی کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام و رسل عظام علیہم السلام صرف اصلاح باطن یعنی اخلاق حسنہ کی تکمیل و اتمام کے لئے مبعوث کیے گئے ہیں اس میں شک نہیں کہ انہوں نے مخلوقات یعنی بنی نوع انسان کے ہر گوشہ و ہر پہلو پر نظر ڈالی اور اپنے فرائض رسالت کے لحاظ سے اصلاح کرنے کی کما حقہ عقل و مساعی جمیلہ سے کام لیا کیونکہ مخلوق کے لیے صرف خالق حقیقی کا ہی قانون مفید و باعث نجات ہو سکتا ہے اس لئے بشری قوانین (جو سراپا خطا و نسیان کا مجموعہ ہوتے ہیں) کی زنجیر کا ایک ایک بندھ توڑا اور اس کی جگہ خلاق ارض و سما کا قانون نافذ کیا مگر باوجود اس کے ان کا اصلی کام اخلاق کی اصلاح کا تھا کیونکہ جس قدر باطنی بیماریوں اور روحانی خامیوں پر ان کی خدا داد و نظر قلب سلیم پڑ سکتی ہے اتنی کسی دوسرے کی نہیں پڑ سکتی اس کی وجہ ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء کرام خدائے علیم حکیم

کے تربیت یافتہ ہوتے ہیں۔

حقوق اللہ و حقوق العباد کی حقیقت و تشریح

پس ان روحانی معالجوں نے بندگان حق کے لیے دو قسم کے فرائض بارگاہ رب العزت کی طرف سے صادر فرمائے جو ہر قسم کی امراض کی اصلاح و فلاح کے ضامن ہیں۔ گویا حکومت الہیہ کے تمام احکام و اوامر اور قوانین و حدود کے جامع ہیں۔ اور وہ حقوق اللہ و حقوق العباد کہلاتے ہیں۔

حقوق اللہ کا تعلق عبادات یعنی چار قسم کے اعمال' اعمال قلبی' اعمال لسانی' اعمال بدنی' اعمال مالی سے ہے۔ اعمال قلبی کی تعریف یہ ہے کہ انسان اپنے دل کو تمام قسم کے اوہام و خرافات اور شرک و بدعت سے پاک کر کے حقیقی یقینیات کا مرکز بنا لے۔ اعمال لسانی کی تعریف یہ ہے کہ انسان اپنی زبان کو ہر قسم کی بیہودہ گوئی اور بکواس وغیرہ سے پاک کر کے خدائے واحد کی حمد و ثناء اور عظمت و تقدیس' تلاوت قرآن اور اسی ایک سے دعائیں مانگنے کا منبع بنا لے' اعمال بدنی کی تعریف یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو تمام معبودان باطلہ اور ارباب کا ذبہ یعنی غیرالہی حکام و سلاطین اور ان کے خود ساختہ قوانین سے عملاً باغی و سرکش بنا کر ایک ہی بارگاہ قدسی کے آگے جھکا کر نماز' روزہ' اور جہاد وغیرہ پر قائم و دائم کر دے۔ اعمال مالی کی تعریف یہ ہے کہ دنیائے دوں میں مال و زر کے جمع کرنے کے جس قدر حرام و ناجائز ذرائع ہیں ان سے دست کش و مجتنب ہو کر اکل حلال یعنی حلال خوراک پیدا کر کے اس کے شرعی مصارف تلاش کرے' اور پھر منشائے الہی کے مطابق حسن موقع و محل خرچ کرے' مثلاً زکوۃ' حج' اور جہاد وغیرہ فرائض پر صرف کرتا رہے۔ یہ ہے حقوق اللہ کی جامع و مانع تعریف۔

اور حقوق العباد کا تعلق بنی نوع انسان' خواہ کافر وغیرہ مسلم ہو یا مومن بلکہ ہر ذی روح شے سے ہے۔ یعنی باہم انسانوں کے معاملات و تعلقات کا نام حقوق العباد ہے۔

پس حقوق اللہ کو از روئے شریعت اسلام' انجام دینے کا دوسرا نام عبادت ہے۔

اخلاق کی تعریف

اور حقوق العباد کی تمام اقسام کو خالق حقیقی کی رضا کے مطابق بلا تامل و تکلف بطریق احسن ادا کرنے کا دوسرا نام اخلاق ہے اور ان سب کے مجموعہ کا نام عمل صالح ہے۔ جس کی خاطر موت و حیات اور دنیائے رنگ و بو کو پیدا کیا گیا ہے اور جس کا ثبوت پہلی فصل کی ابتدائی آیات میں بتایا جا چکا ہے۔ گویا اعمال صالحہ کی جامعیت و وسعت میں کل یقینیات، عبادات، اخلاق اور معاملات سب کچھ آ جاتے ہیں۔ اور اسی کا نام اصطلاح شرع میں ایمان ہے گویا ایمان و عمل ایک شے ہے۔ لیکن فی الحال ہمارا موضوع بحث اخلاق حسنہ پر روشنی ڈالنا ہے۔ یعنی انسان اپنی اخلاقی حس کے ملکہ راسخ کے ذریعہ تمام بنی آدم کے حقوق و فرائض اور آداب کا کامل احساس و لحاظ کر کے ان کو خود بخود انجام دینے کو اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہے۔

مگر ہمارے نزدیک جو لوگ بے تکلف و بلا جبر و اکراہ دوسروں کے فطری حقوق کی ادائیگی کے لیے اپنے فطری فرائض (یعنی اخلاقی اوصاف و اطوار) خود بخود انجام دینے کا ملکہ نہیں رکھتے اور ادھر بھی فضائل اخلاق سے سبق آموز و اثر پذیر ہو کر اپنی فطری کمزوریوں (یعنی سیاہ و بد اخلاقیوں) کی بھڑ سے اصلاح کر کے ان فرائض کو انجام دینے کا ملکہ حاصل کر لیتے ہیں وہ بھی اخلاق کی نگہبان فوج اسلام میں شریک کیے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ اخلاق فاضلہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہبی دوسری کسبی۔ قسم اول کی تعریف یہ ہے کہ بعض انسان طبعاً و فطرۃً یعنی پیدائشی طور پر بااخلاق ہوتے ہیں ان سے ہر کام خود بخود و بلا تکلف (خود غرضی و نفس پرستی سے مبرا ہو کر) دوسرے بنی نوع کے حقوق و مفاد میں مفید بن کر صادر ہوتا ہے اور قسم دوم وہ ہے جو بعض باشعور و عقل مند انسان اپنی قوت عقل و صلاحیت عمل کے مخفی جواہر سے حالات و نصیحت پذیر ہو کر ہر خبیث و انسانیت سوز عادت سے بچتے ہوئے خوش اخلاق بننے کی حتی المقدور سعی کرتے رہتے ہیں۔ پس یہ لوگ اوائل میں با تکلف و اواخر میں بے تکلف خوش اخلاق و نیک خو بن جاتے ہیں۔

لیکن جو خود غرض طبائع اس فطری احساس و فرض انسانیہ کو بطریق احسن انجام دینے سے گریزاں و محترزرہ کر مذکورہ بالا ہر دو اقسام اخلاق سے محروم رہتی ہیں' اور ہر لمحہ و ہر آن نفس پرستی و شہوت رانی کی قوت بہیمیہ سے مغلوب و محکوم ہوتی ہوئی گوناگوں افعال شنیعہ و عادات رذیلہ کی مرتکب ہوتی رہتی ہیں۔ مہذب و با اخلاق سوسائٹی کے نزدیک ان ہی کو بد اخلاق کہا جاتا ہے۔ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت خصوصی کا مقصد اعظم ایسے ہی لوگوں کی اصلاح و تربیت ہوتی ہے۔"

کیونکہ قانون ظاہری طور پر اجسام و ابدان پر قابض و حاکم ہو کر چوری' زنا' قتل' وغیرہ وغیرہ جیسے افعال شنیعہ و عادات رذیلہ کی کسی حد تک روک تھام کر لیتا ہے مگر فطری شرم و ندامت کا حقیقی احساس دلا کر انسانیت کاملہ کے مناصب علیہ پر فائز کرا دکھانا اس کے دست قدرت سے باہر ہے۔ کیونکہ اس شعبے کا تعلق روحانیت و باطنیت سے ہے اس لئے انبیائے کرامؑ مبعوث ہو کر اس فطری جذبہ ندامت و اہلیت کو تربیت دیتے ہوئے' وہ ملکہ پیدا کر کے صحیح نشوونما دینے کی شب و روز انتھک مساعی جمیلہ سے کام لیتے رہتے ہیں جس کے باعث انسان اپنی شرافت و انسانیت کا از خود احساس کر کے نہ صرف یہ کہ قانونی جرائم سے بچتا ہے' بلکہ ان افعال و عادات سے بھی بچتا رہتا ہے جو قانونی جرائم کے ماسوا ہیں۔ مثلاً جھوٹ' وعدہ خلافی' جھوٹی شہادت' بیہودہ گوئی' سفلہ پنی' کتمان حق' بزدلی' بخل' بے غیرتی' خود غرضی' نفس پرستی' بے دینی' خدا سے بے خوفی اور بے حسی' بے مروتی' بے وفائی وغیرہ وغیرہ (بیسوں افعال خبیثہ ہیں جن کی فہرست مندرجہ ذیل سطور میں آئندہ پیش کی جائے گی۔) یہ وہ اعمال ہیں جن کی اصلاح قانون مطلق نہیں کر سکتا اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ ان کا تعلق باطنی و روحانی اصلاح و درستگی سے ہے۔

عبادات پر اخلاق کی فوقیت

مذکورہ بالا وہ اخلاقی جرائم ہیں جنہیں حق تعالیٰ کسی وقت بھی برداشت نہیں کر سکتا اور نہ انہیں اپنی غفاریت و رحیمیت کے عفو عام کے پیش نظر بخشنے کو تیار ہے۔ چنانچہ ارشاد

نبوی ہے جس کو امام حاکم نے اپنی مستدرک میں یوں نقل کیا ہے کہ۔

قیامت میں نامہ اعمال کی تین فردیں ہوں گی۔ ایک وہ جس میں سے کچھ بھی اللہ تعالیٰ معاف نہ فرمائے گا۔ دوسری وہ جس کی کوئی پرواہ اللہ تعالیٰ نہ کرے گا۔ تیسری وہ جس میں سے ایک حرف بھی خدا تعالیٰ نہ چھوڑے گا۔ (پس) جس فرد کے گناہ بالکل معاف نہ ہوں گے وہ شرک ہے۔ بقولہ "بے شک اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ (کسی قسم کا) شرک کیا جائے۔ اور بخشے گا اس کے سوا کو بشرط یہ کہ جس کے لیے چاہے۔" اور جس فرد کی کوئی پرواہ اس کو نہ ہو گی وہ ظلم ہے جو انسان نے خود اپنے اوپر کیا ہے۔ اور جس کا معاملہ خود اس بندے اور اس کے خدا کے درمیان ہے (اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا ان کے اس فرد کے گناہوں کو معاف کر دے گا اور بخش دے گا' اور اگر نہ چاہے گا تو نہ بخشے گا اور دائمی عذاب میں مبتلا کر دے گا) لیکن وہ فرد جس کا ایک حرف بھی چھوٹ نہیں سکتا' وہ ظلم ہے جو ایک بندے نے دوسرے بندے پر کیا ہے۔(۱)

اس سے ثابت ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے اور جس کو چاہے تو اپنے حقوق بخش دے گا' اور اگر نہ چاہے تو نہ بخشے گا۔ گویا حقوق اللہ میں غفلت کرنے والوں کی بخشش کا قطعی و حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔" لیکن بخلاف اس کے بندگان خدا کے اخلاقی جرائم ایسے ہیں کہ وہ ہرگز رحمت و بخشش کے سایہ میں چین و عافیت سے دم نہ لے سکیں گے اور جیسی مکاری و تعدی اور ظلم و گناہ دنیا میں کیے ہوں گے ان کا کما حقہ' یعنی پورا پورا خمیازہ بھگتتے رہیں گے۔

چنانچہ ایک دوسری صحیح حدیث میں بھی اسی موضوع پر کافی روشنی پڑتی ہے جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے اپنے بھائی پر کوئی ظلم بھی کیا ہو تو اس (ظالم) کو چاہیے کہ اسی دنیا میں وہ اس (مظلوم) سے معاف کرا لے ورنہ وہاں (قیامت میں) اس کے پاس درہم یا دینار نہ ہوں گے (جو اس

مظلوم کو راضی کر لے) قبل اس کے کہ اس کی تمام نیکیاں اس مظلوم کو مل جائیں (معافی مانگ لینی چاہیے) اور اگر اس (ظالم) کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو اس (مظلوم) کے بھائی کے گناہ اس (ظالم) کے اوپر لا ڈالے جائیں گے۔(۲)

ایک اور حدیث ہے جس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں درج کیا ہے اس میں حقوق العباد میں ظلم کرنے کی مکمل تشریح کر دی گئی ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ

آپ نے ایک بار پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم میں مفلس وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس روپیہ ہو اور نہ مال و متاع۔ آپ نے فرمایا کہ میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت میں نماز روزہ' اور زکوۃ ادا کرتا ہو اس حالت میں آئے گا کہ اس دنیا میں کسی کو گالی دی ہو گی' اور کسی پر تہمت زنا لگائی ہو گی' اور کسی کا ناجائز مال کھایا ہو گا' یا کوئی خون کیا ہو گا' اور یا کسی کو (بے گناہ) مارا ہو گا۔ پس اس (مظلوم) کو اس (ظالم) کی نیکیاں دی جائیں گی۔ اور اگر اس (ظالم) کی نیکیاں اس کے (دیگر حقوق العباد میں اخلاقی) گناہوں کی تلافی میں پہلے ختم ہو گئی ہوں گی جو اس کے اوپر تھے۔ تو ان (مظلوموں) کی برائیاں لے کر ان (ظالم نمازیوں اور روزے داروں) کے اوپر ڈال دی جائیں گی' پھر وہ آگ میں ڈالے جائیں گے۔(۳)

پس ان احادیث نبوی میں حقوق العباد اور اخلاق گناہوں کی اہمیت و حقیقت کو اس قدر واضح و روشن کر دیا گیا کہ اس سے زیادہ روشنی نہ چاند کی پر سکون چاندنی میں ہے اور نہ آفتاب عالم تاب کی روشن شعاؤں میں۔ اور صوم و صلوۃ کے پابند' بد عمل اور فاسق و فاجر شرعی ریا کاروں کے سہارے پر غرور کو بھی ختم کر کے یہ جتا دیا گیا کہ ان بے نتیجہ و رسمی نمازوں کا ایمان و نجات سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ ایمان و اسلام نام' قرآن کی پابندی و اخلاق حسنہ کا ہے۔ اور اسی میں نجات و فلاح ہے۔ اور جو نمازیں اور روزے' دین دار اور پرہیز گار نہیں بنا سکتے وہ الٹے خدا تعالیٰ سے دور کر کے ابدی جہنم کا ایندھن بنا کر چھوڑیں گے۔ چنانچہ رسول کریم معلم اخلاق کا ارشاد پاک ہے کہ

جس کو اس کی نماز بے حیائی اور بری باتوں سے نہ روکے تو وہ اللہ تعالیٰ سے دور

ہو جاتا ہے۔(۴)

دوسری حدیث میں ہے کہ

جس کو اس کی نماز نیکی کا حکم نہ کرے' اور برائیوں سے روکے نہیں تو وہ نمازی اللہ تعالیٰ سے بھی دور ہو جاتا ہے۔

پھر ارشاد نبوی ہے کہ

اس کی کوئی نماز (قبول) نہیں جو نماز کا تابعدار نہ ہو۔ اور نماز کی تابعداری یہ ہے کہ بے حیائی اور برے عملوں سے باز آ جائے۔(۵)

ان سب احادیث کی تائید و تصدیق پر وہ آیت قرآنی ہے جس میں ارشاد ہے کہ

بے شک صلوۃ تمام فحش اور برے کاموں سے منع کر دیتی ہے۔

(قرآن پارہ ۲۱ سورۃ العنکبوت رکوع ۵)

ایک خاص نکتہ

ان سب دلائل کے علاوہ ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں کہ نماز پڑھو بلکہ یہ ہے کہ نماز قائم کرو۔ تو اس کا براہ راست یہ مطلب ہے کہ نماز قائم کرو۔ نماز درست کرو اور نماز کے جملہ حقوق و فرائض ادا کرو یعنی نماز کے قائم کرانے سے خدائے واحد کے جو احکام ہیں ان کو پوری طرح ادا کرو' اور جن سے پروردگار روکنا چاہتا ہے ان سے رک جاؤ۔ گویا صالح العمل و خوش اخلاق بن جاؤ اور بد عمل و بد اخلاق نہ بنو۔ پس اقامت صلوۃ کے یہی معنی صحیح ہیں۔ اور اسی واسطے خدائے عزیز و حکیم نے "نماز قائم کرو" کا حکم دیا ہے اور صرف نماز زبانی پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ کیونکہ محض وضو کر کے رو بقبلہ ہو کر اٹھنے بیٹھنے اور چند عربی الفاظ کے پڑھنے کا نام نماز نہیں جیسا کہ عام لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔

پس ان تمام احادیث نے حقوق العباد اور اخلاق کشی کی حقیقت و اہمیت کو بے نقاب کر کے یہ واضح کر دیا کہ ان کے مجرموں کی عفو و بخشش ہرگز نہ ہو گی جب تک کہ اسی جہان میں

ان کی کما حقہ' تلافی نہ کر دی جائے۔ نیز ان لوگوں کے فاسد عقائد کی بھی جنہوں نے خدائے عادل کی رحیمیت اور رسول برحق کی شفاعت کو اپنی خواہشات نفسانی سے مجروح و محرف کر کے پیش کیا ہے۔ اور اس کے باعث فسق و فجور میں اور بھی اضافہ کر دیا گیا۔ انہیں عبرت اور موعظت کی نگاہ سے تحقیق کر لینی چاہیے تاکہ نفس امارہ کے فریب و تاویل فاسدہ کی چکی میں کہیں پس کر ہلاک نہ ہو جائیں۔ لٰہذا مناسب ہے کہ تلافی کر کے اپنے آپ کو ہلاکت و خسران سے محفوظ و مصؤن کر لیا جائے۔

یہی وہ سر عظیم ہے کہ جب کبھی باقتضائے کے بشریت سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی غلطی جس کا تعلق انسانی حقوق سے ہوتا تھا' سرزد ہو جاتی تھی تو آپ فوراً معافی مانگ لیتے تھے۔ کیونکہ اس کی تلافی کی یہی ایک صورت ہے مثلاً حضرت سواد بن عمرؓ کہتے ہیں کہ

میں ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ورس کا رنگین کپڑا پہن کر گیا حضور نے حط حط فرمایا' اور چھڑی سے ان کے شکم میں ٹھوکا بھی دیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! میں تو قصاص لوں گا۔ آپ نے جھٹ اپنا شکم برہنہ کر کے میرے سامنے کر دیا(٦)۔

صرف یہی نہیں کہ آپ نے اس کے کہنے سے اپنی خطا معاف کرانے کے لیے بدلہ دینا گوارا کیا۔ بلکہ آپ خود بخود تلافی کرا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ابو داؤد میں ہے کہ۔

ایک بار آپ کچھ (مال غنیمت) تقسیم فرما رہے تھے' (لوگوں کا گردو پیش ہجوم تھا جس کے باعث) ایک شخص سامنے سے آ کر آپ کے اوپر منہ کے بل گر گیا۔ پس آپ نے اس کو ایک لکڑی چبھو دی جو آپ کے پاس تھی۔ (اتفاق سے لکڑی کا سرا اس کے لگ گیا) اور اس کے منہ پر خراش آ گئی۔ آپ نے فرمایا مجھ سے انتقام لے لو! انہوں نے کہا نہیں' بلکہ میں نے معاف کیا یا رسول اللہؐ۔(٧)

اس سے بھی زیادہ عبرت ناک موقع پر آپ اپنے گناہ معاف کرانے کے لیے انتقام دینے کو اعلان فرما دیا کرتے تھے۔

چنانچہ مرض الموت میں آپ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ اگر میرے ذمہ کسی کا

قرض آتا ہو' یا اگر میں نے کسی کی جان و مال کی آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان و مال اور آبرو حاضر ہے' اسی دنیا میں وہ (مجھ سے) اپنا انتقام لے لے! مجمع میں سناٹا تھا' صرف ایک شخص نے چند درہم دعویٰ کیا۔ جو اسی وقت دلوا دیئے گئے(۸)

ایک اور حدیث اس سے بھی زیادہ دردناک وقت میں اخلاقی جرائم کی اسی دنیا میں تلافی کرانے کی دعوت دے رہی ہے' کاش کوئی عبرت لینے والا ہو' چنانچہ فضل بن عباس فرماتے ہیں۔

میں نے رسول اللہؐ کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو میں آپ کے لیے آگے بڑھا' دیکھا تو آپ کو (مرض الموت کا) بخار چڑھا ہوا تھا' اور (شدت درد کے باعث) آپ کے سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ پس ارشاد فرمایا کہ اے فضل! میرا ہاتھ تھام لے' میں نے ہاتھ تھام کر ممبر پر لا بٹھایا۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں میں منادی کرا دو' کہ سب یہاں جمع ہو جائیں اور میرا آخری خطبہ سن لیں) پس جب سب لوگ آ گئے تو آپ نے فرمایا "اے لوگو! میں تمہارے سامنے اس ذات حق کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا دوسرا کوئی معبود بر حق نہیں' (اس کے بعد فرمایا کہ) سنو! میری اجل قریب ہے اس لیے ڈرتا ہوں کہ کہیں تم میں سے کسی کا کوئی حق میرے ذمہ میں باقی رہ نہ جائے' پس میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نے جس کو کوئی جسمانی تکلیف پہنچائی ہو' تو اٹھ کر مجھ سے جسمانی بدلہ لے لے۔ جسے میں نے زبانی (گالی دے کر کوئی) تکلیف پہنچائی ہو تو وہ اٹھے اور مجھ سے زبانی انتقام لے لے۔ سنو! تم جانتے ہو کہ میری طبیعت میں کوئی بخل' کینہ' دشمنی نہیں تم میں سے میرا محبوب وہ ہے جو آج نہایت صفائی سے اسی دنیا میں مجھ سے اپنا حق (انتقام) لے لے اور یا مجھے بخش دے' تاکہ میں پاک صاف ہو کر اللہ تعالیٰ سے ملوں اور کوئی حقوق العباد کا بوجھ مجھ پر باقی نہ ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک دو دفعہ کہہ دینے سے کام نہیں بنے گا اس لیے مجھے بار بار یہی کہنا پڑے گا۔ یہ فرما کر آپ ممبر سے اتر آئے اور نماز ظہر ادا کی۔(۹)

ان صداقت لبریز واقعات سے دو باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک یہ کہ واقعی محمد عربی خدائے برتر کے سچے رسول اور پیغمبر برحق تھے۔ کیونکہ اگر آپ شاہان دنیا کی طرح محض ایک حکمراں تھے اور درحقیقت خدا تعالیٰ کے فرستادہ نہ تھے العیاذ باللہ تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے ان حکمرانوں کی طرح زندگی بسر کیوں نہیں کی؟ کہ اپنی نفس پرستی کے لیے اکثر بندگان خدا کا خون کر کے کوئی اپنے لیے آرام گاہ یا عیش کدے بناتے' یا شاہی محلات کھڑے کرتے' یا قابل رحم مخلوق پر طرح طرح کے ستم ڈھاتے ہوئے بھی ذرہ بھر نادم نہ ہوتے جس طرح کہ دنیا کے فاتحوں اور شہنشاہوں کے حالات ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ کہ اپنی ذرا سی ہوس پرستی کی خاطر وہ ظلم و ستم کر گزرتے ہیں کہ دنیائے انسانیت چیخ اٹھتی ہے کہ دلہن کے سر سے اوڑھنی چھن چکی ہے۔ شرافت بشری کے پر سکون گھر میں ماتم بچھ جاتا ہے کہ محبوبہ عصمت مآب کی عفت خراب ہو چکی ہے۔ عزت و توقیر کی امن بخشی جھونپڑیوں سے فلک شگاف آہیں بلند ہو جاتی ہیں۔ کہ دختران خانہ نشین کی پردہ دری ہو گئی ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر کوئی ایسا نہیں ہوتا جو ان شہوت پرستوں سے ان انسانیت کا سوز و ہلاکت آفریں مظالم کا محاسبہ تو کیا کریں گے کہ اتنا بھی نہیں پوچھ سکتے کہ آخر یہ ناگفتہ بہ حرکات کس بنا پر کی جا رہی ہیں؟ کیونکہ جس نے بھی دم بھر کے لیے زبان کھولنے کی جرات کی تو اس کی یا تو موت کے گھاٹ اتار کر ہمیشہ کے لیے زبان بندی کر دی جاتی ہے اور یا قید و بند کے نذر چڑھا دیا جاتا ہے۔

یہ دستور زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

کسی نے خوب کہا ہے کہ

قتل بھی کرتے ہو اور کہتے ہو کہ فریاد نہ کر
ظلم پر ظلم نیا اور ستم ایجاد نہ کر

لیکن برخلاف اس کے محمد رسول اللہؐ نے اپنی سہوا خطاؤں کو بھی ان بندگان خدا سے بخشوانے کی کوشش کی جن سے وہ متعلق تھیں۔ اور اگر بنظر انصاف غور کی جائے تو یہ خطائیں درحقیقت خطائیں بھی نہ تھیں۔ کیونکہ انسان سے بسا اوقات فطرۃ از خود ایسی باتیں

صادر ہو جاتی ہیں کہ جو قطعاً" قابل مواخذہ نہیں ہوتیں۔ مگر رسول برحق اور شاہان نفس پرست میں اگر فرق ہوتا ہے تو یہی کہ ان کا ہر کام خدائے خلاق ارض و سما کی رضا کے پیش نظر مخلوقات کی خیر و بہبودی کے لیے ہوتا ہے۔ اور ان کا ہر فعل اپنی خود غرضی و ہوا خواہی کی خاطر ظہور پذیر ہوتا ہے وہ (یعنی پیغمبر) اگر جہاد و قتل بھی کرتے ہیں تو ایک اکمل حکیم کے ہمدردانہ عمل جراحت کے مشابہ ہوتا ہے یا بالفاظ دیگر والدین کی مشفقانہ تادیب اولاد کے مثل ہوتا ہے۔ اور یہ سب کچھ مظلوموں کی حمایت میں ظلم و عدوان اور تمرد و سرکشی اور خون ناحق اور فسق و فجور کو مٹانے کے واسطے کیا جاتا ہے مگر ان (شاہان دنیا) کا حال ان کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ دوسرا بین فرق یہ ہے کہ دنیاوی حاکموں اور بادشاہوں کا قانون غریب رعایا کے لیے ہوتا ہے اگرچہ وہی قانون خود ان کی ناجائز حرکات و سکنات کے خلاف ہزار بار استغاثہ کرتا ہے تو اس کی ایک بار بھی سماعت نہیں ہوتی۔ گویا یہ لوگ اپنے قانون کی توہین آپ کرتے ہیں۔ لیکن ایک پیغمبر پر نازل شدہ قانون عدل و سزا جس طرح دوسرے بنی نوع پر جاری ہوتا ہے بالکل اسی طرح خود اس پیغمبر کی ذات اور اس کے خاندان پر بھی نافذ ہو سکتا ہے جس طرح متذکرہ بالا امثلہ و نظائر سے ثابت ہو چکا ہے پس اس کا دوسرا نام تعظیم قانون ہے۔ اس لیے ان میں اور ان میں اس قدر بین فروق و امتیازات ہیں کہ ایک محقق و متلاشی حقیقت شخص ذرا سے تامل کے بعد حق و باطل میں امتیاز کر کے خدا کے رسول کی صداقت کے آگے اپنی سپر ڈال کر حلقہ بگوش اسلام ہو سکتا ہے۔ مگر ساری مشکلیں اور رکاوٹیں متعصب اور حقیقت ناآشنا لوگوں کے لیے ہوتی ہیں۔ جو اپنے دیدہ و دل سے کام لینے کے بجائے تقلید کے خوگر ہوتے ہیں۔

غرض یہ کہ یہ پیغمبرانہ تعلیم اور اس پر عملی پروگرام ہوتا ہے کہ اس عالم فانی سے رخصتی کے وقت بندگان خدا کی اخلاقی حق تلفیوں اور ناقابل مواخذہ خطاؤں کو بھی بخشوانے کے لیے اس قدر تکلیف اور نقاہت کے ساتھ مجمع عام میں آکر عفو طلب ہوتے ہیں بلکہ پہلے انتقام دلوانے کی پر زور اپیل کرتے ہیں کہ ہم سے اپنی حق تلفی و ضرر خوردنی کا بدلہ لے لو! ورنہ خدا کے واسطے بخش دو!

دوسری بات یہ ہے کہ ان واقعات سے حقوق العباد و اخلاق کی اہمیت و حقیقت کا پتہ چلا

ہے کہ ان میں تسامح اور غفلت برتنے کا اخروی نتیجہ نہایت برا ہوتا ہے کیونکہ اگر ایک نبی برحق باوجود خداوند تعالیٰ کا مقرب و محبوب ہونے کے بھی ان معمولی اخلاقی خطاؤں کا خمیازہ بھگتنے سے مبرا ہونے کا یقین نہیں کر سکتا تو اور کون ایسی ماں کا پیارا بیٹا ہو گا جو ہر قسم کے ظلم و عدوان کا پتلا ہو کر یونہی سزا و جزا کے بغیر بخش دیا جائے گا۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

از مکافات عمل غافل مشو

گندم از گندم بروید جوز جو

علاوہ ازیں آپؐ (باوجود لوگوں سے فورا معافی مانگ لینے کے بھی) ہمیشہ بارگاہ خدائے عادل و رحیم میں یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ

(اے اللہ جس مومن کو میں نے (کبھی بتقضائے بشریت) کوئی گالی (وغیرہ سے تکلیف) دی ہو، تو اسے قیامت کے دن اپنے قرب کا ذریعہ بنا دے جس کے باعث وہ بخشا جاوے اور تیرا مقرب بندہ بن جائے)(۱۰)

مختصر یہ کہ شریعت اسلامیہ نے جو درجہ حقوق العباد یعنی اخلاق کو دیا ہے وہ اپنے حقوق اللہ یعنی عبادات کو نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ مخلوقات کے فطری حقوق میں غفلت کر کے جو لوگ اخلاقی مجرم بنیں گے ان کی سزا بہت سخت اور ناقابل معافی قرار دی گئی ہے۔ اس لیے ہر سلیم الفطرت مومن پر فرض ہے کہ وہ اپنی شرافت بشری کو ملحوظ رکھ کر ہر دو جہان کی نجات و کامرانی حاصل کرنے کے لیے اخلاقی اصول و قواعد کے صحیح صحیح معلومات کی تحصیل کر کے ان کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر کسی بااخلاق سوسائٹی سے منسلک ہو جاوے۔

پس اب ہم ذیل میں اسلامی اخلاق حسنہ کے چند عملی مظاہر پیش کرتے ہیں کہ مکمل کریمانہ اخلاق کے ابتدائی و کسبی اعمال اور بنیادی اصول باسانی ذہن نشین ہو جائیں۔

حواشی و حوالہ جات

(۱) المستدرک حاکم جلد ۴ کتاب الاہوال باب الدوا دین ثلاثت عن عائشہؓ مطبع دائرۃ المعارف۔ ص ۵۷۵

(۲) بخاری جلد ۲ کتاب الرقاق باب القصاص یوم القیامتہ عن ابوہریرۃ کرزن پریس ص ۹۱۷

(۳) صحیح مسلم جلد ۲ کتاب البرو الصلتہ و الادب باب تحریم الظلم عن ابی ہریرۃ مطبع علیمی ص ۳۲۰

(۴) رواہ الطبرانی عن ابو معاویتہ ماخوذ از تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان جلد ۱۰ مطبع صدیقی ص ۳۷۰

(۵) ان ہردو آخری حدیثوں کا حوالہ ابن جریر عن عبداللہ ماخوذ از تفسیر ترجمان القران جلد ۱۰ مطبع صدیقی ص ۳۷۰

(۶) شفاء قاضی عیاض ص ۳۱۱ ماخوذ از رحمتہ اللعالمین جلد اول باب خلق محمدی" عدل و رحم تعلیمی پرنٹنگ پریس ص ۳۴۰

(۷) ابو داؤد جلد ۲ کتاب الدیات باب القود من الضربۃ و قص الامیر من نفسہ عن ابی سعید مجتبائی پریس ص ۲۷۲

(۸) ابن اسحاق بروایت ابن ہشام' ماخوذ از سیرت النبی جلد دوم' باب اخلاق نبوی عدل و انصاف مطبع معارف۔ تقطیع خورد ص ۳۰۶

(۹) طبقات ابن سعد ماخوذ از خطبات محمدی جلد پنجم مرض الموت کے تیسرے خطبے کا پہلا خطبہ ص ۴۲

(۱۰) صحیح بخاری جلد ۲ کتاب لداعوات باب قول النبی من اذیتہ عن ابی ہریرہ کرزن پریس ص ۹۴۱

فصل ششم

اساس اخلاق اور ان کی تفصیل

اخلاق کے بنیادی اصول تین ہیں قوت علم، قوت غضب، قوت شہوت باقی جس قدر اخلاق کی اقسام ہیں وہ سب کی سب ان منابع کی نہریں ہیں اخلاق حسنہ ان تینوں قوتوں کے اعتدال کا نام ہے قوت علم کے اعتدال کا نام حکمت " اور قوت غضب کے اعتدال کا نام شجاعت اور قوت شہوت کے اعتدال کا نام عفت ہے، ان تینوں اعتدالی قوتوں کو ملکات فاضلہ یا ارکان اخلاق حسنہ کہتے ہیں۔

قوت علم کی تشریح

دراصل تمام اخلاقیات کی بنیادی چیز حکمت ہے جس کی تعریف قرآن مجید میں یوں آئی ہے کہ۔

وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت دی جائے تو یہ یقین کر لینا چاہیے کہ بے شک اس کو بہت بڑی دولت مل گئی۔

(قرآن پارہ ۳ سورۃ البقرہ رکوع ۳۷)

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ دنیا و مافیہا میں جس قدر بھی خیر و فلاح اور ضروریات دین و دنیا ہیں وہ سب اسی حکمت کی گوہر افشانی کا نتیجہ ہیں اسی واسطے اخلاق فاضلہ کی تحصیل کا سب سے بڑا سبب بھی اسی کو قرار دیا گیا ہے کیونکہ جو شخص اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہو گا تو وہ جاہل ہو گا۔ اور جو جاہل ہو گا تو یقیناً" وہی بد اخلاق ہو گا اس لیے نعمت علم کو صحیح طور سے حاصل کرنا چاہیے جس کا نام حکمت ہے۔

اور اگر اس کی اعتدالی راہ یعنی صراط مستقیم سے ہٹ کر افراط و تفریط میں پڑ گئے تو یہ

بجائے فائدہ کے خسارہ میں ڈالنے والی شے ثابت ہو جاتی ہے لہٰذا اس کی تینوں راہیں معلوم کرنی ضروری ہیں اور وہ یہ ہیں۔

حفظ نفس

قوت علم

یا

ادراک کے فضائل

رذائل افراط	فضائل	رذائل تفریط
کربزی یعنی مکاری		
بسیار دانی		ابلہی حماقت
اسرار الٰہی میں انہماک		تزلزل رائے
انبیاء اور فرشتوں کو کامل القدرت خیال کرنا		صفات خداوندی کی نفی انبیاء
اور		
		ملائکہ کو اپنے جیسا مع بلاغراض سمجھنا
	حکمت	
	تفکر	
	تذکر	بدباطنی
	اصابت رائے	غفلت و گمراہی
	فراست صادقہ	
	جودت	
	عصمت	

ایمان باللہ

ایمان بالرسل

ایمان بالآخرت

ایمان بالملائکۃ

ایمان بالکتب

انقیاد امر و نواہی

(الحقوق والفرائض حصہ سوم افضل المطابع ص ٦)

اس قوت کے فضائل حکمت کے ماتحت ہیں اس لیے صاحب ایمان کو چاہیے صرف اسی اعتدالی راہ پر چلنے کی کوشش کرے اور دائیں بائیں افراط و تفریط دونوں سے بچتے ہوئے زندگی بسر کرے۔

اس کے بعد قوت غضب کی تعریف کی جائے گی۔ چنانچہ وہ یہ ہے۔

قوت غضب کی تشریح

قوت غضب اگر اپنی اعتدالی راہ پر قائم ہو جائے۔ مثلاً انسان جہاں چاہے وہاں استعمال کرے اور جہاں سے روکنا چاہے تو بلاتکلف روک لے گویا اس کے استعمال پر پورا قابو پالے تو اس کو شجاعت کہتے ہیں۔ اور اگر یہی قوت راہ اعتدال سے گزر کر افراط میں پڑ جائے تو اس کو تہور کہتے ہیں اسی طرح اس کے برعکس تفریط میں گر جانے کے بھی مختلف مظاہر ہیں جن کی تفصیل یہ ہے

حفظ نفس

قوت غضب کی

صراط مستقیم

یا

رذائل افراط	فضائل شجاعت	رذائل تفریط
تہور	جرأت و استقلال	سخن چینی
بغض و عداوت	علو ہمت	چغل خوری
تعصب	آہستگی	نفاق یعنی منافقت
کینہ	غصے کو پی جانا	دو رخاپن
سخت دلی و درشت مزاجی	صبر	غیبت
لوگوں پر آوازیں کسنا	تحمل	بزدلی
برے لقب سے پکارنا	راست گوئی و صداقت	جھوٹ
تمسخر اڑانا	عفو و درگذر	
گالی گلوچ دینا	رفق و نرمی	
مار پیٹ	تواضع و ملنساری	
قتل و ظلم	عجز و انکسار	
ترک ملاقات	حفظ اللسان و کم گوئی	

(الحقوق و الفرائض حصہ سوم ص ۷)

قوت شہوت کی تشریح

قوت شہوت اگر اپنی اصلی حالت یعنی راہ اعتدال پر قائم ہو جائے تو اس کو عفت کہتے ہیں اور اگر اعتدال سے گزر کر ادھر ادھر ہو جائے تو گویا افراط و تفریط میں گر کر حیثیت ضائع کر دیتی ہے۔ اس قوت کے تینوں مظاہر یہ ہیں

حفظ نفس

قوت شہوت یا خواہش کے فضائل

یا

رذائل افراط	صراط مستقیم	رذائل تفریط
کبرو غرور	عفت	ست
حرص و طمع	حیا	نامردی
حسد	توکل	جزع و فزع وغیرہ
اسراف و فضول خرچی	صبرو قناعت	
بہتان	جودوسخا	
فخر	ایثار و کرم	
حب دنیا	رحم و محبت	
بخل و کنجوسی	باہم میل جول	
خیانت	امانت	
بد عہدی وغیرہ	ایفائے عہد وغیرہ	

(الحقوق و الفرائض حصہ سوم ص ۷)

یہاں تک جتنے مظاہر عملیہ پیش کیے گئے ہیں یہ ضروری نہیں کہ سب کے سب یہی ہیں یا حدود اخلاق اتنے ہی ہیں۔ یا ملکات فاضلہ کے تحت جو مختلف عنوانات میں تقسیم کی گئی ہے یہ بھی ٹھیک ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تقسیم وحد بندی ہر ایک شخص کی اپنی علمی وسعت و نظر کی گوہر افشانی ہے۔ دراصل کریمانہ اخلاق اور بد اخلاقی کی کوئی حد نہیں۔ جس کی سمجھ میں جو کچھ آیا وہ لکھ دیا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کی روشنی میں حقوق العباد سے متعلق جس قدر خدائی اور فطرت احکام جو بنی نوع کی خدمت' جلب منفعت' حسن سلوک و مدارات اور ہر دلعزیزی وغیرہ وغیرہ کے ضمن میں ہیں وہ اخلاق حسنہ کی تعریف میں آسکتے ہیں۔ اور جو کچھ اس کے برعکس نفس امارہ کی پیداوار ہیں وہ اخلاقی رذائل ہیں۔

یا یوں سمجھنا چاہیے کہ مذکورہ بالا اعمال و مظاہر مکمل اخلاق حسنہ کے اوصاف و فضائل تلاش کرنے کے بواعث ہیں۔ یعنی ان سے اس طرح دل کی اصلاح ہو جاتی ہے کہ پھر وہ دل قلب سلیم بن کر از خود صلاحیت و استعداد کر لیتا ہے جس کے باعث اس کو ہر نیکی و بدی کا عملی احساس ہو جاتا ہے جیسا کہ دلیل حدیث نمبر ۵۰ میں اشارہ ہو چکا ہے کہ نیکی و بدی کا احساس خود بخود ہونے لگتا ہے اور پھر اس سے ہر موقع و محل پر اخلاقی اوصاف کا ظہور ہوتا رہتا ہے گویا ساری اصلاح و فساد کا دار و مدار دل کی صحت و بیماری پر ہے۔

چوں شود از رنج و علت دل سلیم
طعم کذب و صدق برا باشد علیم

اور جیسا کہ بانی اسلام کا ارشاد پاک ہے کہ

آگاہ ہو جاؤ کہ بے شک آدمی کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو سارا جسم درست (و فرمانبردار حق) ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو ساری کائنات جسم بگڑ جاتی ہے (حق سے باغی ہو کر ظلم و عدوان اور فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتی ہے) خبردار ہو جاؤ کہ وہ (گوشت کا ٹکڑا) دل ہے۔(۱)

کسی نے خوب کہا ہے کہ

دل کے بگاڑ ہی سے بگڑتا ہے آدمی
جس نے اسے سنبھال لیا وہ سنبھل گیا

علاوہ ازیں ایک اور فہرست اخلاق پیش کرتے ہیں جو اس سے مختلف اور کچھ موافق ہے تاکہ یہ اندازہ ہو جائے کہ ان اوصاف کی کوئی حد بندی نہیں کی جا سکتی۔

فضائل اخلاق حسنہ	رذائل اخلاق سیئہ
صدق (یعنی ہمیشہ سچ بولنا)	جھوٹ
زبان کی سچائی	جھوٹی قسمیں کھانا

دل کی سچائی	وعدہ خلافی
عمل کی سچائی	خیانت اور بد دیانتی
سخاوت	غداری اور دغا بازی
عفت و پاکبازی	بہتان
دیانت داری و امانت	چغل خوری
شرم و حیا	غیبت اور بد گوئی
رحم و کرم	دو رخا پن
عدل و انصاف	بد گمانی
عہد کی پابندی	مداحی اور خوشامد
احسان	بخل
عفو و درگزر	حرص و طمع
حلم و بردباری	بے ایمانی
رفق و لطف	چوری
تواضع و خاکساری	ناپ تول میں کمی بیشی
خوش کلامی	(مشترکہ مال) چھپا کر لینا
ایثار	رشوت
اعتدال اور میانہ روی	سود خواری
خود داری یا عزت نفس	شراب نوشی
شجاعت اور بہادری	غیظ و غضب
تعداد کی قلت و کثرت (کی پروا نہ کرنا)	بغض و کینہ
موت کا وقت مقرر ہے (کا یقین)	ظلم (و تعدی)
شہادت اور غزا کا رتبہ (سمجھ کر عمل کرنا)	فخر و غرور
استقامت (ثابت قدمی و مستقل مزاجی)	ریا کاری
حق گوئی (دلیری)	خود بینی و خود نمائی

استغناء (بے نیازی) وغیرہ فضول خرچی

حسد (و بغض)

فحش گوئی (یعنی شہوت انگیز باتیں کرنا وغیرہ)

(سیرت النبی جلد ۶ مطبع معارف تقطیع خورد صفحہ فہرست فضائل اخلاق ص ۳)

در حقیقت امر واقعہ یہ ہے کہ اخلاقی معیار پر صحیح و کامل طور سے اترنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ' بلکہ یہ خاصہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ و السلام کا ہے۔ خصوصاً محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا' جو خاص محاسن اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوئے تھے مگر جہاں تک اسلام و ایمان کا تعلق ہے اس حد تک ہر ایک مسلمان کا یہ مذہبی و فطری فرض ہے کہ اپنے اندر حتی المقدور اور کامل جدوجہد اور مساعی جمیلہ سے اکثر اوصاف اخلاق پیدا کر کے زندگی بسر کریں۔ اور جہاں تک ممکن ہو اخلاقی رذائل سے بچتے ہوئے رہیں۔ کیونکہ کفر و ایمان کی سب سے آسان اور سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ کافر شخص کی زندگی کا اکثر حصہ نفسانی خواہشات کے اتمام میں گزرتے ہوئے احکام الٰہی کی نافرمانی میں بسر ہوتا ہے اور برعکس اس کے مسلمان کی زندگی کا بیشتر حصہ احکام الٰہی کی پیروی کرتے ہوئے محاسن اخلاق کے حصول میں خواہشات نفسانیہ و نفس امارہ کی مالوفات کے خلاف جدوجہد میں گزرتا ہے پس یہی ایک مابہ الامتیاز کفر و ایمان اور فارق الکافر و مسلمان امر عظیم ہے۔

اسی طرح اسلامی دائرہ میں رہ کر جس کے اکثر اخلاق اچھے ہوں گے وہ مسلمان اور نجات یافتہ ہو گا۔ سوائے چند کبائر کے جن کا ارتکاب اور اعمال کو بھی ضائع کر دیتا ہے لیکن سب سے بہتر اور حق یہ ہے کہ اگر بتقاضائے بشریت کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس کی تلافی فوراً کر لی جائے تلافی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کا تدارک صرف سزائے بدنی سے ہوتا ہے دوسری وہ جس کے لیے توبہ ہی کافی ہے لہٰذا اس پر اصرار کرنا شان ایمان کے خلاف ہے اور جس کے اکثر اخلاق برے ہوں گے وہ کافر و مستلزم عذاب النار ہو گا۔

ایک اور ارشاد نبوی ہے کہ

خوش خلقی اللہ تعالٰی کا خلق عظیم ہے(۲)

اگرچہ یہ روایت محدثانہ تنقید سے سلامت نہ رہ سکی مگر تمام اسلامی اخلاق اور اس کی

تعلیمات پر نظر ڈالی جائے تو یہ حدیث معناً صحیح ہے کیونکہ اخلاق حسنہ حقیقتاً خدا تعالیٰ کے نزدیک خاص الخاص درجہ رکھتے ہیں اور جس قدر جس کے اخلاق کامل و احسن ہوں گے اسی قدر وہ مقرب الٰہی بھی ہو گا۔

چنانچہ ارشاد ہے کہ

بے شک اللہ تعالیٰ کرم کرنے والا ہے کرم کو ہی پسند کرتا ہے اور بلند اخلاق سے محبت کرتا ہے اور اس کی برائیوں کو مبغوض رکھتا ہے۔(۳)

اور برعکس اس کے جس کے عمل جتنے برے ہوں گے وہ اتنا ہی حق سے دور ہو گا جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے۔

اس لیے یہ بالکل صحیح ہے کہ جس شخص میں اخلاقی اوصاف و فضائل جس قدر زیادہ ہوں گے وہ اسی قدر واصل حق ہو گا اور جس میں بر خلاف اس کے اخلاقی رذائل و خبائث زیادہ ہوں گے وہ اسی قدر واصل شیطان لعین ہو گا۔ کیونکہ یہ شیطانی المہلات کی فصل ہے جو اس فصل کو بوئے گا وہ شیطانی مزارع یا پیروکار ہو گا اور جو فرمانبردار شیطان ہوا وہ مسلم حق کیسے رہا؟ اس لیے مسلمان بننے کے لیے یہ از بس ضروری ہے کہ اپنے قلب دماغ اور اعضاء قویٰ کو اسلامی اخلاق کے سانچہ میں ڈھال کر اس دنیائے دوں میں رہے۔ اور بس۔

ایک اور امر قابل لحاظ و لائق فہم یہ ہے کہ مذکورہ بالا فہرست اخلاق میں بعض اوصاف و فضائل ایسے ہیں جن کو صحیح سمجھنا ہی بہت مشکل ہے مثلاً ایک شخص فضول خرچی میں مبتلا ہوتا ہے اور سمجھتا یہ ہے کہ میں انفاق کر رہا ہوں یا دراصل بخیل ہوتا ہے اور سمجھتا یہ ہے کہ میں کفایت شعار ہوں یا کوئی کبر و غرور کا شکار ہو رہا ہوتا ہے مگر زعم یہ ہوتا ہے کہ میں خود دار ہوں۔ حالانکہ خودی اور غرور میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ خودی عین اسلام ہے اور غرور کفر صریح علیٰ ھذا القیاس یہ وہ باریک و لطیف نکات ہیں کہ ان کی حقیقت پر بڑے بڑے صاحب علم و شعور پہنچنے سے قاصر ہوتے ہیں اور دراصل یہی وہ نامعلوم و غیر محسوس معائب اخلاق ہیں کہ جن کے باعث اکثر لوگ ہلاکت و خسران کے مصداق ہوجاتے ہیں اس لیے ان نکات کو سمجھنے کے لیے کسی خدار سیدہ معلم اخلاق کے پاس جا کر زانوئے ادب تہ کر لینا چاہیے کہ ان کے ذہن نشین کر لینے میں آسانیاں بہم پہنچائیں۔

داند آنکس که فصاحت بزبان دارد
هر سخن موقع و هر نکته مکان دارد

حواشی و حوالہ جات

(۱) متفق علیہ ماخوذ از مشکوۃ جلد ۲ کتاب البیوع باب الکسب فصل اول عن نعمان بن بشیر۔

(۲) رواہ الطبرانی عن عمار بن یاسر۔سند ض ماخوذ از جامع الصغیر للسیوطی جلد ۲ مطبوعہ مصر ص ۴۳

(۳) صحیح المستدرک جلد ۱ کتاب الایمان باب ان اللہ کریم یحب الکرم الخ عن سہل بن سعد مطبع دائرۃ المعارف ص ۴۸

فصل ہفتم

اخلاق حسنہ اور دور اول کی جماعت اسلامیہ

حضرت بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم جس گلشن اخلاق کی داغ بیل ڈالنے کے لیے رسول برحق بن کر آئے تھے اور جس کی نہایت محنت و مشقت اور تن دہی سے تخم ریزی کر کے اپنا خون ناب سینچا کیا اور جس کی خاطر ابنائے ظلم وعدوان کے ناگفتہ بہ مظالم و انسانیت سوز ستم ہائے گوناگوں اپنی پاک جان واحد پر برداشت کیا کیے آخر وہ گلشن پروردگار عالم کے فضل و کرم سے برگ و بار لایا پھول پتے ہرے بھرے ہوئے شاخیں اپنی سربلندی و رفعت پذیر پر لگا کر آسمان تک پہنچنے لگیں درخت سبز مخمل میں ملبوس و مزین ہو کر خشک اور بے آب و گیا صحرا میں جھومتے جھلملاتے ہوئے روح افزا سایہ افگن ہونے لگے اثمار متنوعہ مختلف طور سے غیر مترقبہ لذت بخش و کیف افزا دعوتیں دینے لگے گویا ہر قسم کی مادی و روحانی امراض کا شفاخانہ کھول دیا گیا۔ تشنگان صلاح و تقویٰ کی پیاس بجھنے لگی۔ انسانیت و اخلاق حسنہ کے قریب المرگ مریض شفایاب ہونے لگے۔ روح پرور غذائیں ملنے کے باعث بھوکوں ہلاک ہونے والے نہ صرف یہ کہ خود موت کے منہ سے بچے بلکہ خانہ برانداز چمن ہو گئے۔ غرض یہ کہ جہاں جہاں بھی اسلامی گلشن اخلاق کے پھول پتے اور مختلف اقسام کے پھل پہنچے اور اس شفاخانہ روح افزا سے بیمار صحت یاب ہو کر دور دراز پہنچنے لگے۔ اور اس چشمہ آب حیات سے سکون آمیز و طمانیت بخش آب مصفا بہہ کر خشک اور مردہ زمینوں کو سیراب کرتا ہوا گوناگوں باغ و چمن کی بہاریں دکھانے لگا تو ہر چہار اطراف و جوانب سے اس کی مقبولیت و ہر دلعزیز اور بے ریا ہمدردانہ دل جوئی سے مستفید و بہرور ہونے کے لیے فوجوں کی فوجیں مشرف باسلام ہونے لگیں جن کو دیکھو تو پریشاں حال گرد و غبار میں اٹے ہوئے سر سے پاؤں تک ننگے سرپٹ دوڑے چلے آ رہے ہیں کہ اسلامی گلشن اخلاق کی خدمت و فدویت کو دنیا جہان کی دولت و نعمت پر ترجیح دے کر حلقہ بگوش اسلام ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

پا گئی آسودگی کوئے محبت میں وہ خاک
مدتوں آوارہ جو حکمت کے صحراؤں میں تھی

سب سے بڑی اور اہم بات یہ ہے کہ آخر اس چمن کی تیئس (۲۳) سالہ شان و ابہت کیوں اس قدر شرف و فضیلت اور مقبولیت عام حاصل کر چکی تھی اور جس کی ہمسری کا دعویٰ اس آسمان و زمین کے درمیان آفرینش عالم سے لے کر اب تک کوئی مقنن کوئی حکیم کوئی مصلح اور کوئی شہنشاہ وغیرہ نہ کر سکا اور نہ آئندہ کر سکے گا؟

گو اس کے کتنے ہی مختلف جوابات کیوں نہ ہوں مگر تسلی بخش اور فیصلہ کن جواب یہی ہو سکتا ہے کہ اس وقت کائنات کا گوشہ گوشہ فسق و فجور کا مرکز و منبع زمین کا چپہ چپہ ظلم و عدوان اور کشت و خون کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ انسانیت سوز حرکات خبیثہ و شرافت کش افعال رذیلہ کا دور دورہ تھا۔ سنگ دلی و جہالت اور بربریت کا پتلا ہر ہر بندہ بنا ہوا تھا عدل و انصاف اور فطری محبت و ہمدردی کا خون ہو چکا تھا۔ گویا انسانیت مجروح ہو کر ترساں و حیراں کوہ و بیاباں میں خاک اڑائے دوڑ رہی تھی کہ کہیں کوئی مداوا ملے ۔ عفت و حیا بے حیائی و عصمت دری کے دست تطاول سے وحشت زدہ ہو کر دشت وجبل کے زہریلے کانٹوں سے آبلہ پا ایک ساتھ سرگرداں پھر رہے تھے کہ کوئی خلیق و ہمدرد عصمت نواز ملے جس کے پاس امن و عافیت کے باقی ماندہ دن کاٹیں۔ آخر ان کی معصومیت پر غیرت حق کو جوش آیا اور اپنی رحیمیت کاملہ و ربوبیت تامہ کے پیش نظر بانی اسلام حضرت محمد رسول اللہ کو معلم اخلاق و ہادی اعظم بنا کر مبعوث کیا۔ جن کی ذات پاک تمام حق پرستوں کے لیے ملجاء و ملوا ثابت ہوئی اور بارگاہ رب العزت سے رحمتہ للعالمین کا لاثانی خطاب پایا۔

غرض یہ کہ ہر جگہ سرکشی و معاصی کا بازار گرم تھا۔ مگر باوجود اس کے چند ایک ایسی بھی پاکباز و سعید روحیں پائی جاتی تھیں جنہیں حق و باطل میں امتیاز کرنے کا کافی ملکہ حاصل تھا وہ اگرچہ اس پر فتن و پر آشوب عالم میں ظاہری طور پر معدوم تھیں مگر باطنی صورت میں انفرادی طور پر متلاشی حقیقت رہتی تھیں۔ جس طرح حضرت ابوذر غفاریؓ کا حال فصل دوم دلیل روایت نمبر ۲۴ میں پڑھ چکے ہیں یا جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام علامہ یہود تھے کہ انہوں نے اپنے زور علم سے آپ کی رسالت کی تصدیق کی۔ یا حضرت ابوبکر بن قحافہ نے

اسلام کی حقیقت و صداقت پر شہادت دے کر صدیق اکبر کا لقب خاص حاصل کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

انہوں نے جب اسلامی گلشن اخلاق کی تعریفیں سنیں تو فوراً اپنی مدتوں کی بھوک پیاس بجھانے کے لیے آزمائشی طور پر آگے کو لپکنا شروع کیا۔ اور ہر طرح سے اس کے پھول پھلوں کو دیکھا پھر چکھا' جب توقع اور اپنے معیار سے کہیں ارفع واعلی پایا تو بلاحیل و حجت بانی اسلام حضرت معلم اخلاق کے خادموں میں شامل ہونا اپنا فطرتی و مذہبی فخر سمجھا اور اس گلشن اسلام کی خدمت و حفاظت مال و اسباب اور جان و اولاد تک کے خون ناب سے کی۔ گویا اولاً وہ معلم اخلاق کے وفا دار اور ثابت قدم شاگرد رہے اور پھر اس پاک تعلیم کے طفیل خود معلم اخلاق ہادی رشد و ہدایت قاطع کفر و ضلالت قامع بے دینی و بد اخلاقی ثابت ہو کر رہے۔

پس کفر و اسلام کے مابین بین امتیاز کرنے والی ناقابل شکست دلیل اعظم مذکورہ بالا اخلاق و عملی تعلیم اور پھر اس پر بشری کمزوریوں کے ماتحت 'کما حقہ' کار بند ہو کر مجسمہ عمل و پیکر اخلاق اور قابل رشک و لائق تقلید مکمل نمونہ بنتا ہے۔ ورنہ جہاں تک محض تعلیم و تعلم کا تعلق ہے وہ تمام مذاہب و ادیان میں کمی بیشی کے ساتھ موجود و مرقوم ہے اسلام کو ان میں سے اگر کوئی شرف و فضیلت اور فخر و امتیاز حاصل ہے تو اس کے صرف دو ہی اسباب خاص ہیں ایک یہ کہ اس نے اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ کو جس شدت و استحکام کے ساتھ پیش کیا ہے اور اس کے جو نتائج بلحاظ سزا و جزا بتائے ہیں وہ کسی دوسرے مذہب میں موجود نہیں۔ گو دوسرے مذاہب ایسی پاک تعلیم سے خالی نہیں۔ کیونکہ ہر ایک مذہب کی تعلیم اپنی حیثیت کے لحاظ سے بنیادی طور پر ایک گونہ اخلاقی رہی ہے۔ اس لحاظ سے سب برابر ہیں اور کسی صاحب علم و نظر کو اس سے انکار نہیں سوال صرف سختی و نرمی اور اکمل و ناقص یا زیادتی و کمی کا ہے۔ اسلام کو فضیلت جامعیت و اکملیت کے لحاظ سے ہے۔ دوسرے مذاہب اس سے محروم ہیں۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ اسلام نے اپنی تعلیمات و تلقینات کی حامل و عامل اور زہد و تقویٰ کی مجسمہ ایک پاکباز جماعت بنا کر پیش کر دی تھی جس کا نام "جماعت اسلامیہ تھا" اور

جو سر تاپا اسلامی تعلیمات کی عملی تصویر تھی۔

بانی اسلام حضرت محمد رسول اللہؐ کی علمی و عملی اخلاقی حالت کا تو ذکر ہی کیا جو مجسمہ قرآن تھے۔ جیسا کہ حدیث نمبر ۲۹ میں گزر چکا ہے۔ اور جس کی عملی صداقت کی شہادت خود خلاق ارض و سما رب العالمین نے بایں الفاظ دی کہ

اور (اے معلم اخلاق) بے شک آپ کے اخلاق البتہ بہت ہی عالی مرتبہ ہیں۔

(قرآن پارہ ۲۹ سورۃ ن رکوع اول)

بحث تو اس جماعت کی عملی حالت سے ہے جو اس وقت کے ظلم و جور اور فسق و فجور سے بھاگ کر اسلامی گلشن اخلاق کی روح افزا و عافیت بخشی گھنی چھاؤں میں آکر بسر کرنے لگی۔ کہ آیا ان پر اخلاق اسلامی کا اثر کیا اور کس درجہ کا پڑا۔ جو تمام مذاہب وقت کے یکسر خلاف ہو کر علم اسلام کے نیچے پراونہ وار ایک ایک کر کے قربان ہوتے رہے۔ مگر دامن اسلام پر ذرہ بھر داغ نہ لگنے دیا۔

در حقیقت جماعت اسلامیہ کے تمام افراد نے اخلاق حسنہ کے وہ تمام جواہر انمول حاصل کر لیے جن کی فطرت انسانی کو از بس ضرورت تھی لیکن انہیں وہ اپنے سابقہ مذاہب کی نہ صحیح طور سے تعلیم میں مل سکتے تھے اور نہ کوئی عملی طور پر ایسا ضابطہ تھا جو اپنے پیروؤں کو اپنی تعلیم کے سانچوں میں ڈھال سکتے۔ یہ اور اس قسم کے تمام ضابطے اور اصول و قواعد صرف محمدی جماعت اسلامیہ میں عملاً موجود تھے۔ اس لیے انہوں نے سابقہ مذاہب کے علاوہ اس نئے دین کو بھی آکر دیکھا اور چکھا جس کے بعد وہ اس قائل ہو گئے کہ ان مذاہب کے نقائص اور ان کے متبعوں اور فرماں برداروں کے اخلاقی عیوب و معاصی کو طشت از بام کر کے اپنے بلند پایہ اور نہایت مقدس اخلاقی اوصاف و فضائل کو بہانگ دھل بصورت چیلنج پیش کیا۔

چنانچہ حبشہ کی ہجرت (اول) کے زمانہ میں جب شاہ حبش (یعنی نجاشی) نے جماعت اسلامیہ کے افراد کو اپنے دربار میں بلوا کر اسلام کی نسبت تحقیقات کی' تو حضرت جعفر طیارؓ نے جو تقریر کی اس کے چند فقرے یہ ہیں۔

اے بادشاہ ہم ایک جاہل قوم تھے' بتوں کو پوجتے تھے مردار کھاتے تھے بدکاریاں

کرتے تھے ہمسایوں کو ستاتے تھے بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا زبردست زیر دستوں کو کھا جاتے تھے اس اثناء میں ایک شخص ہم میں پیدا ہوا .... اس نے ہم کو سکھلایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں۔ سچ بولیں خونریزی سے باز آئیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں ہمسایوں کو آرام دیں۔ عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔(۱)

اس قسم کے لاتعداد مقالات ایسے ہیں جہاں مسلمانوں نے نہایت ادعاو تحکم کے ساتھ دوسروں کے اخلاق سیئہ کے مقابلہ میں اپنے اسلامی اخلاق حسنہ کو پیش کیا۔ جن کی صداقت پر تاریخ اسلام کا صفحہ صفحہ شاہد عدل ہے۔

اب تک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحہ ہستی پہ صداقت ان کی

یہی وہ اوصاف حمیدہ و اعمال حسنہ اور اخلاق فاضلہ تھے جن کے ہوتے ہوئے وہ مسلمان دوسری اقوام ملل کو خود ان کی بد عملی وسیہ کاری کے باعث اس لائق نہ سمجھتے تھے کہ وہ خدائے قدوس کی زمین میں حاکمانہ حیثیت میں رہیں۔ درانحالیکہ زمین پر خدائے عالم کے پاکباز و خلیق اور نیک چلن لوگوں کی جماعت موجود ہو۔

انہی اسباب و علل کے پیش نظر قرون اولی کے مسلمان خود کو خلافت ارضی کے اولین مستحق سمجھتے ہوئے یہ حق رکھتے تھے کہ دوسری قوموں اور مذہبوں پر چڑھائی کر کے ان کی فاسقانہ و ظالمانہ شان و شوکت کو درہم برہم کر دیں۔

چنانچہ جب وہ کسی ملک پر حملہ کرتے تھے تو محض اسلامی عقیدے جو عمل و اخلاق سے یکسر خالی ہوں نہیں پیش کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ دین اسلام میں صرف عقائد اور زبانی کلمہ طیبہ کی کوئی پوزیشن نہیں جب تک کہ زہد و تقویٰ اور عمل و اخلاق کا عملی جامہ پہن کر دوسروں کی بد عملی و بد اخلاقی کا مقابلہ نہ کر سکیں اس لیے وہ اسلامی محاسن اعمال و اخلاق ہی کو پیش کرتے تھے۔ جیسے کہ حضرت جعفر طیارؓ نے اپنی تقریر میں ثابت کر دیا ہے کہ اگر کسی جماعت میں بحیثیت مجموعی دوسروں کے فسق و فجور کے مقابلہ میں اپنے اعمال و اخلاق کو ادعا و تحکم کے ساتھ پیش کرنے کی ببانگ دہل جرات نہ ہو تو وہ اس لائق نہیں کہ

دوسروں کو کافر و مستحق جہنم اور خود کو جماعت اسلامیہ و وراثت جنت قرار دے۔

دوسرا واقعہ

علاوہ اس کے جب جماعت اسلامیہ کا عملی و اخلاقی سیلاب عرب سے چل کر فارس پہنچا تو سیدھا شہنشاہ یزد جرد کے دربار کی پیش قدمی کی یزد جرد کو اطلاع ملی تو اس نے وزراء اور امراء سلطنت کو جمع کر کے اس جماعت دعاۃ کو اپنے دربار میں طلب کیا اور دریافت کیا کہ تم لوگوں کو ملک فارس پر چڑھائی کرنے اور ہم لوگوں سے لڑنے کی کیا وجہ ہے؟ کیا تم کو اس وجہ سے جرات ہو گئی کہ ہم تمہاری طرف سے غافل تھے؟

حضرت نعمان بن مقرن (امیر جماعت) نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم فرمایا جو اپنے برگزیدہ رسول کو بھیجا جن کے ذریعہ سے ہم کو ہدایت ہوئی۔ آپؑ نے ہم کو اعمال صالحہ کا حکم دیا اور اعمال بد سے روکا اور اس کے قبول کر لینے پر دنیا و آخرت کی بھلائی کا وعدہ فرمایا قبائل عرب یکے بعد دیگرے سب اسلام میں داخل ہو گئے۔ آپؑ نے ہمیں حکم دیا کہ عرب سے متصل جو ملک ہیں ہم ان کو بھی دعوت اسلام پہنچائیں۔ اس لیے ہم تم کو اس بہترین دین کی طرف بلاتے ہیں جس نے اچھی اور بھلی باتوں کی ترغیب دی۔ اور قبیح باتوں سے نفرت دلائی اگر تم نے اس کو قبول کر لیا تو تم اپنے ملک پر بدستور حکمراں و قابض رہو' ہم کتاب الٰہی (قرآن مجید) تمہارے پاس چھوڑ جائیں گے (تم پر) اس کا اتباع لازم ہو گا' اگر تم اس کو نہ مانو' تو دو سخت باتوں میں سے سہل بات یعنی جزیہ دینے کو قبول کرو' اور اگر جزیہ قبول کر لیا تو ہم تمہاری جان و مال کی حفاظت کریں گے' ورنہ پھر مقابلہ اور لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔(۲)

اس سے ثابت ہوا کہ اگر کسی جماعت کے جملہ افراد افعال بد سے مجتنب ہو کر اعمال صالحہ کا پر فخر و امتیاز جامہ خاص زیب تن نہ کرلیں تو اس وقت تک انھیں کوئی حق نہیں کہ کسی قوم پر ملک گیری کی باطل ہوس کی بنا پر حملہ آور ہو اگر کوئی چیز غیر مذاہب کے مقابلہ

میں اسلام کے پاس ہے تو وہ صرف اخلاق حسنہ ہی ہے' اور اسی کے باعث کفر کے مقابلہ میں اپنی حق و صداقت کو ثابت کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ کفر و اسلام میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ عقائد کا تعلق دل سے ہے جس سے کسی بنی نوع کی خدمت نہیں ہو سکتی اس لیے اس کی صحت کو اسلام نے اعمال کے ذریعے ہی تسلیم کیا ہے کیونکہ یہ کسی کو خبر نہیں اس کا دل ابوذر غفاریؓ کا ہے یا عبد اللہ ابن ابی کا اس لیے اس کے ثبوت کے لیے عمل و اخلاق ضروری ہے۔

جماعت اسلامیہ کے اخلاق کے متعلق حربی کفار کی شہادت

اہل اسلام کی اخلاق شہرت و گرویدگی کا یہ عالم تھا کہ غیر مسلم بھی قائل تھے' چنانچہ جب دمشق' اردن' اور حمص کی فتوحات نے رومیوں کو جوش سے لبریز کر دیا' انہوں نے ہرقل کے پاس جا کر فریاد کی کہ مسلمانوں نے سارا شام پامال کر ڈالا ہے' اور کوئی طاقت انہیں روکنے والی نہیں' ان کی فریاد پر ہرقل روم نے (جو اعتقادا ابوسفیان کی تقریر سن کر مسلمان تھا مگر مصلحت حکومت کی خاطر عملاً کافر بنا رہا جیسا کہ فصل دوم دلیل نمبر ۲۵ میں گزر چکا ہے) چند معزز اور صاحب الرائے اشخاص کو بلا کر ان سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ "عرب (کے مسلمان) تم سے تعداد' اسلحہ اور سرو سامان' ہر چیز میں کم ہیں پھر تم ان کے مقابلے میں کامیاب کیوں نہیں ہوتے؟" اس استفسار پر سب نے سر جھکا لیا' ایک تجربہ کار شخص نے جواب دیا کہ "عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں۔ وہ رات کو عبادت کرتے ہیں دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ کسی پر ظلم نہیں کرتے' آپس میں برابری کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں ہمارا حال یہ ہے کہ ہم شراب پیتے ہیں' بدکاریاں کرتے ہیں' وعدہ کی پابندی نہیں کرتے' دوسروں پر ظلم کرتے ہیں' اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے ہر کام میں جوش و استقلال ہوتا ہے' اور ہمارے کام ان سے خالی

ہوتے ہیں۔(۳)

ایک اور موقع پر جب دور اول کے مسلمانوں کی ملاقات فارس پر حملہ کرنے کے وقت رستم سپہ سالار اعظم فارس کے ساتھ مقام قادسیہ پر بر سر دربار ہوئی تو حضرت ربعیؓ بن عامر نے اسلام کے متعلق عملی طور پر جو کچھ کہا وہ سوال و جواب کی صورت میں دیکھ لیجئے۔

سوال: (رستم) تم اس ملک میں کیسے اور کس غرض کے لیے آئے ہو؟

جواب: ربعیؓ اللہ تعالیٰ ہم کو لایا ہے اور اس نے اس غرض کے لیے ہم کو بھیجا ہے کہ ہم لوگوں کو تنگی سے نکال کر فراخی میں پہنچائیں۔ اور ادیان باطلہ کے ظالمانہ قوانین کی تنگ و تاریک گھاٹیوں سے نکال کر اسلامی عدل اور مساوات کی شاہراہ پر لا ڈالیں' اس خدائے برتر نے اپنا دین دے کر ہم کو بھیجا ہے جو اس کو قبول کرے گا ہم اس کے ملک کو اس کے حوالے کر کے چلے جاویں گے اور جو انکار کرے گا اس سے مقابلہ کریں گے (حضرت ربعیؓ نے یہ ساری گفتگو اس کے بھرے دربارے میں تن تنہا کی تھی اس کے بعد) رستم نے کہا آپ کا مطلب ہم نے سمجھ لیا' لیکن کیا آپ ہمیں اس قدر مہلت دے سکتے ہیں کہ ہم اس میں غور کر لیں؟

ربعیؓ: آپ کو تین دن کی مہلت ہے اس میں خوب سوچ لیجئے۔ اس درمیان میں ہم لڑائی کی ابتدا نہ کریں گے۔ تمہاری طرف سے ابتداء ہو تو دوسری بات ہے میں اپنی اور تمام عساکر اسلامیہ کی طرف سے اس معاہدہ پر ذمہ دار ہوں۔

رستم: کیا تم سب کے سردار ہو؟

ربعیؓ: مسلمان مثل جسم واحد ہیں ان کا ادنیٰ انسان بھی جو کر گزرتا ہے' اعلیٰ (افسروں) کو اس کی پابندی لازمی ہے۔

اس گفتگو کے بعد رستم نے تمام افسروں کو تنہائی میں بلا کر کہا کہ تم نے کبھی بھی ایسی واضح اور روشن گفتگو سنی ہے' اب میرا کہا مانو" سب نے نہایت نخوت سے جواب دیا۔ ہم اس کتے (معاذ اللہ یعنی حضرت ربعیؓ) کے دین کی طرف کبھی راغب نہ ہوں گے' اس کے کپڑے نہیں دیکھے کیسے سڑے ہوئے اور بوسیدہ ہیں

جن کو دیکھ کر بھی نفرت ہوتی ہے۔
رستم نے کہا تمہاری عقلوں پر افسوس ہے اس کے کپڑوں کو دیکھتے ہو' ذاتی اخلاق' جرات' متانت اور گفتگو اور رائے کو نہیں دیکھتے عرب (کے مسلمان) اپنے برگزیدہ اوصاف کی حفاظت کرتے ہیں تمہاری طرح کپڑوں کی زیب و زینت کے درپے نہیں ہوتے(۴)

اجنادین کا پر از عمل و اخلاص ایک عبرت انگیز و سبق آموز واقعہ

اجنادین ملک شام میں بہت بڑا شہر ہے (اس جگہ مسلمانوں اور رومیوں میں بڑا معرکہ ہوا۔ ہرقل کا حقیقی بھائی لشکر روم کا سپہ سالار تھا۔ مسلمانوں کا لشکر یہاں جمع ہو گیا تو سپہ سالار روم نے ایک عربی شخص کو اس غرض کے لیے بھیجا کہ مسلمانوں کے لشکر میں رہ کر ان کی اصلی حالت کی خبر لاوے۔ یہ شخص چونکہ خود عربی تھا مسلمانوں میں آ ملا' اور ایک رات دن رہ کر ان کے شب و روز کے حالات دیکھے (کہ مسلمان)

راتوں کو تہجد گزاری اور تلاوت کلام الٰہی کرتے تھے' ہر شخص کو دیکھا کہ بلا تصنع و تکلف عبادت (حق) میں مشغول ہے' ایک دوسرے کا باہمی معاملات میں نہایت صفائی کا برتاؤ ہے' ہر شخص امیر کے حکم دل و جان سے مطیع و فرمانبردار ہے۔ یہ حالات دیکھ کر واپس ہوا سپہ سالار روم نے پوچھا "کہو کیا دیکھا"؟

اس نے کہا "یہ لوگ رات کو عابد و راہب ہوتے ہیں" اور دن کو بہادر شہسوار" اگر ان کے بادشاہ کا بیٹا بھی چوری کر لے تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالیں' اور اگر زنا کر لے تو سنگسار کر دیں' حق کے جاری کرنے میں کسی کی رعایت نہیں ہے۔"

سپہ سالار نے سن کر "کہا اگر تو نے سچ بیان کیا ہے تو زمین کے اندر اتر جانا اس سے بہتر ہے کہ ان لوگوں سے مقابلہ کیا جاوے۔" (۵)

غرض یہ کہ یہ لوگ ہروقت و ہر آن پیکر عمل و مجسمہ اخلاق ہوتے تھے خواہ سفر ہو کہ حضر' جنگ ہو کہ صلح' قریب ہوں کہ دور' صبح ہو کہ رات' ظاہر ہوں کہ باطن' وہ ہروقت اپنے تئیں خدائے احکم الحاکمین کے عدالت علیہ میں دست بستہ کھڑے یقین کرتے تھے اسی واسطے ان سے جو حرکت سرزد ہوتی تھی وہ عین فطرت انسانی کے مطابق خدمت خلق سے معمور ہمدردی انسان و صلاح تقویٰ اور عفت و راست بازی سے لبریز ہوتی تھی وہ سرتاپا خلوص اور شرافت کے پتلے ہوتے تھے۔ تاریخ اسلام کی ورق گردانی کرنے سے یہ حقائق نہایت آسانی سے نظر آسکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اشاعت اسلام کا اصلی اور واحد راز اعظم جماعت اسلامیہ کا خلق عظیم تھا۔ وہ جہاں جاتے تھے اعمال و اخلاق سے دعوت اسلام دیتے تھے انہیں فلسفیانہ بحث و مباحث اور مجادلانہ تبلیغ و اشاعت سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ نہ وہ آج کل کی طرح رسائل و جرائد میں دل فریب کالم کے حروف و سطور میں علمی اسلام پیش کرنے سے واقف تھے' ان کے نزدیک محض عملی دلائل جو حال کی طرح عمل سے خالی اور اخلاق سے کورے ہوں "ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور" سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے' اسی واسطے تحریری اور تقریری تبلیغ پر عملی تبلیغ کو ترجیح دے رکھی تھی۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جو قوم خود عمل سے بے بہرہ ہو وہی فلسفیانہ موشگافیوں اور الہیات کی منطقی الجھنوں کے ذریعہ اپنے اصول و قواعد کو دوسروں کے مقابلہ میں صحیح ثابت کرتی ہے' مگر یہ فریب وہ منظر در حقیقت سراب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا' اس لیے جو شخص ایسے دلائل میں پھنس کر اسلام قبول بھی کرلیتا ہے تو وہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہوتا۔

(۱) یا تو وہ تبدیلی مذہب کے ساتھ ہی پشیماں ہو جاتا ہے کہ اسلام کے اصول عمل و اطاعت کے لائق نہیں' اور نہ ہی اسلام قابل برداشت فطری مذہب ہے' کیونکہ اگر اس کے اصول و قواعد عملاً قابل تسلیم و لائق اختیار ہوتے تو یقیناً" اہل اسلام' ان پر کاربند ہو کر دنیا بھر میں خلیق اور نیک چلن کہلاتے۔

(۲) یا اپنے سابقہ کافرانہ اعمال و اخلاق اور اسلامی خصائل میں کوئی انقلاب برپا نہیں کر سکتا گویا بجز زبانی کلمہ توحید و رسالت کے دوسری کوئی اسلامی و نفس کش خوبی حاصل نہیں کر

سکتا' اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اسے اسلام کا عملی و اخلاقی ماحول نہیں ملتا' جس کی بدولت وہ اسلامی روح کا مالک ہو سکے۔

غرض یہ کہ جب تک قرون اولی کی جماعت اسلامیہ میں تختہ زمین پر اپنے اصلی و فطری جوہر کے ساتھ قائم و دائم تھی تو صحیح اسلام کو دن دگنی رات چوگنی ترقی حاصل ہوتی رہی اور بڑے بڑے حکام و رؤساء اسلام کے خادم بنے رہنے ہی کو اپنا فخر سمجھتے تھے لیکن جب سے جماعت اسلامیہ کا وجود مسعود اس ناپاک ماحول سے جان بچا کر عالم جاودانی کو سدھار گیا۔ اور اس کی جگہ اعتقادی مدعیان اسلام وارث ہوئے اور عمل تبلیغ کے بجائے تحریری تبلیغ و اشاعت کی حکومت قابض ہو گئی تو ہر شخص اسلام کا نام سنتے ہی لرز جاتا ہے کہ یہ کیسا خونریز دین و انسانیت سوز مذہب ہے جو بزور شمشیر دنیا پر قابض ہونا چاہتا ہے' گویا اسلام کا نام سنتے ہی فسق و فجور' زنا و لواطت' قتل و غارت' اور لوٹ مار کا مکمل مرقع ان کے تصور میں آ جاتا ہے اس لیے وہ اسلام اولی کے حسین و معصوم اور ہر دل عزیز صورت و سیرت کے بجائے موجودہ صرف اعتقادی اسلام کی مہیب و پر خطر شکل دیکھ کر نفرت اور غیظ و غضب سے معمور ہو جاتے ہیں۔

اس لیے نہایت انصاف اور صفاء سے یہ کہنا پڑے گا کہ موجودہ اسلام سے نفرت و بیگانگی کی ساری ذمہ داری ان مدعیان اسلام پر ہے' جنہوں نے اسلام کو صرف کلمہ طیبہ میں محدود کر کے عمل و اخلاق سے الگ کر کے پیش کیا ہے۔ لہذا کوئی تن آسان و نفس پرور انسان اس سے آگے بڑھ کر اسلامی قربانیوں کی خاطر جان جوکھوں میں ڈالنے کو تیار نہیں۔ پس اسلام کی شکست کا سب سے بڑا اور واحد سبب یہی ایمان و عمل میں تفریق کر کے صرف زبانی کلمہ پڑھ لینا ہی ہے۔

بزرگان دین کے علاوہ ایک ایرانی نو مسلم کی کیا خوب سبق آموز پیشین گوئی تھی جو حرف بحرف پوری ہوئی۔ چنانچہ طبری میں ہے کہ

جنگ قادسیہ میں جب ایک ایرانی گرفتار ہو کر مسلمان ہو گیا' اور اس کو مسلمانوں کی وفاداری' راستبازی' اور ہمدردی کا منظر نظر آیا تو بے ساختہ کہنے لگا کہ "جب تک تم میں یہ اوصاف موجود ہیں تم شکست نہیں کھا سکتے۔" اب مجھے ایرانیوں

سے کچھ مطلب نہیں۔(۲)

گویا یہ ایرانی مہمان بھی اخلاق اسلامی سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوا تھا' صرف اسی کا کیا ذکر بلکہ اکثر دنیا اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ کی پابندی اور قانون اسلام کے ضابطہ کی گرویدہ ہو گئی تھی۔

خلوص' اخلاق' عمل' ہمت' تدبر' عدل و حق گوئی
عبارت آج ان اوصاف سے تم میں بھی ہے کوئی؟
نہ حسنش غایتے دارد' نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقیست

آج جو لوگ حقیقت اسلام سے ناواقف ہو کر موجودہ مدعیان اسلام کی بد عملی و بد اخلاقی اور قتل و غارت کو دیکھتے ہیں تو بے تحاشا کہہ دیتے ہیں کہ اسلام زور سے پھیلا ہے۔ حالانکہ یہ ان کی سخت ناوانی اور کور بصری ہے حقیقت یہ ہے کہ اسلام اپنی غربت و فقر کی بہتات کے باوجود صرف بزور اخلاق پھیلا ہے نہ کہ بزور شمشیر۔ وہ اگر ساری دنیا کے دلوں میں گھر کر گیا تھا تو اس میں بھی حسن عمل ہی کار فرما تھا۔ اور یہی اس کی زیب و زینت اور سرمایہ ہردو جہاں تھا' جس کے سامنے سب کچھ ہیچ ہے۔

آں فقر کہ بے تیغے صد کشور دل گیرد
از شوکت دارابہ از فر فریدوں بہ

در حقیقت اسی مقدس جماعت اسلامیہ نے خداوند تعالیٰ کا مقصد حیات انسانیہ' اعمال صالحہ و بعثت رسول کی غرض و غایت تکمیل اخلاق حسنہ کو فکر کامل و ذہن رسا اور قلب سلیم و روشن ضمیر سے صحیح طور کے ساتھ سمجھا' اور پھر فوراً ہی ساتھ ان کو عملی جامہ پہنا کر اپنی حق و صداقت کا سکہ دنیائے اباطیل و عالم اکاذیب پر جما کر اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو پرواز کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ○ گویا مندرجہ ذیل آیات کے صحیح مصداق اسی جماعت کے مقدس افراد ٹھہرے۔

مومن مرد اور مومنہ عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں کہ (لوگوں کو) نیک کاموں کا حکم کرتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں' اور نماز قائم کرتے ہیں

اور زکوۃ دیتے ہیں اور (پوری طرح) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی فرماں برداری کرتے ہیں' یہی لوگ ہیں کہ عنقریب ان پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا' بے شک اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے' اور اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومنہ عورتوں سے جنت کا وعدہ کیا ہے' جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ تک ان میں رہیں گے اور ہمیشہ کی جنت میں پاکیزہ مکانات کا (وعدہ ہے) اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ان سب سے بڑھ کر ہے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔
(قرآن پارہ ۱۰ سورۃ التوبہ رکوع ۹)

اخلاق حسنہ اور دور حاضر کی جماعت اسلامیہ

جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ اسلام میں سب سے اہم اور مقصود بالذات امر حسن عمل و اخلاق حسنہ ہے' اور اسی واسطے رسول کریمؐ کی بعثت ہوئی' یہی مقصد وحید تمام انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کا رہا ہے' خصوصاً" محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا' آپ نے خلعت نبوت سے سرفراز ہوتے ہی ایک ایسی جماعت پیدا کرنی چاہی جو اس مقصد عظیم کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے' آپ نے ایسے افراد کو تلاش کرنے یا حقیقت اسلام کے ذہن نشین کرنے میں ان تھک مساعی و جمیلہ سے کام لیا' پانی کے بجائے اپنے خون پاک سے اس کھیتی کو سینچا' گلی کوچوں میں پتھر کھائے' خون میں لت پت ہو کر بے ہوش گر پڑے' دانت مبارک شہید کروائے' اعدائے فطرت نے گلا مبارک گھونٹا' آپ کے جسم اطہر پر گندے اوجھ ڈالے' راستوں میں کانٹے بچھائے' غرض یہ کہ ان انسان نما درندوں کے جی میں جو کچھ اور جیسا کچھ آیا وہی کچھ بلا روک ٹوک کر دکھایا' مگر آپ نہایت اولو العزمی و ثابت قدمی اور بے مثال شجاعت خداوندی' صبر و استقلال سے ان تمام مصائب و آلام اور مظالم و تشدد کا تن تنہا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے فرض منصب کو انجام دیتے رہے۔ حتیٰ کہ ممتحن اعظم حضرت رب العزت نے ہر طرح سے ابتلا و محن میں آزما دیکھا' جب آپ ہر قسم کے امتحانات میں اعلیٰ نمبروں پر کامیاب اترے' تو آپ کی امداد و نصرت کے لیے (جو انسان کو

انسانی لباس میں ہی مرغوب ہوتی ہے) حق تعالیٰ نے ایک پاکباز و مخلصین افراد سے مملو جماعت پیدا کر دی جو للّٰلہ فی اللہ آپ کے ادنیٰ سے اشارہ پر جان دینے پر تل جاتی تھی' اور ان کے اس صادق و بے ریا جذبہ کامل پر کوئی لعن طعن یا خوف و لالچ کا شیطانی حربہ' کامیاب نہ ہوتا تھا۔ مختصر یہ کہ اس جماعت نے آپ کی تمام و کمال تعلیمات و تلقینات کو عملی جامہ پہنا کر آخری دم تک اس مقصد جمیلہ (یعنی عمل و اخلاق) کو اتمام و انجام تک پہنچاتی رہی۔

جس وقت آپ کی نظر کامل ودیدۂ قلب بینا نے بحد کمال محسوس کر لیا کہ یہ جماعت' صحیح معنوں میں اسلامی اعمال و اخلاق کی حامل ہو چکی ہے' تو آپ نے آنے والی اسلامی نسلوں کو یہ غائبانہ حکم صادر فرمایا کہ انھیں دور اول کے صحابہ کی پیروی کرنی چاہیے۔

الفاظ رسول کریمؐ یہ ہیں :

> میرے بعد تم میں سے جو کوئی بھی زندہ رہا' تو بڑا اختلاف دیکھے گا پس اس وقت نئی نئی باتوں سے بچنا کیونکہ وہ گمراہی ہے۔ پس جو کوئی تم میں سے یہ (پرآشوب و پرفتن اختلافات) زمانہ پائے تو اس پر یہ لازم (یعنی فرض) ہے کہ میری سنت اور خلفائے راشدین ہدایت یاب کی سنت کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لے(۷)۔

پھر ایک مقام پر ارشاد فرمایا کہ :

> میری امت پر وہ وقت ضرور آئے گا جو بنی اسرائیل (یعنی یہودیوں) پر آیا تھا' جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے (بالکل اسی طرح) مدعیان اسلام بھی یہودیوں کے برابر ہو جائیں گے) یہاں تک کہ اگر ان (یہودیوں) میں سے کوئی (فاسق) اپنی ماں کے پاس (زنا کرنے کے لیے) علانیہ آیا ہو گا' تو ضرور میری امت میں سے بھی کوئی ایسا شخص پیدا ہو گا جو ایسا کام کرے گا (گویا یہ مثال ہے کہ ان کا ایک جیسا کفر و الحلو ہو جائے گا) اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں' اور میری امت (ٹوٹ پھوٹ کر) تہتر گروہوں میں بٹ جائے گی جو سب کے سب دوزخی ہوں گے سوائے ایک ملت کے (کہ وہ ناجی ہو گی)

صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ وہ کون ہوں گے؟ (یعنی اس نجات یافتہ جماعت کی تعریف کیا ہے؟ آپ نے فرمایا (وہ لوگ اس روش پر ہوں گے) جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں(۸)

پھر رسول پاکؐ نے اپنی اور صحابہ کی صراط مستقیم کی تعریف بھی کر دی کہ وہ جماعتی نظام کے ماتحت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرنا ہے۔ چنانچہ الفاظ نبویؐ یہ ہیں۔

آگاہ ہو جاؤ تم سے پہلے اہل کتاب کے بہتر فرقے ہو گئے اور اس ملت (اسلامیہ) کے لوگ تہتر فرقوں میں ٹکڑے ہو جائیں گے۔ (گویا گمراہ ہو جائیں گے) ان میں سے بہترتو جہنمی ہوں گے اور ایک جنتی ہو گا اور وہ (ناجی گروہ) جماعت والے ہوں گے۔(۹)

اس حدیث نبوی میں ناجی فرقہ کی تعریف لفظ جماعت سے کی گئی ہے کہ وہ ایک جماعتی نظام سے وابستہ ہوں گے اب دیکھنا یہ ہے کہ اوپر حدیث نمبر۱۱۷ میں جن خلفائے راشدین کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے انہوں نے لفظ جماعت کی تعریف و تشریح کیا کی ہے۔

چنانچہ حضرت فاروق اعظم محدث اسلامؓ کا فرمان واجب الاذعان ہے کہ "اسلام" بغیر جماعت کے کچھ (حقیقت و مقبولیت) نہیں، (رکھتا) اور "جماعت" بلا امارت (یعنی زندہ امیر) کے نہیں ہوتی۔ اور "امارت" اطاعت و فرمانبرداری کے سوا نہیں ہوتی (یعنی اطاعت امیر ضروری ہے(۱۰)

ان احادیث کی جامع و کامل تشریح تو کتاب الاعمال باب الجماعت میں ملے گی لیکن مختصراً یہ بتا دینا از بس ضروری ہے کہ ان سے شارع علیہ السلام کی مراد کیا ہے یعنی صدر اول کے اسلام کے بعد جماعت اسلامیہ کی صحیح تعریف کیا ہو سکتی ہے جس سے منسلک رہ کر ہی نجات مل سکتی ہے۔

(۱) پس اول مطلب یہ ہے کہ بدعات و منکرات و تفرق و اختلافات کے زمانہ میں ایمان و اسلام کے تحفظ و بقا کے لیے وہی اصول و قواعد اختیار کرنے چاہئے جو صحابہ کبار کے تھے یعنی یہ کہ انہوں نے اسلام کو مجموعہ اعتقادات قرار دیا تھا یا حسن عمل و اخلاق کو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے نزدیک قرآن مجید کے

مطابق اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ ہی کا نام ایمان و اسلام ہے جیسا کہ اوپر بالوضاحت و بالتفصیل ثابت کیا جا چکا ہے۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان کے فرقہ کا نام کیا تھا آج کل کی طرح مختلف بدعتی ناموں سے پکارے جاتے تھے یا صرف مسلمان کہلاتے تھے؟ اس کا تسلی بخش جواب یہ ہے کہ وہ کسی غیر مشروع و خلاف قرآن نام سے نہیں پکارے جاتے تھے' بلکہ صرف قرآنی نام مسلم یا مسلمان ہی کو اپنا فخر سمجھتے تھے اور ان کی جماعت جماعت اسلامیہ کہلاتی تھی۔

(۳) تیسرا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک صحیح اسلامی زندگی کی تعریف کیا ہے آیا وہ آج کل کی طرح انفرادی و غیر منظم زندگی کو اسلام سمجھتے تھے یا ایک امیر کے ماتحت رہ کر نظام جماعت کو مستحکم کرنے کا نام اسلام و ایمان تھا؟ اس کا جواب فاروق اعظمؓ کے فرمان سے ابھی اوپر دیا گیا ہے کہ اسلام صرف جماعتی نظام یعنی ایک امیر کے ماتحت کتاب و سنت پر عمل کرتے ہوئے اخلاق حسنہ کا نام ہے۔ اور بس

آمدم بر سر مطلب

پس جس طرح ابتداء اسلام میں قرون اولی کی جماعت اسلامیہ نے تیرہ و تاریک دور ظلم و عدوان اور شروفتن سے پر زمانہ جاہلیت و عہد و کفر و الحاد میں دین فطرت و حقائق اسلام کی عملاً و اخلاقاً" تبلیغ و اشاعت کی' اسی طرح موجودہ فسق و فجور کے دور اور سرکشی و بغاوت حق کے ماحول میں اس جماعت اسلامیہ نے قرآن و احادیث صحیحہ کی روشنی میں صحابہ کبار کے تتبع میں صحیح و خالص اسلام اولی کے حقائق عمل و صلاح اور اصول تقویٰ و اخلاق حسنہ کو منضبط کر کے نام نہاد مسلمانوں' خشک اعتقادات کے قیدیوں کا غلط رویہ مسافروں کے آگے بشارات نجات اور پیغامات ہدایت سنانے کا مصمم و مکمل ارادہ کیا ہے' اور ہر وہ عقیدہ جو اسلامی عمارت کو پختہ کرنے کے بجائے کمزور اور متزلزل کرتا ہو یا مانع اطاعت و موجب سستی

و کاہلی ہو' اس کے خلاف عملاً و تحریراً جہاد کر کے ان اصول و قواعد کو پیش کرنا ہے جو بواعث عمل کی سخت ضربوں نے پاش پاش کیا تھا' اور اب بھی بد عملی و غفلت کے پردوں کو ویسے ہی سخت اور امر عمل و اخلاق کی ضربیں کار آمد ہو سکتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو حالت کفر و الحاد اس وقت تھی بالکل اسی طرح یا بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہلاکت انگیز و شرو فساد پرور ماحول اب کا ہے اگر اس وقت کے فساق نے اپنے کسی علاقہ میں قتل و غارت گری کی ابتدائی تخم ریزی کی تھی' تو اس وقت کے مدعیان ایمان نے اس کو انتہائی ترقی دے کر ایک بازار گرم کر رکھا ہے۔ اگر اس وقت کے لوطیوں نے لواطت اور زنا جیسے انسانیت سوز افعال شنیعہ کی داغ بیل ڈالی تھی تو اس وقت کا ذب مدعیان حقیقت و عصمت نے ان کو وہ انتہائی و حیرت انگیز عروج دیا ہے کہ لوطیوں کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے ۔ اگر اس وقت کے یہودی ملعونوں نے وقت کے انبیائے کرام کو قتل عام کرنا اس لیے شروع کیا تھا کہ اکثر دفعہ ان کی رسالت و نبوت پر یقین نہ تھا۔ تو اس وقت کے پیرو ان یہود مدعیان اسلام نے اپنے نبی کو بر حق جان کر اس کی معصوم آل کو اپنے ہاتھوں ذبح کیا۔ اگر اس وقت کے اہل کتاب نے بہتر فرقوں میں تقسیم ہو کر اپنی کتاب میں تحریف و تاویل کرنی شروع کر دی تھی تو اس وقت کے حفاظ قرآن ٹھیکہ واران جنت نے اپنے ایک اسلام کو تہتر فرقوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے امت واحدہ کی اجتماعی طاقت کو برباد کرتے ہوئے ہر قسم کی تاویل و تحریف کے دروازے کھول دیئے' ایسے دروازے کہ جن کا انسداد کرنا طاقت بشری سے باہر ہے۔

گویا موجودہ جرائم و ضلالت کسی بھی صورت قرون ماضیہ سے کم نہیں بلکہ حقیقت میں ان کی گمراہی ۲۷ ڈگری کی تھی تو ان کی ۷۲ تک پہنچ چکی ہے' ان کی سرکشی تکذیب کے پردے میں تھی تو انکی تصدیق کے علانیہ اسٹیج پر ہے۔ یا یوں سمجھنا چاہیے کہ انہوں نے کسی نبی کی رسالت پر ایمان لاتے ہوئے کبھی ایسا نہیں کیا۔ کہ ان کی آل و اولاد کو قتل کیا ہو' سوائے اس کے کہ میدان جہاد سے بھاگ نکلے۔ مگر موجودہ محبان اسلام نے ایمان لا کر اپنے رسول پاک کی اولاد کو بھوکا پیاسا رکھ کر اپنے ہاتھوں ذبح کیا' اور اسلامی جہاد اخلاق و تبلیغ کو مطلق چھوڑ دیا۔

الغرض اگر اس وقت کے حالات کا یہ تقاضا تھا کہ ان میں ایک سچی و مخلص بندگان حق

کی جماعت اسلامیہ بن کر از سر نو دعوت انسانیت و شرافت دے' تو اس وقت کے بد ترین ماحول میں بدرجہ اولیٰ ایک خالص مومنین قانتین کی جماعت اسلامیہ بنی چاہیے جو پھر سے اسلامی اخلاق و اعمال کی دعوت اس طور سے دے کہ جو اس کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس کے سر مو خلاف کرنے کی جرات نہ کر سکے' اور نام نہاد مسلمانوں کو یہ سمجھائے کہ اسلام اور مسلم کے صحیح قرآنی معنی کیا ہیں۔ تاکہ یا صحیح مسلمان بن کر رہیں یا اس پاک و مقدس اور مجموعہ اعمال و اخلاق دین کو اپنے ناپاک وفاسقانہ دجود سے پاک کر جائیں۔

پس موجودہ جماعت اسلامیہ ہی اغراض و مقاصد کی بنا پر اٹھی ہے اور تکمیل اعمال حسنہ و اتمام اخلاق فاضلہ کی خاطر چند ایسے اصول یا قواعد و ضوابط منضبط کیے ہیں کی جن کی ابتدائی مشق سے انسان پورا اور پکا مسلم صادق بن سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔

فہرست کتاب الایمانیات

(۱) حقیقت ایمان باللہ
(۲) حقیقت ایمان بالملئکتہ
(۳) حقیقت ایمان بالکتب
(۴) حقیقت ایمان بالرسل
(۵) حقیقت ایمان بالیوم الآخر
(٦) حقیقت ایمان بالقدر

فہرست کتاب الاحکام و الاعمال

قابل ترک افعال سیئہ	لائق اختیار اعمال حسنہ
۱۔ غیر الٰہی قانون تسلیم کرنا	جماعتی زندگی
۲۔ سود خواری	ایفائے عہد

۳۔ زنا و اغلام	اقامت نماز
۴۔ چوری و اکل حرام	ایتائے زکوۃ
۵۔ جھوٹ	تبلیغ و اشاعت

یہ کل دس اصول ہوتے ہیں' لیکن دوسرے پہلو سے بیس ہوتے ہیں کیونکہ ہر ایک اصول دو پہلو رکھتا ہے' ایک سلبی دوسرا ایجابی۔ مثلاً جھوٹ ترک کر کے سچ اختیار کرنا۔ یا زنا و لواطت ترک کر کے عفت و پاک دامنی اختیار کرنا۔ یا انفرادی زندگی ترک کر کے جماعتی زندگی اختیار کرنا علی ہذ القیاس اس صورت میں بیس اصول ہوتے ہیں۔

پس ان اصولوں کی تعمیل کرنا ہر اس شخص پر لازم و واجب ہے جو جماعت اسلامیہ کا فرد بن کر جماعت میں رہنا چاہتا ہو' گویا ابتداء سے ہی ان کی پابندی نہایت سختی کے ساتھ کرنی ہو گی۔

لیکن اس سے پہلے کہ کوئی شخص فرد جماعت بنے اس پر یہ فرض ہو گا کہ ان اصولوں کی صحیح ماہیت و حقیقت سمجھ لے۔ کیونکہ اسلام قبول کرنے کے لیے یہ بہت ضروری امر ہے کہ کتاب الیقینات کے تمام ابواب و فصول کو کما حقہ' سمجھ لیا جائے۔ ہماری جماعت اسلامیہ کا یہ دعویٰ ہے کہ جو شخص ان کو صحیح معنوں میں سمجھ لے گا تو ناممکن ہے کہ وہ حق سے باغی اور نافرمان رہ کر نفس و شیطان کا بندہ بنا رہے۔ کو صحیح معنوں میں بندہ حق بننے کے لیے یہی کافی ہے کہ حقیقی ایمان و یقین کو سمجھ لیا جاوے۔ دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ قرون اولے کے بعد کسی جماعت نے ان کی صحیح حقیقت واضح نہیں کی' اور نہ خود کوئی سمجھ سکا۔ الاماشاء اللہ اگر کسی بندہ حق نے ان کو کما حقہ' سمجھا بھی ہو تو آج ان کی کوئی تحریر ایسی نہیں ملتی کہ جس سے یہ مطلب لیا جاوے کہ واقعی اسلام کی صحیح عملی و اخلاقی تصویر یہ ہے' آج تک جس قدر کتب اور تفاسیر و احادیث ہم تک پہنچتی رہی ہیں وہ سب کی سب بلا استثناء حقیقت عمل و روح اخلاق سے خالی اور مرقع اعتقادات ہیں۔ موجودہ فسق و فجور اور ظلم و عدوان' حق سے بغاوت و سرکشی وغیرہ وغیرہ سب اسی لیے ہے کہ قرون اولیٰ کے بعد اسلام کا صحیح مفہوم سوائے معدودے چند ہستیوں کے کسی نے نہیں سمجھایا' جس کتاب اور جس حدیث بلکہ جس آیت قرآن کی تفسیر دیکھی تو اس میں صرف یہی ثابت کیا گیا کہ ایمان چند

اعتقادات کا نام ہے اور بالآخر گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد نجات کا دار و مدار بھی ان ہی اعتقادات پر ہے اور یہ کہ ایمان و عمل دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شخص نے اسلام صرف کلمہ پڑھ لینے کو سمجھ لیا ہے جس کے بعد نفس کش احکام و اوامر کی پابندی کو تکمیل ایمان میں سے سمجھا گیا' ورنہ بغیر احکام کی پابندی کے بھی ایمان و نجات کا حق خواہ مخواہ حاصل ہے۔ آج تک اسلام و ایمان کی حقیقت اسی صورت میں پیش کی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ ہمارا یہ دعویٰ کلیتہ" صحیح نہ ہو' کیونکہ حق تعالٰی نے اسلام کو اپنے صحیح خادموں اور بااخلاق جانبازوں سے کبھی خالی نہیں چھوڑا' اور بسا اوقات حقیقت شناس بندگان حق پیدا ہوتے رہے' لیکن اعتقادی جم غفیر نے ان کی ایک نہ سنی' نہ صرف یہی بلکہ ان کی تعلیمات اخلاق و عمل کو نیست و نابود کر دینے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ان سعید روحوں کی پاکیزہ تعلیم ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اپنے دل کا دکھڑا اوپر کے الفاظ میں رویا ہے۔ ورنہ ہمیں بزرگان سلف سے کوئی ذاتی بیر نہیں' اور نہ اس کی خدائے قادر ہمیں توفیق دے۔ لیکن مشہور ہے کہ "حکم الاکثر لکل" اس واسطے اکثریت کے پیش نظر ہم نے مافی الضمیر کا اظہار کر دیا' علاوہ ازیں جن بزرگان دین" نے اخلاق و عمل کو ایک خاص درجہ ایمان و نجات دیا ہے ہم ان کے تہہ دل سے مشکور و ممنون بلکہ کفش بردار خادم دعاگو ہیں کہ پروردگار عالم اول ان کو اور پھر ہم کو مغفرت نصیب کرے۔ آمین۔

الغرض کافی عرصہ کے بعد پھر سے موجودہ جماعت اسلامیہ نے مروجہ اسلام کی بد نما و ناقابل دید شکل کا تعارف کرا کر صحیح اسلام کی معصوم و بااخلاق اور دلاویز حسن و جمال کو جلوہ گر کر دیا ہے اور حقیقت ایمان و یقین کے ہر ایک دل کش پہلو کو نمودار کر کے پھر سے عشاق حقیقت و محبان اخلاق و عمل کو ان کی مفقودہ محبوبہ صدق و فطرت سے ہم آغوش کرنے کی مساعی جمیلہ سے کام لیا ہے۔

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہے دیکھنا تو دیدہ دل واکرے کوئی

لیکن جماعت اسلامیہ کا ممبر بننے کے لیے صرف دس احکام یا اصولوں کی پابندی ہی

ضروری نہیں، اور نہ ہی صرف ان احکام کے مجموعہ کا نام مکمل اسلام ہے۔

غلط فہمی اسی میں ہی نہ الجھا دے کہیں تجھ کو
کہ یہ راہ محبت ہے مقام دل کا کیا کہنا

بلکہ یہ اصول ابتدائی طور پر برائے تعمیل پیش کیے جائیں گے لیکن جب کوئی شخص ان کو تسلیم کر کے جماعت میں شامل ہو گیا۔ تو چند ماہ کے اندر اندر تمام اسلام اعمال و اخلاق کا خود بخود حامل ہو جائے گا۔ تقاضائے بشریت وہ گناہوں سے بالکل پاک تو نہیں رہ سکتا، لیکن یہ بہت یقینی امر ہے کہ کوئی گناہ بالاصرار نہیں کیا جا سکے گا

اس امر کی صداقت کا فیصلہ ہر وہ محقق و متدین شخص باآسانی کر لے گا جو نہایت قلبی صفائی کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کر لے اور بس۔

گلزار ہست بود نہ بیگانہ وار دیکھ
ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ
گاہے گاہے باز خوان ایں دفتر پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گرد اغہائے سینہ را

اخلاقی امراض کے اسباب، اور ان کا صحیح و کامل علاج

یوں تو ہر ایک گناہ و جرم کے کئی اسباب اور علاج تلاش کیے جا سکتے ہیں مگر ہم صرف دو ہی اسباب کو وقعت دیتے ہیں۔

ایک یہ کہ اسلام کو اپنی اصلی دل کشی صورت میں نہ دیکھنا، اور نہ سمجھنا، دوسرا یہ کہ بری سوسائٹی اختیار کی جائے۔

جن لوگوں نے اسلام کی عملی حقیقت کو بگاڑ کر اپنی خواہش کے مطابق اعتقادات کے آسان و نفس پرور سانچوں میں ڈھال رکھا ہے وہ کسی بھی وقت اخلاق اسلامی کی مقدس و ارفع سطح پر نہیں پہنچ سکتے، اس لیے ان کے قول و عمل پر بھی کسی وقت کامل بھروسہ نہیں کر لینا چاہیے، ورنہ ندامت و پشیمانی لاحق ہو گی مثلاً ایک شخص کے نزدیک مذہباً"

مصلحتی جھوٹ کہنا جائز ہے تو ایسے شخص پر کسی اہم اور خاص معاملہ میں اعتبار کر کے شہادت نہیں دلوانی چاہیے۔

کیونکہ شہادت یقین کے بعد فیصلہ کے لیے ہوا کرتی ہے تو جب وہ پہلے سے ہی مصلحتاً" جھوٹ کے جواز کا قائل ہے' اس لیے وہ یہاں بھی کسی نفسانی خواہش کو مذہبی مصلحت کا خوش نمالباس پہنا کر جھوٹی شہادت دے سکتا ہے تو جب اس کی شہادت پر یقین کامل ہی نہ رہا تو اس کے مطابق حق و باطل یا جائز و ناجائز ہونے کا فیصلہ کرنا صرف یہ کہ دانائی اور انصاف نہیں' بلکہ دین فروشی و حق کشی ہے۔

یا مثلاً ایک شخص کا اعتقاد ہے کہ اگر چوری یا زنا وغیرہ کیا جائے تو اس سے ایمان جاتا نہیں رہتا' کیونکہ (اس کے نزدیک) ایمان و عمل دو چیزیں ہیں' ایمان چند اعتقادات کا نام ہے اور چوری و زنا اعتقادی چیزیں نہیں' عملی و اخلاقی ہیں' اس لیے ایسی بد عملی کر لینا گناہ ضرور ہے مگر منافی ایمان و اسلام نہیں' علی ھذالقیاس بہت سے امور میں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

پس جب اعتقادی لوگوں نے اسلام و ایمان کو عملی و اخلاقی لباس فاخرہ سے ہی برہنہ کر رکھا ہے تو اگر وہ خود اخلاق و حسن عمل سے برہنگی اختیار کر لیں تو کیا عجب ہے؟ لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ بد اخلاقی و بد عملی ہونے میں حقیقت اسلام سے ناآشنا ہونے کو خاص دخل ہے۔

دوسرا سبب بری سوسائٹی کا اختیار کرنا ہے یہ بھی اس قدر واضح حقیقت ہے کہ اس سے کوئی بھی صاحب علم و نظر انکار نہیں کر سکتا۔ مشہور ہے کہ

صحبت طالع ترا طالع کند
صحبت صالح ترا صالح کند

یہ ایک ایسا شریں اور نامحسوس زہر ہے کہ اس سے اچھے اچھے شریف النسب اور باشعور انسان بھی غیر معلوم طور پر ہلاک ہو جاتے ہیں' اور جب وہ انتہائی درجہ تک پہنچ جاتے ہیں تو پھر اس کا کوئی علاج نہیں رہتا۔ کیونکہ اس کا علاج ہی یہ ہے کہ ایسی سوسائٹی سے پرہیز کیا جاوے جو اسلامی اخلاق سے ناواقف ہے اور نہ حامل۔ تو پرہیز و اجتناب کرنا ہی

مشکل تر ہو جاتا ہے کیونکہ آپس میں تعلقات جب بڑھ جاتے ہیں اور ایک سے ایک محبت و الفت کرنے لگتا ہے تو پھر قطع تعلق کرنا بہت دشوار تر ہو جاتا ہے پھر جو افعال اور جیسی حرکات' سوسائٹی کے اکثر افراد کی ہوتی ہے وہی قلیل میں بھی حلول کر جاتی ہیں۔ مگر شعور تک نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس مرحلے سے ہم سب کو نجات دے۔ آمین

یہی وجہ ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام جیسے اولو العزم پیغمبر کا بیٹا بد اخلاق اور بد عمل ہو گیا۔ اور احساس تک نہ ہوا۔ کسی نے کیا خوب نقشہ کھینچا ہے۔

پسر نوح با بداں بنشست خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاب کہف روز چندپئے نیکاں گرفت مردم شد

کیونکہ مدت مدید کے گزر جانے پر اسلامی ضمیر مر جاتا ہے روح فنا ہو جاتی ہے' ذہنیت مسخ ہو کر دوسرا رنگ لے لیتی ہے' جس کے بعد نیکی و بدی' حق و باطل' شرافت و دنائیت کا امتیاز مطلق نہیں ہوتا۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

بعض لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگر بری سوسائٹیوں میں نشست و برخاست نہ کی جائے تو ان کی اصلاح کیونکر ہو سکتی ہے۔

جواب

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے وہ بہت صحیح ہے' مگر غلطی یہ ہو جاتی ہے کہ وہ یہ نہیں سمجھ سکتے کہ اس سوسائٹی کو بااخلاق بنانیکی صلاحیت و لیاقت کسی میں ہے۔ پس اس کو نہ سمجھ کر ان میں گھل مل کر بجائے اصلاح کرنے کے خود کو فنا کر بیٹھتے ہیں۔ یہ طاقت کسی کسی میں ہوا کرتی ہے۔ کہ یا تن تنہا ساری مجلس میں انقلاب پیدا کر کے اسلامی و فطری رنگ چڑھا دے' ورنہ بصورت دیگر اپنے آپ کو بچا کر صحیح و سلامت واپس آ جائے۔

چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نئی دلبر اخطا اینجا است

علاج اور لفظ اسلام کے معنی

اخلاقی و عملی امراض کا پہلا علاج لفظ "اسلام" اور لفظ "مسلم" کو صحیح طور سے سمجھ کر ذہن نشین کرنا ہے۔

اسلام کا مادہ لفظ "مسلم" ہے جو باختلاف حرکات مختلف اشکال میں آکر مختلف معانی پیدا کرتا ہے لیکن لغت کہتا ہے کہ "سلم (بفتحتین) اور "اسلام" کے معنی کسی چیز کے سونپ دینے' طاعت و انقیاد اور گردن جھکا دینے کے ہیں۔ اسی سے "تسلیم" بمعنی سونپ دینے کے اور "استسلم" (ای انقاد و اطاعت) آتا ہے۔ اور فی الحقیقت لفظ "اسلام" بھی انہی معانی پر مشتمل ہے۔ قرآن کریم میں ان معانی کے شواہد اس کثرت سے ہیں کہ ایک مختصر مضمون میں سب کا استقصا ممکن نہیں' تاہم ایک دو آیتوں پر نظر ڈالئے تو یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ مثلاً احکام طلاق کی آیات میں ایک موقع پر فرمایا ہے کہ

اگر تم چاہو کہ اپنے بچے کو (کسی دایہ سے) دودھ پلواؤ تو اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں' بشرطیکہ (دستور کے مطابق ان کی ماؤں کو) ہو جو کچھ دینا کیا تھا وہ ان کے (سلمتم) "حوالہ کر دو" (قرآن) اس آیت میں "سلمتم" حوالہ کر دینے کے معنی میں صاف ہے۔ اسی طرح بمعنی اطاعت و انقیاد اور گردن نہادن کے بیسیوں جگہ فرمایا ہے مثلاً۔

اس آسمان و زمین میں کوئی نہیں جو چار و ناچار دین الہی کا حکم بردار اور مطیع و منقاد نہ ہو۔

(قرآن پارہ ۳ سورۃ آل عمران رکوع ۹)

اور یہ جو عرب کے دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ تو ان سے کہہ دے کہ تم ابھی ایمان نہیں لائے۔ البتہ یوں کہو کہ ہم نے اس دین کو مان لیا ہے۔(۱۱)

(قرآن پارہ ۲۶ سورۃ الحجرات رکوع ۲)

ہر شے کی اصلی حقیقت وہی ہو سکتی ہے جو اس کے نام کے اندر موجود ہو۔ دین الٰہی کی حقیقت لفظ "اسلام" کے معنی میں پوشیدہ ہے۔ لفظ "اسلام" کے معنی اطاعت، انقیاد، گردن نہادن، اور کسی چیز کے حوالہ کر دینے کے ہیں۔ پس اسلام کی حقیقت بھی یہی ہے کہ "انسان اپنے پاس جو کچھ رکھتا ہے، خدا کے حوالے کر دے۔ اس کی تمام قوتیں، اس کی تمام خواہشیں اس کے تمام جذبات، اس کی تمام محبوبات، غرض یہ کہ سر کے بالوں کی جڑ سے لے کر پاؤں کے انگوٹھے تک، جو کچھ اس کے اندر ہے اور جو کچھ اپنے سے باہر اپنے پاس رکھتا ہے، سب کچھ ایک لینے والے کے سپرد کر دے، وہ اپنے تمام قوائے جسمانی و دماغی کے ساتھ خدا کے آگے جھک جائے، اور ایک مرتبہ ہر طرف سے منقطع ہو کر، اور اپنے تمام رشتوں کو توڑ کر، اس طرح (احکام الٰہی کے آگے) گردن رکھ دے، کہ پھر کبھی نہ اٹھے، نفس کی حکومت سے باغی ہو جائے، اور احکام الٰہیہ کا مطیع و منقاد"(۱۲)

لفظ "مسلم" کے معنی

جو نفوس قدسیہ، نفس و شیطان کے تسلط کی زنجیریں توڑ کر "حقیقت اسلامیہ" کی محویت و خود فروشی کے مقام کو اپنے اوپر طاری کر لیتے ہیں۔ یعنی اپنی تمام قوتوں، اور خواہشوں، کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بک جاتے ہیں۔ اور ہر طرف سے گردن موڑ کر صرف اسی قبلہ ارواح و کعبہ قلوب کے آگے منہ کر لیتے ہیں تو پھر وہ "مسلم" ہوتے ہیں۔ اور "اسلام" کے معنی گردن کے رکھ دینے، حوالہ کر دینے، اور جھکا دینے کے ہیں۔"(۱۳)

غرض یہ کہ

خاموشی، سکون، خلوت نشینی، اور منفردانہ زندگی، اسلام نہیں۔ اسلام جدوجہد، سعی و عمل، اور سرگرمی ہے، وہ موت نہیں حیات ہے اس کا فرمان یہ ہے کہ

"انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے کوشش کی۔"

(قرآن پارہ ۲۷ سورۃ النجم رکوع ۳)

"ہر ایک نفس اپنے کسب و عمل میں رہن ہو چکا ہے۔" (قرآن پارہ ۲۹ سورۃ المدثر رکوع ۱) ——— ایمان (یعنی صحیح و کامل اعتقادات) اور اس کے مطابق عمل صالح یہی اسلام ہے' اسلام عمل ہے ترک عمل نہیں ' ادائے واجبات ہے عدم واجبات نہیں لوائے فرض ہے ترک فرض نہیں۔(۱۴)

بتائے کیا انہیں حافظ رموز دین عمل
کہ جن کے ہاتھ فقط رہ گئے دعا کے لیے

ہم کہتے ہیں کہ اسلام و ایمان قرآن مجید و احادیث رسول پر دل و جان اور زبان و اعضا و قویٰ' اور تمام کائنات جسم کے مطابق اعمال صالحہ اور کامل فرماں برداری کا نام ہے' قرآن مجید نے فضول و بے نتیجہ اعتقاد کو کہیں نام تک کے ساتھ پیش نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جس شخص کے اعمال و اخلاق احکام خدا و رسول کے مطابق ہوں وہی کامل و اکمل مومن و مسلم اور مستحق نجات و لائق جنت ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ "اسلام" حکومت الہیہ کے محکمہ فوج و پولیس کے کامل نظام زندگی کا نام ہے۔ اور جو شخص اپنی کامل فکر و شعور کے ساتھ اس میں بھرتی ہو کر ہر قسم کے قانون کو ہر موقع و محل پر عمل جامہ پہناتے ہوئے فوجیوں کی طرح ہر قسم کی شخصی و ذاتی اختیارات سے دست بردار ہوتے ہوئے کامل طور پر مطیع و فرمانبردار ہو جائے۔ بلکہ علاوہ ازیں قلبی رجحانات و نفسانی خواہشات کو بھی اپنے معبود حقیقی کی مرضی کے مطابق ڈھال لے تو اس کا نام "مسلم" یا "مومن رکھا جائے گا۔

گویا "اسلام" ایک ایسے روحانی کسب کا نام ہے جس کے اثرات بالضرور اجسام و ابدان انسانیہ پر پڑ جاتے ہیں' پس جس بندہ حق کے اندرون قلب و جگر سے لے کر ظاہری و اعضاو قوائے پر من کل الوجوہ یہ تاثرات بصورت تعبدو تذلیل برائے حق طاری و ساری ہو جائیں تو اس کو "مسلم" ہونے کا خطاب دیا جا سکتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر یہ لاثانی خطاب اس شخص کو مل سکتا ہے جو خدائی فن عبودیت وللہی رسم و راہ غلامی کا ماہر ہو۔

ٹھیک ٹھیک اس کی مثال ایسی ہے جیسے نظام عالم فانی میں مختلف محکمے اور ان گنت شعبے

ہیں' کہ ان میں ہر ایک شعبے اور ہر ایک محکمے' اور ہر ایک فن کے ماہر کو اپنے خاص صفاتی نام سے پکارا جاتا ہے۔ مثلاً کسی کو ہیڈ کلرک کسی کو اکاؤنٹنٹ' اور کسی کو ڈاکٹر' اور کسی کو سائنس ماسٹر' اور کسی کو انجینئر اور کسی کو فوجی جرنل' اور کسی کو پولیس کپتان' کہا جاتا ہے' بالکل اسی طرح جو شخص اپنے خالق حقیقی و معبود بر حق اور رب العالمین کی غلامی و محکومی کا طوق اپنے گلے میں ڈال کر شب و روز زندگی بسر کرتا ہوا شہرت پذیر ہو جائے کہ فلاں شخص خدائے واحد کا صحیح متقی و مطیع بندہ ہو چکا ہے (بشرط یہ کہ شہرت ریاکارانہ نہ ہو' بلکہ بلا ارادہ و از خود اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ کی تزئین و تزکیہ سے مل جائے" جس طرح اسلاف امت کو ملا کرتی تھی) تو اس کو دین اسلام میں مسلمان کہا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

بلکہ یہاں تک کہ اطاعت حق کا جذبہ دل پر بھی ایسا قابض و حاکم ہو جائے کہ اس میں بھی دم بھر کے لیے قانون الٰہی کی مخالفت کا خیال نہ آئے۔ یعنی ایسا خیال جو جاگزیں ہو کر مشتہیات نفس کے لیے للچاتے ہوئے صبر آزما و نفس کش امور پر قدرے پشیمان ہو جائے کہ یہ کیا پابندیاں ہیں؟ (العیاذ باللہ) کیونکہ خدائے تعالٰی جان و جسم کے علاوہ مسلمان کے قلب و روح پر بھی قبضہ کرنا چاہتا ہے۔

پس یہی وہ فرق ہے جو سلطنت انسانیہ اور حکومت الٰہیہ کو نمایاں کرتا ہے کیونکہ جسم و اعضاء پر تو تمام انسانی سلطنتوں کا قبضہ ہو ہی جاتا ہے' اور اگر نہیں ہوتا یا نہیں ہو سکتا تو وہ صرف ایک مطلق العنان دل ہے۔ لیکن بخلاف اس کے اسلامی حکومت ہی ایک ایسی قوت جاذبہ ہے جو قلب انسانی پر بھی قابض و حاکم ہو جایا کرتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ فرد مسلم کا دل بھی فاسد اور بیہودہ خیالات سے ایسا پاک و مجلّے ہو جانا چاہیے کہ اس کی صفائی و نفاست کا عکس پر نور تمام کائنات جسم و جان پر طاری ہو جائے۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
میبرد ہر جاکہ خاطر خواہ اوست

قرآن کی دعوت عمل میں ایسے ہی شخص کے اعتقادات بغیر کسی کے ذکر و رد کے تسلیم و قبول کیے گئے ہیں' اور بر عکس اس کے مجرد اعتقادات کی حیثیت بالکل شیطان ابلیس کے

اعتقادات کے مساوی ہے کہ صرف اعتقادات ہی اعتقادات ہیں' اور عمل و اطاعت نہیں۔

کاش! کہ جن لوگوں نے صرف کلمہ طیبہ پڑھ لینے کا نام اسلام رکھا ہے وہ پھر سے اپنے اس نظریہ پر نظرثانی کریں' تاکہ حقیقت آشکارا ہو جائے اور اسلام و ایمان اپنا اصلی جلوہ حسن دکھانے لگے جس کو دیکھتے ہی ہر ایک محقق و فطرت شناس انسان عاشق زار بن جائے۔

پس جس شخص نے اسلام کی حقیقت اس طور سے ذہن نشین کر لی جس طرح اوپر بیان کی گئی ہے وہ یقیناً ہر قسم کی بد عملی و بداخلاقی اور نافرمانی حق سے بچ کر اخلاقی زندگی بسر کر سکتا ہے اور ایسے ہی لوگ اس قسم کے مسلمان ہو سکتے ہیں۔ جن کے نہ صرف شر سے دنیا کو صحیح امن حاصل ہو سکتا ہے (بلکہ ان کے وجود سعود کو باعث صد راحت و تسکین قلب سمجھا جا سکتا ہے۔ اور جیسے کہ قرون اولی میں ایسا دور طمانیت ساکنین زمین پر نہایت تزک و احتشام سے گزر چکا ہے) ورنہ ناممکن ہے کیونکہ اسلام ہی ایک ایسا فطری مذہب ہے جو فطرت انسانی کی تمام ضروریات کو ملحوظ رکھ کر نیکی اور بدی اور ہر قسم کی مفید و مضر نشیب و فراز سے آگاہ کرتا رہتا ہے' تاکہ نسل انسانی مقصود و مطلوب پانے میں ناقابل برداشت مصائب و آلام سے دور ہو جانا نہ پڑے۔

لہٰذا جس نے اس کو صحیح طور سے سمجھ لیا اس نے اپنی فطرت کو سمجھ لیا' اور جس نے اس سے علماً" و عملاً رو گردانی کی اس نے اپنے تئیں ہلاک و برباد کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ بد عملی و بد اخلاقی کو چونکہ وہ ضروریات فطرت انسانی کو پامال کرتی ہے اسلام نے منافی ایمان قرار دیا ہے جیسا کہ رسول کریم معلم اخلاق کا اعلان واجب الاذعان ہے کہ

> طعن کرنے والا اور (خواہ مخواہ) لعنت کرنے والا' اور فحش کام کرنے والا بیہودہ باتیں کرنے والا مومن نہیں ہے۔(۱۵)

اور ارشاد فرمایا کہ

> "مسلم" وہ شخص ہو سکتا ہے جس کی زبان (کی تلخی و جھوٹ و بہتان اور گالی گلوچ وغیرہ) سے دوسرے مسلمان سلامت (اور محفوظ) رہیں اور "مومن" وہ ہے جس سے تمام لوگ اپنے مال اور خون کی بابت امن حاصل کر لیں۔(۱۶)

یہی وہ بہترین لوگ ہیں جن کو اسلام نے اپنے قرب و جوار میں نہایت عزت و افتخار

کے ساتھ رہنے دیا اور ان کے برعکس لوگوں کو بدترین انسان کہا ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے کہ

کیا میں تمہارے بدترین لوگوں میں سے تمہارے بہترین لوگوں کی خبر نہ کروں؟ بہترین تم میں سے وہ لوگ ہیں جن سے بھلائی کی توقع کی جائے اور جن کے شر سے امن حاصل کیا جائے۔ اور تم میں سے بدترین وہ لوگ ہیں جن سے خیر کی امید نہ ہو۔ اور جن کے شر سے لوگ محفوظ نہ ہوں (یعنی نہ کوئی کھٹکا لگا رہے۔ سو یہ خیر اور اسلام نہیں)(۱۷)

پس اسلام و ایمان اور مسلم و مومن کی مختصر سی تعریف یہاں کر دی گئی ہے' اگر زیادہ تفصیل و تشریح دیکھنی ہو تو اسی کتاب میں دوسرے باب میں "حقیقت الایمان و عمل" کے زیر عنوان دیکھ لیجئے۔

علاج دوم

اس سلسلہ میں دوسرا علاج بھی دراصل اول الذکر علاج کی تکمیل ہے گویا جب تک مذکورہ بالا تعریف اسلام کی حامل جماعت سے عملاً الحاق نہ کیا جاوے اس وقت تک مذکورہ بالاعلاج یعنی صرف لفظ "اسلام" کے معنی ذہن نشین کر لینا کوئی مفید نتیجہ بر آمد نہیں کر سکتا' کیونکہ ہر وہ فن جو خالی دل و دماغ میں محفوظ رکھا جائے اور اس پر اس کے مطابق ماحول میں تجربہ بلکہ تکرار نہ کیا جاوے وہ ایک نہ ایک روز دل و دماغ سے محو ہو کر معدوم ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ بہت ضروری امر ہے کہ جو جماعت اسلام اور اخلاق کو اپنی پوری اور کامل خوبیوں کے ساتھ اس طرح پیش کرے جس طرح ان کا حق ہے' اور پھر اسلامی اصول و قواعد اور حسن عمل و اخلاق حسنہ کی عملاً ایسی نگہداشت کرے کہ اس کا جب کوئی فرد اپنے اسلامی اخلاق کے خلاف مرتکب ہو کر حاضر ہو تو اس کو کماحقہ سزا دے کر پھر اس طرح تلقین کرے کہ وہ خود بخود یا تو پوری طرح پابند اور پرہیز گار ہو جائے اور یا جماعت سے خارج ہو جائے ورنہ خارج کر دیا جائے۔

اسلام نے منجملہ دیگر اصول کے دو اور اصول قرار دیئے ہیں۔ ایک ترک دوسرا اختیار' اول الذکر کا مطلب یہ ہے کہ جو ماحول اور لوگ نہ صحیح اسلامی حقیقت سے علمی طور پر واقف ہیں اور نہ عملی حیثیت میں مطیع و فرمانبروار ہیں ان سے یکسر تمام دینی رشتے اور تعلقات منقطع کر دیئے جاویں۔ موخرالذکر کی حقیقت یہ ہے کہ برے ماحول کو چھوڑ کر فوراً ایسے ماحول اور جماعت سے تعلق استوار کیا جاوے جو علمی و عملی اور اخلاقی حیثیت سے کم از کم ایسے اصول و قواعد منضبط کیے ہوئے ہو جس پر انسان چل کر کسی نہ کسی روز صحیح معنوں میں اسلامی اعمال و اخلاق کا حامل اور نمونہ بن سکتا ہو۔ یعنی ایسی جماعت اسلامیہ جس کے نزدیک ایمان و عمل ایک ہو۔ اور پھر اس کے مطابق افراد جماعت کی نہایت سختی کے ساتھ تربیت کر رہی ہو۔ یعنی جو فرد جماعت کسی اخلاقی جرم کا باوجود علم کے مرتکب ہو تو اس کو صحیح طور سے سزا دے' اور اگر وہ سزا سے مفر ہو یا باوجود سزا بار بار مرتکب ہوتا رہے تو اس کے ناپاک وفاسق وجود سے جماعت اسلامیہ کو پاک کر دے کہ یہ اصلی حقیقت اسلام ہے' (اس کی مکمل تشریح آگے باب الکذب میں کی جائے گی)

قرآن مجید نے ایسی ہی جماعت اسلامیہ میں شمولیت کی پرزور دعوت دی ہے مثلاً ارشاد پاک ہے کہ

> اے وہ لوگو! جو (برے ماحول اور بد چلن سوسائٹی کے فسق و فجور سے الگ ہو کر) ایمان لا چکے ہو خدا (تعالیٰ) سے ڈرتے رہو' اور ان لوگوں میں شامل ہو جاؤ جو (قول و عمل سے) سے سچ بولنے والے ہیں۔
>
> (قرآن پارہ ۱۱ سورۃ التوبہ رکوع ۱۵)

یعنی من جملہ دیگر امور اسلام کی پابندی کے ان کی نہایت واضح و روشن علامت یہ ہو کہ وہ جھوٹ کو نہایت نفرت سے دیکھتی ہو اور ہر مقام و ہر آن' حق و صداقت یعنی سچ بولنے کی کماحقہ پابند ہو کر کسی بھی وقت جھوٹ کی مرتکب نہ ہوتی ہو' ایسی جماعت میں شمولیت کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ صحیح اسلامی زندگی کو ثبات و قرار اور دوام اسی صورت میں ہی حاصل ہو سکتا ہے ورنہ ناممکن ہے کہ برے ماحول میں رہ کر اسلام قائم رہ سکے۔ ہجرت و جہاد کی حقیقت میں بھی یہی روح کار فرما ہے۔

اصلاح اخلاق کے پانچ زریں اصول

پس جب ایسی صلوق جماعت اسلامیہ میں شمولیت خدائے قہار سے ڈرتے ہوئے کی جائے تو اس کے بعد علاوہ اسلامی احکام کے مندرجہ ذیل پانچ اصولوں پر عمل کرنا ہو گا جو بواعث صحت اخلاق ہیں۔ مثلاً

(۱) انسان کو کم از کم شریعت کا اتنا علم ہو کہ اوامر و نواہی کو سمجھ سکے' اور پھر جو قدم بھی اٹھائے تو نہایت غورو فکر کے ساتھ اٹھائے کہ کہیں خلاف شرع کوئی لغزش نہ ہو جائے۔ یہ وہ نورانی نسخہ جو ہر اندھیرے میں کامیاب ثابت ہوتا ہے۔

(۲) اپنے راہبر اور استاد سے یہ التجا کرے کہ آپ مجھ میں جو نقص اور عیب یا اخلاقی کمزوری دیکھیں تو بغیر کسی روک ٹوک کے میری اصلاح کر دیجئے یا اگر خود بخود راہنما کوئی اصلاحی مشورہ دے دے تو اس پر ذرہ بھر رنجیدہ نہ ہونا چاہیے۔ ورنہ اصلاح نہ صرف یہ کہ مشکل ہو جائے گی بلکہ بالکل ناممکن ہو گی اس لیے اس اصول میں سر موغفلت و خود بینی اور غرور و تکبر سے کام نہ لینا چاہیے کہ اصلاحی سرزنش کو اپنی شان کے خلاف محسوس کر کے اپنے اوپر اصلاح کا دروازہ ہی بند کر دیا جائے اور در حقیقت رہنما و مرشد کا کسی کو اصلاحی مشورہ یا دانٹ ڈپٹ نہ دینے کا سبب ہی یہی نا عاقبت اندیشی و جہالت ہے۔

(۳) اپنے احباب و رفقائے خاص سے یہ خواہش کی جائے کہ بھئی! ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا آئینہ ہے اگر میرے چہرہ پر کوئی سیاہ داغ وغیرہ پڑ جائے تو مجھے نظر نہیں آ سکتا جب تک کہ آئینہ سامنے نہ رکھ لوں۔ اس لیے مشکورانہ گزارش ہے کہ آپ جو عیب یا بد اخلاقی مجھ میں محسوس کریں تو نہایت ہمدردانہ طور پر مجھے متنبہ کر دیا کیجئے گا تاکہ میری اصلاح ہو جائے۔

(۴) لوگوں کے عیوب و نقائص کو جو دیکھنے یا سننے میں منافی اخلاق ہوں اپنے اوپر پیش کیے جائیں کہ آیا یہ امور بد اور عادات رذیلہ مجھ میں ہیں یا نہیں ۔ اگر ہیں تو رفع

کرنے کی نہایت مضبوط کوشش کی جائے اور اگر نہیں خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا جائے تو باعث درجات ہے۔

(۵) اپنے مخالفین و اعداء کی نکتہ چینی و حرف گیری پر کان دھرے جائیں کیونکہ جس قدر باریک عیب چینی دشمن کر سکتے ہیں دوسرا کوئی نہیں کر سکتا پھر ان باریکیوں پر محققانہ طور سے سوچ بچار کی جائے یا بالفاظ دیگر ان نکتہ چینیوں کو سامنے رکھ کر اپنے اخلاق و حرکات پر سخت تنقید کی جائے تاکہ ہر ایک لغزش کی مکمل اصلاح ہو جائے اور اگر اپنے آپ کو ایسا نہ پائے تو یہ خدائے مہربان کی طرف سے مقام شکر ہے اس آخری اصول کے متعلق ایک حدیث نبوی ہے کہ

جب لوگوں کے پاس سے اٹھ کر جاؤ تو دیکھو کہ وہ تمہاری نسبت جو کچھ کہتے ہیں اگر وہ تمہارے کانوں میں (شرع کے مطابق) بھلا معلوم ہو تو اس کو کرو اور اگر بھلا نہ معلوم ہو تو اس سے احتراز کرو۔(۱۸)

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا افسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا

سوال — اے کاش اپنی کردہ خطاؤں کو دیکھ لوں
مجھ کو ہنوز ایسے ہی البم کی ہے تلاش

جواب — خواہی کہ عیب ہائے تو روشن شود ترا
یکدم منافقانہ نشین در کمین خویش

پس جس نے اپنے آپ کو خود ستائی و فریب نفس اور گمراہ کن وساوس شیطانی کے دام سے بچا کر اصلاح اخلاق کے اصول خمسہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کا مصمم و مکمل ارادہ کر لیا تو وہ یقیناً" خدائے خلاق ارض و سما کے مقاصد حسن عمل و اخلاق حسنہ کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دینے میں کامیاب ہو کر مقربین حق میں شامل ہو جائے گا۔ انشاء اللہ الرحمن الرحیم۔

لہٰذا جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے ہر دو جہان کے مقاصد حسنہ میں شاد کام و فائز المرام ہو جائے تو اسے چاہیے کہ پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معلم اخلاق صلی اللہ علیہ

وسلم کے مقاصد و احکام کو انجام دینے میں اپنا تن من دھن سب کچھ نثار کر دے۔

حافظ ! صبور باش در راہ عاشقی
ہرکس کہ سرنداو بجاناں نمے رسد
ہے وصل کی خواہش جو ترے دل میں سمائی
پھر عشق میں تو پیکر تسلیم و رضابن

اور اگر کوئی اس مقصد الٰہی کو پورا کرنے کے بجائے اور ضعف پہنچاتا رہے تو اس کو کوئی حق حاصل نہیں کہ اپنی نکبت و درگت ذلت و رسوائی اور نامرادی و خستہ حالی پر خدائے علاّل سے شکوہ سنج ہو۔ مشہور ہے کہ "جیسی کرنی ویسی بھرنی"

از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو زجو

لیکن افسوس اور ہزار افسوس ان لوگوں کے علم و دانش اور دینی فقفقہ پر جنہوں نے اسلام کو چند خود ساختہ عقیدوں میں ڈھال رکھا ہے اور پھر انہیں عقائد پر نجات کو منحصر کر رکھا ہے اس سے بھی بد ترین و گمراہ کن امر یہ ہے کہ وہ اسلام جو ایک کسب و عمل اور سرتاپا اطاعت و انقیاد حق کا نام ہے اور جس کے ماہر و عامل اور مطیع و فرمانبردار کو مسلم و مومن کہا جاتا ہے اس کو آج موروثی چیز سمجھ لیا گیا ہے گویا جو شخص مسلمان قوم میں پیدا ہوا ہو اور مسلمانوں کا سا نام ہو ' تو اس کو بہرکیف مسلمان ہونے کا سرٹیفیکیٹ دے کر جنت کا مستحق یقین کیا جاتا ہے خواہ اس کے اعمال و افعال کیسے ہی بد ترین قسم کے کیوں نہ ہوں حتیٰ کہ اعمال و اخلاق کے لحاظ سے ایک صریح کافر و مشرک اور اس میں کوئی فرق بھی نہ ہو بجز نام اسلام کے تو اس کو بھی مسلمان ہی سمجھا جائے گا لیکن ہم پوچھتے ہیں اگر ایک کامل و لاثانی ڈاکٹر مرجائے اور اس کا کوئی بیٹا مطلق ان پڑھ گنوار باقی رہ جائے یعنی باپ کے کملات حکمت میں سے کچھ بھی نہ جانتا ہو تو کیا اس کو بھی محض باپ کی وجہ سے ڈاکٹر یقین کر کے اسی عہدے پر مقرر کیا جائے گا یا نہیں؟ اسی طرح اور بہت سے ہنر اور فن ہیں اگر ان میں باپ کے کملات بیٹے کے لیے کافی نہیں جب تک بیٹا خود مہارت اور کمال حاصل نہ کر لے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ ایک کافر و مشرک صفت بیٹے کو صرف باپ کے مسلمان ہونے

کی وجہ سے مسلمان باور کر لیں؟ دراں حال یہ کہ ہمیں یہ بھی معلوم ہو کہ حضرت نوحؑ کے بیٹے کو ان کی بد عملی کی وجہ سے غیر مسلم بلکہ صریح کافر قرار دیا گیا۔ اس کے برعکس آذر کافر و مشرک کے بیٹے حضرت ابراہیمؑ کو بہترین مسلم اور اولوالعزم پیغمبر بنایا گیا۔ لیکن باوجود اس قدر روشن دلائل کے بھی صرف مسلم کہلانے والے کافر و مشرک کو بھی محض اس کے کہنے سے بغیر آزمائش و امتحان کے مسلم قرار دے کر جنت کی ڈگری دے دی جاتی ہے۔ اور اگر دنیاوی معاملات میں انہیں مفتیوں کے پاس کوئی گنوار آ کر یہ کہہ دے کہ میں ایک زبردست ڈاکٹر یا علامہ زماں ہوں مجھے کسی معقول آسامی پر ملازم کرا دیجئے! تو یہ ہرگز تسلیم نہ کریں گے۔ جب تک کہ اس کی ڈگریاں اور پھر ان کے مطابق ثبوت نہ لے لیں گے لیکن اگر کوئی احتیاط نہیں برتی جاتی تو وہ صرف دینی معاملات میں' گویا دین اس قدر بے وقعت محکمہ ہے کہ کوئی بھی آ کر یہ کہہ دے کہ میں دیندار ہوں تو بلا سوچ سمجھے اسے ویسا تسلیم کیا جاتا ہے پس یہ دین و ایمان کی انتہاء ذلت و بربادی ہے جس کے ذمہ دار علمائے سوء ہوں گے جنہوں نے نہ خود اسلام کو سمجھا اور نہ اس کے فرائض و مقتضیات کی کما حقہ' نگہبانی کی۔ اور مکافات عمل کو فراموش کر کے بد عملی کو رواج دیا۔

ترسم کہ بکعبہ نہ رسی اے اعرابی
ایں راہ کہ تو میری بترکستان است
وائے نادانی قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو
اس سراب رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو

معیار صحت اخلاق

اگرچہ اخلاقی معیار پر کامل طور سے اترنا یا اپنے یا کسی کے متعلق یہ فیصلہ دینا کہ وہ خلیق ہے یا نہیں ایک مشکل امر ہے مگر اس حقیت کو ایک ہی معیار پر پرکھا اور جانچا جا سکتا ہے اور وہ شریعت غرا کی پابندی ہے یعنی کم از کم ابتدائی دور میں دین ہدیٰ کے ظاہری احکام و اوامر کی پابندی کرتے ہوئے منہیات شرع سے اجتناب و احتراز کیا جاوے۔ اس کا مطلب یہ

ہے کہ ہر وقت خود کو خدائے احکم الحاکمین کے روبرو مقید و بے حس تصور کر کے اس کی حتی الامکان پیروی کی جائے۔ اور جہاں تک ہو سکے نرم اور میٹھی زبان سے خلق خدا سے ملاقات کرے اپنی وسعت کے مطابق صلہ رحمی و ہمدردی اور خدمت خلق کو نہایت خندہ پیشانی سے انجام دے خواہ مخواہ کی ڈانٹ ڈپٹ اور تلخی و تر شروع سے باز آجائے بے جا بغض و انتقام اور غصہ وغیرہ کو پاس پھٹکنے نہ دے۔

خصوصاً" جھوٹ' وعدہ خلافی' چوری' خیانت' رشوت' زنا و لواطت وغیرہ وغیرہ کا مطلق مرتکب نہ ہو۔ ہر مقام پر سچائی' دیانت داری اور پاس وفا تقویٰ و پرہیز گاری وغیرہ وغیرہ کا مخلصانہ ثبوت دیتا رہے۔ غرض یہ کہ ضروری معلومات حاصل کر کے اس کے مطابق خدائے قہار سے ڈرتے ہوئے حقوق العباد کو تلف نہ ہونے دے۔

پس جو شخص کم از کم ایسا کرے تو اس کو "خوش اخلاق" کے زریں خطاب سے یاد کیا جا سکتا ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ جس کو اکثر دنیا خوش خلق یا بد خلق کہے وہ صحیح ہے کیونکہ عوام کالانعام ہیں ان میں اچھے بھی ہیں اور برے بھی۔ فہمیدہ و باشعور بھی اور بے وقوف پاجی اور جاہل بھی حق گو و دیانت دار بھی ہیں اور بد زبان و بد طینت بھی۔ صاحب ایمان دوست و دشمن بھی ہیں۔ اور خبیث الفطرت دوست و دشمن بھی۔ اس لیے سب کی شہادت صحیح نہیں ہو سکتی۔

گویا دشمن کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ دین دار جو کسی اصول کی بنا پر الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی تصویر ہے اس قسم کے دشمن کبھی بھی کسی با اخلاق دشمن کو بد خلق ثابت نہیں کریں گے۔ افسوس کہ دنیا ایسے ارباب ایمان سے خالی ہو رہی ہے۔

دوسری قسم فاسق و بد چلن اور متعصب دشمنوں کی ہے یہ کسی بھی وقت اپنی بد باطنی و بد زبانی سے باز نہیں آئیں گے۔ اور ہمیشہ ارباب و بندگان خدا پر زبان درازی کرتے ہوئے طرح طرح کے ناگفتہ بہ الزامات گھڑتے ہوئے انہیں بد اخلاق ثابت کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کی ذرہ بھی پرواہ نہ کرنی چاہیے کسی نے بہت خوب کہا کہ

عرفی تو میندیش زغوغائے رقیباں
کہ آواز سگاں کم نہ کند رزق گدارا

ایسے پرفتن مقام پر انسان کو شریعت عزا کی روشنی میں اپنے قلب سلیم سے فتویٰ لینا چاہیے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ

تو اپنے نفس (مطمئنہ و ضمیر صالح) سے پوچھ (کہ نیکی و خوش خلقی کیا ہے) اگرچہ تجھ کو مفتی لوگ (کیسا ہی) فتویٰ دیں۔(۱۹)

ایک دوسرے مقام پر ارشاد نبوی ہے کہ

نیکی وہ ہے جس پر نفس کو سکون اور قلب کو اطمینان حاصل ہو۔ اور برائی وہ ہے جس سے نفس کو نہ قرار نصیب ہو اور نہ دل کو طمانیت اگرچہ تجھ کو فتویٰ دینے والا (کیسا ہی برا) فتویٰ دے۔(۲۰)

اے مسلماں! اپنے دل سے پوچھ ملا سے نہ پوچھ
ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم

ان احادیث میں نفس کا لفظ آیا ہے تو اس سے ہر نفس انسانی مراد نہیں بلکہ نفس مطمئنہ و قلب سلیم مراد ہے جو تمام منہیات شرع سے بچ کر کما حقہ' اطاعت اللہ میں منہمک ہو کر اطمینان اور سلامتی حاصل کر چکا ہو۔ اور بس۔

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

اسی وصف ممیزہ خیرو شر کو ایک دوسرے مقام حقیقت ایمان سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ۔

ابوامامہ کہتے ہیں ایک شخص نے آکر پوچھا یا رسول اللہ! ایمان کیا ہے؟ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جب تجھے کوئی اپنا نیک عمل راحت و مسرت پہنچائے اور جب تجھے کوئی برا فعل متردد و پریشان خاطر کر دے تو پھر تو مومن ہے پوچھا گناہ کیا ہے؟ فرمایا جب تیرے جی میں کوئی امر تردد پیدا کرے تو تو اس کو ترک کر دے(۲۱)

در حقیقت ہے یہ ایماں شمع حق ظلمات میں
جس سے کر لیتا ہے مومن امتیاز خیر و شر

اور اگر پیدا نہ ہو اس سے یقین کا سا عمل
تو فریب نفس ہے ایسے ایماں سے گزر
یعنی ہے یہ جامع ایقان و اقرار و عمل
ایک عنصر بھی نہ ہو کامل تو ہے مہلک شرر

گویا ایمان ایک ایسا نور حقیقت ہے کہ جب وہ حاصل ہو جائے تو ہر طرح کی نیکی و بدی‘ حق و باطل نور و ظلمت خیر و شر اور نافع و ضرر کا خود بخود احساس ہونے لگتا ہے نہ صرف یہی بلکہ وہ ایسی قوت برقی ہے کہ اس موجودگی میں انسان نفس امارہ کا تابع ہو کر شہوات نفسانی لذات بہیمہ اور اخلاق رذیلہ سے ملوث نہیں ہو سکتا۔ اور ہر وقت و ہر آن خدائے حاضر و ناظر کا خوف و تقویٰ کائنات جسم و جان پر حکمراں رہتا ہے اور یہی منتہائے انسانیہ و کمال بشریہ ہے۔

اے باعث صد راحت اے مونس تنہائی!
حاصل ہے مجھے تجھ سے تسکین و شکیبائی

اور اگر یہ مقام کسی کو حاصل نہیں تو یقین کر لینا چاہیے کہ پہلوئے دل میں ایمان کے بجائے کفر و نفاق جاگزیں ہو چکا ہے جس کا علاج کرنا فوراً فرض عین ہے ورنہ ہلاکت و خسران سے دو چار ہونا پڑے گا۔

دو آخری نکات

اخلاقی فضائل و رذائل کے اظہار کے لیے خاص الخاص وقت لڑائی جھگڑا کرتے ہوئے غصے میں بھر جانے کا ہے اگر اس وقت کسی نے شرافت و متانت اور سنجیدگی و تحمل اور صبر و استقلال کا ثبوت دے کر برابر کی فحش کلامی سے پوری طرح اجتناب کر کے معقول و مناسب جواب دیا۔ اور غصے کو پی کر خاموشی اختیار کر لی تو یہ خوش اخلاقی ہے۔ بشرط یہ کہ ضعف و ناتوانی کا عالم نہ ہو۔ بلکہ قوت و توانائی موجود ہو۔

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردے احسن الی من اسا

اور اگر بے قابو و مغلوب الغضب ہو کر گالی گلوچ' شور و شر' اور بازاری گفتگو پر اتر آئے تو بلا تامل یہ فیصلہ دے دینا چاہیے کہ ایسا شخص محاسن اخلاق سے کلیتہ" محروم و ناآشنا ہے۔ بالفاظ دیگر پورا بد اخلاق ہے۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا ہو اگرچہ وہ صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

دوسرا نکتہ

یہ ہے کہ خلیق انسان سے جب باقتضائے بشریت کوئی گناہ یا کوئی دنیاوی خطا سرزد ہو جائے۔ تو اگر اس پر اس کو مطلع کیا جائے تو فوراً اس کی اصلاح کرنے کی ہمہ توجہات مستعد ہو جاتا ہے۔ دوسرا کسی کے آگاہ کرانے سے اس کے دل میں ذرہ بھر گھمنڈ یا توہین و بے عزتی کا خیال تک نہیں ہوتا۔ بلکہ متنبہ کرنے والے محسن کا تہ دل مشکور ہو جاتا ہے تو یا بالفاظ دیگر وہ اپنی اصلاح و درستگی کے لئے ہر وقت و ہر ساعت اور ہر موقع و محل پر لبیک کہنے پر تیار رہتا ہے۔

لیکن بخلاف اس کے بد اخلاق شخص کی تعریف یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو کامل انسان گمان کرتا ہے' اور اس کو یہ عجب ہوتا ہے کہ میں جو کچھ کہا کرتا یا کہہ رہا ہوں وہ کلیتہ ٹھیک ہے' اور اس کو قدرے بھر غلطی لاحق نہیں ہوئی۔ اس کو اگر کوئی فاش غلطی بھی بتائی جائے تو وہ اس کو اپنے زعم میں صحیح سمجھتا ہے یا جان بوجھ کر اڑ جاتا ہے' بلکہ اپنے مصلح کے خلاف ہو کر اس کو ہر طرح سے نقصان پہنچانے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

پس یہ غرور باطل اور ضد و تعصب کا جذبہ اس کو اصلاح کے لئے ہرگز نہیں چھوڑتا۔ یہ وہ نکتہ باریک ہے جس کی روشنی میں ہر شخص اپنے اور دوسروں کے متعلق یہ فیصلہ دے سکتا ہے کہ خوش اخلاق کون ہے۔ اور بد اخلاق کون گویا نیک طینت و خوش اخلاق شخص ہر

لمحہ اپنے ہادی و ناصح کا متلاشی اور ممنون و مشکور ہوتا ہے۔ یعنی اس کو دوست دشمن کی پہچان اور اس کے مطابق عمل پیرا ہو کر بسر کرتا ہے۔

اور بد اخلاق اس کے برخلاف اپنے محسن و مصلح کا دشمن جان ہو جاتا ہے یعنی دوست و دشمن کی تمیز نہیں کرتا ہے۔

آج کتنے مدعیان دین و ایمان ایسے ہوں گے جو اسلامی حقیقت اخلاق سے کما حقہ آگاہ اور اپنے علم و شعور کے مطابق محاسن اخلاق و صالح اعمال کے حامل و پیکر ہوں؟

خلوص اخلاق عمل ہمت تدبر عدل و حق گوئی۔ عبارت آج ان اوصاف سے تم میں بھی ہے کوئی؟

ایک آخری اور ہمدردانہ التجا

اگر چاہو کہ پھر سے باغ فطرت پر بہار آئے
گلوں پر رنگ و بو ہر سو ہوائے اشکبار آئے
دل مجروح و چشم خوں فشاں کا بھی مداوا ہو
پرندے نغمہ زن ہوں عندلیبوں کو قرار آئے
تو للہ دیدہ دل سے کبھی خلوت گزیں ہو کر
پڑھو اس مجموعہ اخلاق کو اہل یقیں ہو کر

(از حافظ)

حواشی و حوالہ جات

(۱) ابن حنبل جلد ۱ ص ۲۰۲ و مستدرک حکم جلد ۲ ص ۳۱۰ و ابن ہشام ذکر واقعہ ہجرت۔ ماخوذ از سیرت النبی جلد ۲ اسلام اور اخلاق حسنہ تقطیع خورد مطبع معارف ص ۴

(۲) تاریخ الکامل جلد ۲ ص ۱۷۶ ماخوذ از اشاعت اسلام کتب خانہ رحیمیہ ص ۱۴۱

(۳) تاریخ طبری' ماخوذ از تاریخ الاسلام حصہ اول تذکرہ عمرؓ ہرقل کے دربار میں رومیوں کی فریاد مطبع معارف ص ۱۷۶ از شاہ معین الدین

(۴) تاریخ الکامل جلد ۲' ص ۱۷۹ ماخوذ از اشاعت اسلام کتب خانہ رحیمیہ ص ۱۳۹

(۵) ابن الاثیر جلد ۲ ص ۲۴۰ ماخوذ از اشاعت اسلام حصہ دوم اجنادین کا عجیب واقعہ مکتبہ رحیمیہ ص ۹۶

(۶) طبری صفحہ ۲۳۴۳۔ ماخوذ از سیر الصحابہ جلد ۱۰ دہم مذہبی خدمات اشاعت اسلام مطبع معارف ص ۱۷۳

(۷) جامع ترمذی جلد ۲ ابواب العلم باب الاخذ بالسنہ و اجتناب البدعہ عن عرباض بن ساریہ مطبع فیض ص ۲۳۶ و ابوداؤد جلد ۲ کتاب السنہ باب فی لزوم السنتہ مجبائی پریس ص ۲۸۷ و صحیح المستدرک حاکم جلد ا کتاب العلم باب علیکم بسنتی الخ مطبع دائرۃ المعارف ص ۹۶

(۸) جامع ترمذی جلد ۲ کتاب الایمان باب افتراق ھذہ الامتہ عن عبد اللہ بن عمرؓ مطبع فیض ص ۲۳۷ و صحیح المستدرک حاکم جلد ا کتاب العلم باب التسلکن سنن من قبلکم = مطبع دائرۃ المعارف ص ۱۲۹

(۹) ابوداؤد جلد ۲ السنتہ باب شرح السنتہ عن معاویہ بن سفیان مجتبائی پریس ص ۲۸۳ و صحیح المستدرک حاکم جلد ا کتاب العلم باب سخیرج اقواماً تجارای = مطبع دائرۃ المعارف ص ۱۲۸

(۱۰) سنن دارمی حصہ اول باب فی ذہاب العلم مطبع نظامی ص ۴۴ و جامع بیان العلم و فضلہ از ابن عبد البر جلد ا باب الدلیل علی فضیلۃ العلم مطبوعہ مصر ص ۴۲

(۱) اس آیت میں بظاہر ایمان و اسلام میں فرق نظر آتا ہے مگر حقیقتاً" ایمان و اسلام ایک شے ہے جیساکہ اس آیت کی تفسیر "کتاب حقیقت الایمان و عمل" میں ثابت کیا گیا ہے۔

(۲) الہلال جلد اول نمبر۲۱ عیدالاضحی کالم اول و دوم ص ۵

(۳) الہلال جلد ۳ نمبر۱ الداء والدواء کالم اول ص ۸

(۴) خطبات مدراس آٹھواں خط عمل مطبع معارف ص ۱۹۲، ۱۹۳

(۵) جامع ترمذی جلد ۲ ابواب البر والصلۃ باب ماجاء للخت عن عبد اللہ مطبع فیض ص ۴۵

(۶) صحیح المستدرک حاکم جلد اول کتاب الایمان صفۃ المسلم و المومن عن ابی ہریرۃ مطبع دائرۃ المعارف ص ۱۰

(۱۷) مسند احمد و ابن حبان و ترمذی عن ابی ہریرۃ ماخوذ از جامع للسیوطی جلد اول فصل اول مطبوعہ مصر ص ۹۵

(۱۸) ادب المفرد باب اہل المعروف فی الدنیا و فی الآخرۃ ماخوذ از تاریخ اخلاق اسلامی جلد ۱ رسول اللہ کا اطلاق طریقہ تعلیم۔ مطبع معارف ص ۲۴۲

(۱۹) للبخاری فی التاریخ کبیر عن وابصۃ ماخوذ از جامع الصغیر للسیوطی جلد اول فصل استفت نفسک مطبوعہ مصر ص ۳۳

(۲۰) مسند احمد عن ابی ثعلبہ ماخوذ از جامع الصغیر للسیوطی جلد اول فصل ب۔ البر مطبوعہ مصر ص ۱۰۶

(۲۱) رواہ احمد، ماخوذ از تقویۃ الایمان بشرح حدیث حلاوۃ الایمان مطبع مفید عام آگرہ ص ۹

فصل ہشتم

ایک نہایت مخلصانہ مشورہ

مجھے فطرت نوپر پے بہ پے مجبور کرتی ہے
ابھی محفل میں ہے شاید کوئی درد آشنا باقی

اب ہم تمام بنی نوع کو کسی وقت خلوت میں بیٹھ کر یہ غور کرنا چاہیے کہ آیا ہم اپنے دین و ایمان کے لحاظ سے اپنے فطری اور نوع انسانی سے متعلق حقوق و فرائض کو انجام دے رہے ہیں یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو ہم یہ مودبانہ گزارش کریں گے کہ اہل ہنود حضرات کو اپنے ہندو دھرم اور ویدوں کی اخلاقی تعلیمات کے آئینہ میں اور یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنی بائبل مقدس پاک کے ابواب و فضائل میں اور اہل اسلام کو اپنے مقدس و مطہر قرآن مجید کتاب اللہ کی نورانی تعلیمات عمل و اخلاق میں اپنا جائزہ اور احتساب نفس کریں کہ ہمیں کیوں اور کس مقصد کے لئے کتم عدم سے پر رونق افروز فرمایا ہے؟ مشہور و معروف مقولہ پر از حکمت ہے کہ حکیم کا کوئی فعل خالی از حکمت و مقصد نہیں ہوتا لہٰذا ہمیں بھی بغیر کسی مقصد و مطلب کے حکیم مطلق جل و علی شانہ نے نہیں پیدا کیا جیسا کہ ارشاد مقدس ہے کہ

> (اے لوگو!) کیا تم ایسا خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو (یوں ہی) عبث پیدا کر دیا ہے؟ (یا) یہ (گمان کرتے ہو) کہ تم کو ہماری طرف پھر لوٹ کر آنا نہیں؟ تو حق تعالیٰ (جو) شہنشاہ برحق (ہے بے فائدہ و بے مقصد کام کرنے سے بری اور) بالا تر ہے۔

(قرآن پارہ ۱۸ سورۃ المومنون رکوع ۶)

بلکہ تم ضرور بالضرور (مر کر پھر سے) اٹھائے جاؤ گے، پھر جو کچھ بھی تم نے (اس دنیا

میں) کیا ہے ضرور (اس کا برا یا بھلا بدلہ) تم کو بتا دیا جائے گا اور یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک (ایک) سہل تر (سی بات) ہے۔

(قرآن پارہ ۲۸ سورۃ التغابن رکوع ۱)

لہٰذا اگر ہمیں کسی اور کے ساتھ ہمدردی نہیں تو نہ سہی' لیکن خود اپنے ساتھ ہمدردی کرنی چاہیے کہ اگر سچ مچ قیامت آ گئی (جس طرح قرآن مجید پیش کر رہا ہے تو پھر ہمارا کیا حشر ہو گا جب کہ ہم نے اپنے مقصد حیات پر غور و فکر کر کے اس کو کما حقہ یا حتی المقدور انجام نہ دیا؟ خدائے حکیم و خلاق ارض و سما کی قسم۔ اگر ہم نے شرافت انسانی کو ملحوظ رکھ کر دیانت داری و اخلاص کے ساتھ اپنا جائزہ لیا تو یقیناً (ادیان و مذہب کے اختلافی مسائل کو نظر انداز بھی کر لیں) اخلاقی امور و اصول پر بلا اختلاف مذہب و ملت باہم متحدہ متفق ہو جائیں گے' کیونکہ یہ تمام مذاہب و ملل میں بلا تفاق صحیح و واجب العمل ہیں۔ لہٰذا پھر یہ حقیقت بھی بے نقاب ہو کر جلوہ افگن ہو جائے گی کہ جو اصول و فطری فرائض تمام بنی نوع انسان کے مابین واجب العمل ہیں وہی اخلاق فاضلہ ہیں جو بلا اختلاف مذہب و ملت تمام انسانوں کے ساتھ مساوی طور پر وابستہ ہیں۔ اور جو تمام مذاہب کے نزدیک خبیث و رذیل عادات و افعال ہیں وہ سب کے نزدیک لائق اجتناب و قابل ترک ہیں۔ انہیں امور کو اسلامی لغت میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کہتے ہیں۔ پس جب یہ صحیح اور بالکل صحیح ہے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ جو قوم یا فردان اخلاقی اصول کا عامل و حامل نہ ہو اور وقتاً" فوقتاً" جذبات ابلیسی اور خواہشات نفسانی سے مغلوب ہو کر یا کسی غیر مذہب و ملت کا خیال رکھ کر کسی بد اخلاقی یا انسانیت سوز حرکت یا ناشائستہ فعل کا مرتکب ہو گا تو وہ نہ صرف یہ کہ اپنے مذہب کے نزدیک مردود ہے بلکہ تمام ادیان عالم کے نزدیک خبیث و ملعون شخص ثابت ہو گا۔ لہٰذا نہ اس کو خود کسی مذہب سے منسوب کرنا زیبا ہے (بشرطیکہ وہ منافق فطرت انسان نہ ہو) اور نہ کسی سوسائٹی کو یہ مناسب ہے کہ ایسے بد اخلاق و نفس پرست انسان نما حیوان کو کسی مذہب سے نسبت کر کے پکارے۔ کیونکہ وہ ایسے افعال ناگفتہ بہ کا عادی مجرم ہے۔ جو تمام مذاہب میں نفرت و حقارت اور کلیتہ ترک کرنے کے قابل ہیں۔ اس لئے وہ بھی تمام کے نزدیک

حقیر و ذلیل ہو کر رہے تو یہی انسانیت کی خدمت ہے۔

اور اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم بھی انسانیت کے دوست نما دشمن ثابت ہوں گے۔

پس جب کہ خدائے قادر نے ہمیں پیدا کر کے اکثر مخلوقات پر شرف و فضیلت سے نوازا ہے' جیسا کہ ارشاد حق ہے کہ۔

اور البتہ ہم نے بنی آدم کو عزت دی' اور خشکی اور تری میں (جانوروں اور کشتیوں وغیرہ پر) سوار کیا' اور پاکیزہ چیزیں انہیں (استعمال کرنے کو) دیں' اور اکثر مخلوقات پر جو ہم نے پیدا کی ہے ان کو کما حقہ شرف و فضیلت بخشی ہے۔

(قرآن پارہ ۱۵ سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۷)

تو اس شرافت و فضالت کا ثبوت یہی ہے کہ ہم اس کا باعث تلاش کر کے اس کو اپنے موقع و محل پر صحیح طور سے استعمال کریں ورنہ انسان و حیوان میں کوئی امر بھی مابہ الامتیاز نہیں۔ سو وہ ہمارے نزدیک "جو ہر عقل اور اس کا صحیح استعمال ہے۔" جس سے نیک و بد اور خیر و شر میں فرق و امتیاز کیا جاتا ہے' اور جب یہی گوہر اصح و اکمل ہو جاتا ہے تو نور ایمان کہلاتا ہے۔ اور اگر ہم نے اس نعمت غیر مترقبہ یعنی عقل و شعور کو صحیح استعمال نہ کیا تو پھر حیوانات سے بھی بدتر ہو جائیں گے کیونکہ عقل کے ہوتے ہوئے ہم میں اور حیوانات میں کوئی لائق ستائش وصف نہیں ہو گا۔ چنانچہ قرآن کا فرمان ہے کہ

اور ہم نے بہتیرے جن و انس جہنم ہی کے لئے پیدا کئے ہیں (کیونکہ) ان کے (پہلو میں) دل تو ہیں (مگر) ان سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔ اور ان کی آنکھیں بھی ہیں (مگر) ان سے دیکھنے (اور عبرت و موعظت) کا کام نہیں لیتے۔ اور ان کے کان بھی ہیں (مگر) ان سے سننے کا کام نہیں لیتے (اسی سبب سے) یہ لوگ چارپایوں کی مانند ہیں۔ بلکہ ان سے بھی گئے گذرے ہوئے (گمراہ و ناعاقبت اندیش ہیں) یہی وہ لوگ ہیں جو (اپنے فرض منصبی اور مقصد حیات و انجام کار سے بے خبر وار) غافل ہیں۔

(قرآن پارہ ۹ سورۃ الاعراف رکوع ۲۲)

اگرچہ ان مدرکات میں سے تھوڑا بہت حیوانات کو بھی حصہ ملا ہے' مگر کامل طور سے ان کا حامل و پاسبان صرف انسان کو بنایا گیا ہے۔ اسی واسطے اوامر و نواہی کا مکلف بھی انسان ہی کو ٹھہرایا گیا ہے۔ لیکن اگر یہ اپنی حقیقت و فرائض سے غافل رہا تو یقیناً" حیوانات سے بدتر ہے۔ ایک خاص اور عبرت انگیز نکتہ یہ ہے کہ حیوانات کو اگرچہ عقل کامل وغیرہ سے محروم رکھا گیا ہے۔ مگر باوجود اس کے بھی وہ اپنے خالق حقیقی کے احکام سے غافل نہیں۔ کیونکہ آج یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جن جانوروں' یعنی درندوں' پرندوں' اور دیگر حیوانات کو جن جن اشیاء سے محترز و مجتنب رہنے کے فطری الہامات ہو چکے ہیں' وہ ان سے کسی وقت بھی نہیں چوکتے' اور برابر قانون قدرت کے آگے سر تسلیم خم کئے جا رہے ہیں۔ لیکن برعکس ان کے انسان ہے کہ باوجود اشرف المخلوقات ہونے کے ہر قسم کی قانون شکنی و بغاوت حق پر کمربستہ ہے' اس لئے یہ ان سے بدتر ہے۔ الاماشاء اللہ۔

غرضیکہ انسان ان ہی "کامل قوائے مدرکہ" کی بابت قیامت کے روز پوچھا بھی جائے گا کہ ان کا استعمال کیونکر ہوا؟

مثلاً ارشاد پاک ہے کہ

بے شک کان' اور آنکھ' اور دل' ان سب کے بارے میں (قیامت کے روز) باز پرس ہو گی۔

(قرآن پارہ ۱۵ سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۴)

حقیقت یہ ہے آج انسان ان ہی مدرکات ثلاثہ کے غلط استعمال سے سو فیصدی حیوان ہو چکا ہے۔

اگر کچھ فرق باقی ہے تو یہی کہ ان کی طرح علی الاعلان اپنی مادہ پر کود نہیں جاتے' لیکن اگر یہی لیل و نہار ہوئے اور سوسائٹی اسی طرح خواب غفلت میں رہی' اور نوجوانوں کا ماحول اسی رفتار سے نشہ شہوت میں مخمور اور سحر سامری و طلسم ابلیس مغربی سے مسحور ہو کر اندھا دھند اپنے ایشیائی اخلاق فاضلہ کو پس پشت ڈالتی ہوئی یورپ کی خوشنماؤ دلفریب بدتہذیبی و بداخلاقی کی طرف لپکتی گئی تو کچھ عجب نہیں کہ ایک نہ ایک روز بالکل عریاں ہو کر سڑکوں'

پارکوں' اور کلبوں میں حیوانوں کی سی شہوت پرستی کا روز بد دیکھنا پڑے۔

مجھ کو ہے ڈر کہ ہے طفلانہ طبیعت تیری
اور عیار ہیں یورپ کے شکر پارہ فروش
حادثہ جو کہ ابھی پردہ افلاک میں ہے
عکس اس کا میرے آئینہ ادراک میں ہے

یہ غیب دانی کا دعوی نہیں بلکہ چشم بینا کا موجودہ آثار و اطلال سے صحیح اندازہ ہے کہ

مجھ کو تو یہ دنیا نظر آتی ہے دگرگوں
معلوم نہیں دیکھتی ہے تیری نظر کیا؟
ہر سینے میں ایک صبح قیامت ہے نمودار
افکار جوانوں کے ہوئے زیر و زبر کیا؟

ہمیں صاف صاف نظر آ رہا ہے کہ موجودہ سوسائٹی اور ماحول کا خر شہوت' زیور اخلاق سے معرا ہو کر نہایت برق رفتاری سے اخلاق مغرب میں مدغم ہو رہا ہے' جس کا نتیجہ ایشیائی اخلاق فاضلہ پر ایٹم بم کی ہلاکت آفرینی میں منتج ہو گا۔

ہوئی نہ زاغ میں بلند پروازی
خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبت زاغ
حیا نہیں ہے زمانہ کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی رہے تری بے داغ

اور پھر قیامت یہ ہے کہ اس تباہی و ہلاکت کو عروج و ترقی سے تعبیر کر کے شب و روز اس کی عملی تبلیغ کی جا رہی ہے۔ اور سادہ لوح انسان اس خوشنمائی و گل رنگی پر پروانہ وار نثار ہوتے چلے جا رہے ہیں' جنہیں صحیح احساس دلانے والے نہ ہونے کے برابر ہیں۔

اے تنگ نظراوج سمجھتا ہے جسے تو
وہ جہل کی وادی میں ہے اخلاق کی پستی!

یہی وہ جانکاہ واقعات' زہرہ گداز حالات' اور روح فرسا صدمات ہیں جن سے جماعت

اسلامیہ عبرت پذیر ہو کر نہایت بے سرو سامانی' علمی بے بضاعتی وادبی کمزوری' اور کسمپرسی کے عالم میں سرگرداں و پریشاں خاک آلودہ پھر رہی ہے کہ کہیں بندگان حق و صداقت' متلاشیان راز حیات' اور پرستاران اخلاق و طالبان عمل و صلاح میں کہ باہم مل کر ضرب کلیمی پیدا کر کے موجودہ طلسم مغربی و سحر سامری کی و گلیر زنجیروں کے ایک ایک بند کو توڑ کر نعمت گم گشتہ و گوہر مقصود یعنی اخلاق فاضلہ و اعمال صالحہ کو پا کر معبود حقیقی کے قدس پر سجدہ ریز ہو جائیں کہ یہی عبودیت تامہ و انسانیت کاملہ کا صحیح و واحد ثبوت ہے۔ اسی میں ہی نجات و فلاح ہر دو جہاں ہے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

کاش! کہ اہل اسلام' اسلام اور ایمان کی روشنی میں' اور دیگر اہل مذہب اپنے اپنے دین و ملت کے طور پر خدائے واحد کی پرستش' اور اخلاق و اعمال کو پھر سے تازہ و تابندہ کرنے کے لئے صحیح معنوں میں تلافی مافات بصورت توبہ و انابت کر لیں' اور نہایت جانسپاری و تندہی کے ساتھ اسی تبلیغ و اشاعت میں سرگرم عمل اور باہم متحد ہو جائیں۔ لیکن اس نقار خانہ دنیا میں ہم بے نواطوطیوں کی دھیمی دھیمی پکار کون سنتا ہے۔

مانا کہ تیری دید کے قابل نہیں ہوں میں
تو میرا شوق دیکھ مرا انتظار دیکھ

لیکن کیا عجب ہے کہ اسی ہلکی مگر درد بھری و دل سوز صدائے بے نواسے ہی مطلوبہ ہمائے پریدہ پھر سے واپس آ کر ہم پر سایہ افگن ہونے لگے' اور ہم پھر سے پرامن و پرسکون اور پرکیف و پر سرور حیات طیبہ بسر کرتے ہوئے منجدھار میں گھرے ہوئے سفینہ اخلاق کو بچا کر ساحل مراد تک پہنچا لیں۔

عجب کیا ہے یہ بیڑا ڈوب کر پھر بھی اچھل آئے
کہ ہم نے انقلاب چرخ دوراں یوں بھی دیکھا ہے

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ

مشکلے نیست کہ آساں نہ شود
مرد باید کہ ہراساں نہ شود

مختصر یہ کہ

گر نویسم شرح آں بے حد شود
ہمچو سپند پیش تو اے مختصر پسند
درنالہ تمام کنم ماجرائے دل

مگر حقیقت یہ ہے کہ حوادثات دہر سے عبرت پذیر اور حقائق و بصائر سے سبق آموز وہی طبائع ہو سکتی ہیں جن کے پہلو میں دل اور اس میں زندگی و سوز و تڑپ اور باطنی بینائی و بصیرت ہو' اور سر میں چشم حقیقت شناس و گوش سماعت ہو ورنہ نہیں۔ چنانچہ فرمان حق ہے کہ

بیشک ان (واقعات و مشاہدات) میں البتہ (بہت بڑی) نصیحت ہے اس کے لئے جو صاحب دل ہو' یا کان لگا کر (بات) کو سنتا ہو' اور وہ (ہر لحاظ سے) مشاہدہ کر رہا ہو۔
(قرآن پارہ ۲۶ سورۃ ق رکوع ۳)

گر صاحب دل ہوتے سنکر مری بے تابی
تم کو بھی قلق ہوتا اور مجھ سے سوا ہوتا

ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہے کہ
اور نصیحت پذیر بھی وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو صاحب عقل و شعور ہوں۔
(قرآن پارہ ۳ سورۃ البقرہ رکوع ۳۷)

ایک تیسرے مقام پر لسان حق یوں گویا ہوتی ہے کہ
اور (اے حامل قرآن) آپ (وعظ و) نصیحت سے صرف مومنین ہی مستفید ہوتے ہیں۔
(قرآن پارہ ۲۷ سورۃ الذاریات رکوع ۳)

ان کا مطلب یہ ہوا کہ سمع' بصر' اور قلب' کے صحیح استعمال کرنے والوں کو عقلمند اور

باشعور کہتے ہیں۔ اور جو کامل عقلمند ہو گا وہی مومن ہو گا۔ کیونکہ مندرجہ بالا تینوں آیات پر غور و فکر کرنے سے یہی کچھ مترشح ہوتا ہے' گویا جب تک ایمان صحیح نہیں ہوگا اس وقت تک عبرت آموز و نصیحت پذیر ہونا ناممکن ہے۔

رہا یہ سوال کہ حقیقت ایمان و اسلام کیا ہے اور اس کے مقتضیات اور ثبوت کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت مومن و مسلم کو سمجھنے کے لئے آئندہ باب "حقیقت الایمان و العمل" کا حضور قلب و چشم بینا اور اخلاص و تحقیق کے ساتھ مطالعہ کریں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

انما المومنون الذین امنو باللہ و رسولہ ثم لم یرتابوا وجاھد
واباموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ والئک ھم الصادقون ○
(قرآن پارہ ۲۶ سورۃ الحجرات رکوع ۳)

باب دوم

حقیقت الایمان و العمل

کافر مطیع نفس و خیال و اہام ہے
مومن فقط او امر حق کا غلام ہے

انما المومنون الذین اذا ذکر اللّٰہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم ایتہ زادتھم ایمانا وعلی ربھم یتوکلون ○ الذین یقیمون الصلوۃ ومما رزقنھم ینفقون ○ اولئک ھم المومنون حقا لھم درجت عندربھم ومغفرۃ و رزق کریم○

(قرآن پارہ ۹ سورۃ الانفال رکوع اول)

ترجمہ

سوائے اس (کوئی دوسری بات) نہیں کہ مومن وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں۔ اور جب اس کی آیات انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں' تو وہ ان کے ایمان کو اور بھی زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ (ہر حال میں صرف) اپنے پروردگار ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں ○ (اور مومن وہی لوگ ہیں) جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو ان کو روزی (یعنی مال و دولت) دے رکھی ہے وہ اس میں سے (راہ حق میں خوب) خرچ کرتے رہتے ہیں○ (پس) یہی لوگ حقیقی مومن ہیں۔ ان کے لیے ان کے پروردگار کے ہاں درجات مقرر ہیں' اور (ان کے لیے) مغفرت اور رزق کریم (یعنی باعزت روزی) ہے○

فصل اول

ایمان و اسلام ایک ہے

جیسا کہ ہم نے پہلے گوش گزار کیا کہ انسان کا نجات و سعادت اور ہر دو جہاں کی کامرانی و تقرب حق کا معراج حاصل کرنا' روح کو جملہ نفسانی خواہشات غیر شرعیہ و ابلیسانہ افعال و کردار سے محفوظ و مصئون رکھ کر اسلامی اعمال حسنہ و اخلاق فاضلہ سے مزین کرنے پر موقوف ہے۔

اور اس سب کچھ کے حاصل کرنے کا سب سے بڑا ایک ہی سبب "حقیقت ایمان و عمل" کو ایک قرار دینا ہے۔ اس کی علامت و فلاسفی یہ ہے کہ جب ان دو مختلف ناموں کی حقیقت کو ایک یقین کیا جائے گا تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس کے اعمال و اخلاق اچھے ہوں گے تو اس کا ایمان بھی اچھا ہوگا۔ اور اگر وہ برے ہوں گے تو یہ بھی برا ہوگا۔ یا بالفاظ دیگر اگر عمل ہے تو ایمان ہے اگر عمل نہیں تو ایمان بھی نہیں۔

لذت ایماں فزاید در عمل
مردہ آں ایماں کہ ناید در عمل

پس اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب انسان کسی وقت ایک طرف نفسانی خواہشات کے اتمام اور فطرتی مرغوبات و مشتہیات کے حصول کے جذبات سے مجبور ہو کر ان کی طرف لپکنا شروع کرے گا تو فوراً دوسری طرف ایمان عزیز کی حفاظت و صیانت کا محبت آمیز خیال بھی دامن گیر رہے گا۔ پس جب قوت بہیمیہ اور قوت ملکیہ کا باہم ٹکراؤ ہونے لگا تو اس وقت "ایمانی قوت" کی سیسہ پلائی ہوئی (ناقابل شکست) دیوار' ڈیفنس یعنی اندفاع کا کام دینے لگے گی' جس کی روحانی امداد سے اولاً تو سو فی صدی' ورنہ کافی حد تک اس شیطانی سیلاب عظیم سے اپنے آپ کو بچا لیا جائے گا یعنی ان خواہشات کو ایمان کی روشنی میں انجام دینے کی کوشش کی جائے گی۔ جس کے باعث بداخلاقی سے حتی الامکان اجتناب کیا جا سکے گا۔

اور اگر بخلاف اس کے اعمال و اخلاق کو ایمان سے علیحدہ کر لیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ محبوبہ عصمت ملب کو لباس تقویٰ سے برہنہ کر کے فسق و فجور کے ہلاکت انگیز و انسانیت سوز طوفان بدتمیزی کے آگے کر دیا گیا' جس کی روک تھام کے لیے نہ کوئی ڈیفنس ہے اور نہ کوئی ایسا مضبوط بند ہے اور نہ کوئی فولادی قلعہ جو اس کے سد راہ ہو سکے' اور جو اس کے معصوم جسم و روح کو صحیح و سلامت بچا سکے۔

لہٰذا جب کوئی خواہش نفسانی پیدا ہوگی تو بلا روک ٹوک اس کو تمام پہنچایا جائے گا۔ اور ہر قسم کی بداخلاقی اور گوناگوں فسق و فجور خوب جی بھر کر نہایت آسانی سے کیا جائے گا کیونکہ پہلی صورت میں اعمال حسنہ کے جاتے رہنے میں ایمان کے جاتے رہنے کا ایک زبردست اندیشہ لاحق تھا جس کے باعث ایمان عزیز کی محبت و حفاظت کی خاطر افعال قبیحہ سے اجتناب کرنا ایک ضروری امر تھا۔

مگر اب دوسری صورت میں بدعملی و فسق و فجور کے غلبہ و استیلاء میں ایمان کے ضائع ہونے کا خوف جاتا رہا' اس لیے اس زعم باطل میں اعمال حسنہ و اخلاق فاضلہ کی حفاظت و صیانت کا کوئی معقول امکان یا ذریعہ باقی نہ رہا۔

یہی وجہ وحید و عظیم ہے کہ جن لوگوں نے ایمان و عمل میں تفریق کر دی ہوئی ہے ان کے لاکھوں پرہیزگار انسانوں کو بھی اگر قرآنی معیار تقویٰ پر پرکھا جائے تو ایک انسان بھی صحیح طور سے پابند شرع و متقی اور خلیق نہیں پایا جا سکتا۔ اور نہ کبھی پایا جائے گا۔ الا ماشاء اللہ۔

اس کفر و ضلالت کی تمام تر ذمہ داری فرقہ مرجیہ پر ہے جنہوں نے افتراق ایمان و عمل کی بدعت ایجاد کر کے امت مسلمہ کی بیشتر حصہ کو قعر ذلت و ہلاکت میں ڈال کر کے خود بھی گمراہ ہو گئے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

اے مسلمان اپنے دل سے پوچھ ملا سے نہ پوچھ
ہوگیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم؟

لیکن صحابہ کرامؓ سرتاپا مجسمہ عمل و پیکر اخلاق تھے کیونکہ ان کے نزدیک ایمان و عمل

ایک ہی حقیقت کے دو نام تھے۔

اس کا لب لباب یہ ہوا کہ جب تک ایمان و عمل کو ایک شے تسلیم نہ کیا جائے اس وقت تک انسان عملی و اخلاقی زندگی حاصل کرنے سے محروم رہے گا۔ اور جب کوئی حسن عمل و خوش خلقی کے لباس فاخرہ سے ملبوس ہو کر خدائے احکم الحاکمین کی طرف گامزن نہ ہو تب تک ہم نشینی و جمال حق سے لطف اندوز ہونا تو کیا اس کے دربار تک بھی رسائی ناممکن ہے۔

کیونکہ انسانی موت و حیات اور کائنات کے رنگ و بو میں خلاق ارض و سما کے خاص مقصد صرف حسن عمل و تزکیہ نفس اور محاسن اخلاق ہیں۔

پس جو قوم وامت من حیث الجماعت ان مقاصد الیہ کو بحسن خوبی اتمام و انجام دینے میں بحد کمال مساعی جمیلہ سے کام لیتی رہی تو وہ اپنی عبودیت کا حق ادا کرنے میں کافی حد تک کامیاب ہو جائے گی۔ اور پھر وہی خدائے قدوس کی مخلوقات کی رہنمائی و خلافت ارضی کا حق حاصل کرنے میں خدا کے ہاں پیش پیش ہوگی۔ ورنہ محروم ہی رہے گی۔

یہی وہ سراعظم و حقیقت مستورہ ہے کہ قرآن نے ایمان و عمل کو شئے واحد قرار دے کر امت مسلمہ کو پیدا کرتے ہوئے سرتاپا عمل و اخلاق بنا کر تمام بنی نوع کی ہدایت و تبلیغ کے لیے نمونہ کے طور پر پیش کر دیا ہے۔

پس اسی حقیقت کبریٰ و مستورہ کی تحصیل کے لیے "جماعت اسلامیہ" نے قرآن مجید و احادیث صحیحہ کی روشنی میں ایمان و عمل کو ایک اس لیے قرار دیا ہے کہ ایمان جن عناصر ثلاثہ کا مجموعہ ہے عمل صالح ان میں خاص الخاص اہمیت رکھتا ہے مگر ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر عمل صالح کے پابند شخص کو مومن نہیں کہا جائے گا۔ لیکن بخلاف اس کے ہر ایمان دار انسان میں اعمال صالحہ کا پیدا ہونا بہرکیف لابدی و یقینی ہے' ورنہ اس کو مومن کہنا غلط ہوگا۔

آغاز بحث

قرآن و جماعت اسلامیہ کے نزدیک "اسلام' ایمان" اور عمل صالحہ' ایک چیز ہے اور یہ تینوں ایک ہی حقیقت کے مختلف نام ہیں اور کفر اس کی ضد ہے۔

بحث اول۔ ایمان و اسلام اور مومن و مسلم کی وجہ تسمیہ

ایمان مشتق ہے "امن" سے جس کے معنی ہیں امان دینا' چونکہ مومن ایمان لا کر اپنے نفس کو امان دے دیتا ہے اس لیے اس کو مومن کہتے ہیں مگر یہ جب ہوتا ہے کہ انسان شرعی اصطلاح کے مطابق صحیح طور سے کامل ایمان لے آئے۔ یعنی ایقان کامل' اقرار صادق اور اعمال صالحہ' کا حامل و عامل ہو جائے کیونکہ ان تینوں عناصر کے مجموعہ کا نام اسلام کے لغت میں "ایمان" ہے۔ اور اگر ایک عنصر بھی نہ ہو یا ہو تو صحیح و کامل نہ ہو تو اس کو قرآنی زبان قدسی میں مومن نہ کہا جائے گا۔

کیونکہ ہے یہ جامع ایقان و اقرار و عمل
ایک عنصر بھی نہ ہو کامل توہے مہلک شرر

اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنٰی میں سے ایک نام "مومن" بھی ہے چونکہ وہ ذات پاک بھی صرف اپنے صالح اور متقی بندوں کو ہر دو جہان کے مصائب و آلام سے محفوظ و مامون کر دیتی ہے' اس لیے اس کو مومن (یعنی امن دینے والا) کہتے ہیں۔ بس جب اس نام کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کی جائے تو اس کے یہی معنی ہوتے ہیں اور جب اس کی نسبت عبد صالح و متقی کی طرف کی جاتی ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ اس بندۂ حق نے اپنے تئیں ہلاکت و بربادی' ذلت و رسوائی اور ہر قسم کے گناہوں اور عذابوں سے مامون و مصئون کر لیا ہے۔

ٹھیک ٹھیک اسی طرح لفظ "اسلام" کا مادہ "سلم" ہے۔ جو مختلف اشکال و حرکات میں آکر مختلف معانی پیدا کر لیتا ہے۔ پس انہی میں سے ایک لفظ "سلم" ہے جس کے معنی ہیں سلامت رکھنا۔ چونکہ "دین اسلام" "دارالسلام" یعنی سلامتی کا گھر یا مقام بہشت ہے تو جو

شخص اسلام قبول کر کے اپنے آپ کو بلحاظ جان و مال محفوظ و سلامت کر لیتا ہے اس لیے اس کو "مسلم" یا "مسلمان" کہتے ہیں۔

پھر اس اسلام کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ناقص اور کامل۔ قسم اول کی تعریف یہ ہے کہ انسان مصائب و آلام کفر سے بچنے کی خاطر ظاہر طور پر اسلام لا کر زبانی "کلمہ شہادت" ادا کرنے کے بعد چند ظاہری امور اصطلاحاً یعنی صوم و صلوٰۃ کی پابندی کرتے ہوئے اپنے تئیں اسلام میں شامل کر کے مسلمان کہلا کر جان و مال کو سلامت و محفوظ کر لے۔ لہٰذا شریعت میں ایسا شخص بھی مسلم کہلائے گا کیونکہ شریعت کا فتویٰ ظاہر پر ہوتا ہے نہ کہ باطن پر۔ اور یہی وہ اسلام ہے جو صرف اسی دنیائے فانی میں مفید ہو سکتا ہے۔ آخرت میں اس سے کسی قسم کا فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ ظاہری تسلیم و اطاعت لغت کے اعتبار سے اسلام اور شریعت کے رو سے منافقانہ اسلام کہلاتا ہے یہی وجہ وحید ہے کہ صدر اسلام میں منافقین (کی ایک قسم جو اسی طرح کی تھی) بھی صوم و صلوٰۃ اور بددلی کے ساتھ زکوٰۃ و جہاد وغیرہ کے بھی ایک حد تک پابند تھے۔ کیونکہ مسلمان ظاہر کرنے کے لیے ایسی اطاعت کیشی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ گویا منافق ہونے کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ اسلام کی ظاہرا پابندی و اطاعت کریں۔ مگر افسوس و صد افسوس ان بندگان غفلت و جہالت پر جو اپنے دین و اسلام کا ثبوت ان منافقین کی طرح بھی نہیں دے سکتے اور اپنے آپ کو مسلمان کہلانے میں ذرہ بھر شرماتے نہیں۔ پھر لاکھ افسوس ان مدعیان علم پر جو قرآن کے واضح اور روشن دلائل پر بھی پے در پے حجابات ڈال کر ایسے لوگوں کو مسلمان اور جنت کا مستحق سمجھتے ہیں۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا است
کار طفلاں خراب خواہد شد

پس بے شک اس قسم کا اسلام ایمان سے بہت کم بلکہ ایمان سے کسی قسم کا واسطہ نہیں رکھتا۔

لیکن قسم دوم کی تعریف یہ ہے کہ انسان شرعی اصطلاح کے موافق صحیح معنوں میں اسلام کے جملہ اصول و قواعد اور اوامر و نواہی کو سچے دل سے تسلیم کر کے ان کی کامل طور

سے بجا آوری اور اطاعت و انقیاد کرتا رہے۔ اور اپنے زعم میں خداوند تعالیٰ اور اس کے رسول برحق اور جماعت اسلامیہ کو کسی طرح کا دھوکا اور مکر و فریب نہ دے۔ یعنی بالفاظ دیگر خود کو کامل طور سے ہر دو جہان کے رنج و غم اور عذابوں سے سلامت رکھنے کے لیے "قلب سلیم" حاصل کر لے۔ پس اس کا نام اسلامی لغت میں کامل اسلام ہے۔ اور یہی وہ مقام مرتفعہ و مرتبہ جلیلہ اور شرح صدر و نور قلب ہے جو ایمان کامل سے اعلیٰ یا برابر ہو جاتا ہے۔

اور یہی وہ ایمان و اسلام ہے جس کو حکیم مطلق نے قلبی نور سے تعبیر فرمایا ہے' جو بجلی کے اثر سے بھی جلد تر کائنات جسم و جان اور بدن کے ہر ہر رگ و ریشہ میں سرایت کر کے تمام اعضا اور قویٰ کو مطیع حق کر دیتا ہے جس کا عقلی و نقلی ثبوت آئندہ اوراق میں دیا جائے گا۔

پس یہی وہ صحیح توجیہ ہے جس کے باعث ہم ایمان و اسلام کو ایک قرار دیتے ہیں۔

جس وقت حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی تباہی کا وقت قریب آگیا کیونکہ وہ اغلام و لواطت جیسی انسانیت سوز بدعملی کی انتہا کو پہنچ چکی تھی تو خدائے منتقم و عادل نے اسی بستی کے ایک ہی گھر کو بچا کر ساری بستی پر پتھر برسائے' اس گھر کا نام حق تعالیٰ نے مومن بھی رکھا اور مسلمان بھی جیسا کہ ارشاد باری ہے کہ

پس اس بستی میں جتنے بھی مومن تھے ہم نے انہیں (نزول عذاب سے پہلے ہی) وہاں سے نکال لیا ○ سو بغیر مسلمانوں کے ایک ہی گھر کے اور کوئی گھر مسلمانوں کا وہاں ہم نے نہ پایا ○

(قرآن پارہ ۲۷ سورۃ الذاریات رکوع ۲)

اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ جو مومن ہے وہی مسلم بھی کیونکہ یہاں ایک ہی گھرانہ حضرت لوطؑ کو مومن و مسلم کہا گیا ہے علاوہ ازیں ایک اور موقع پر حواریین عیسیٰ نے جب دعوت عیسوی کو قبول کر کے جماعت اسلامیہ میں شمولیت کر لی تو کہا کہ۔

ہم اللہ کے طرف دار ہیں' ہم اللہ پر ایمان لائے' اور (اے حضرت عیسیٰ!) آپ

گواہ رہئے کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں ○

(قرآن پارہ ۳ سورۂ آل عمران رکوع ۵)

یہ دونوں آیتیں ایمان و اسلام کے ایک قرار دینے پر تائید و تصدیق کرتی ہیں۔

سوال:

مخالفین کا یہ کہنا کہ مومن مسلم تو کہلا سکتا ہے لیکن مسلم مومن نہیں کہلا سکتا کیونکہ اسلام کا درجہ ایمان سے کم ہے جیسا کہ ارشاد حق تعالیٰ اس پر اول ہے کہ

یہ گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اے نبی! آپ اعلان کر دیجئے کہ تم ابھی ایمان نہیں لائے' اس لیے تم یہ کہو کہ اسلام لائے ہیں' کیونکہ ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

(قرآن پارہ ۲۶ سورۃ الحجرات رکوع ۲)

بالکل غلط ہے اور یہ کہ ایمان محض تصدیق قلب کا نام ہے کیونکہ اس کا تعلق ہی دل سے ہے۔ یہ بھی غلط فہمی پر مبنی ہے۔

جواب:

حقیقت یہ ہے کہ ہر لفظ کے معنی دو ہوتے ہیں ایک لغوی' دوسرے اصطلاحی۔ لیکن اس کا استعمال اور موقع و محل خود بتا دیتا ہے کہ یہاں کون سے معنی مراد ہیں۔ اگر اس نکتہ کو فراموش کر دیا جائے تو حقیقت محجوب بلکہ مفقود ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ اس موقع پر اکثر علماء کو غلط فہمی لاحق ہو گئی ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ یہاں "اسلمنا" (یعنی ہم اسلام لائے) لغوی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے' نہ کہ شرعی اصطلاح اسلام میں۔

تحقیق اسلام از روئے لغات القرآن

اسلام' دین اسلام' تابعداری کرنا' مسلمان ہونا بروزن افعال مصدر ہے۔ شریعت میں

اسلام کی دو قسمیں ہیں (جیسے کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے) ایک وہ جس سے انسان کی (ظاہری طور پر اس دنیا میں) جان و مال محفوظ ہوجائے یعنی اسلام کا صرف زبان سے اقرار خواہ اعتقاد ہو یا نہ ہو۔ اس کا درجہ ایمان سے نیچے ہے۔ آیت شریفہ (گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے تو کہہ کہ تم ایمان نہیں لائے پر کہو کہ ہم مسلمان ہوئے) میں یہی اسلام مراد ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ زبان کے اعتراف کے ساتھ ساتھ دل سے اعتقاد ہو ' عمل سے پورا کرے' اور قضاؤ قدر الٰہی کے آگے گردن جھکا دے۔ آیت شریفہ (جو یقین رکھتا ہے ہماری باتوں پر سو وہ حکم بردار ہیں) میں بھی اسلام مراد ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق جو ارشاد ہے کہ (یاد کرو جب اس کو اس کے رب نے کہا کہ حکم برداری کرا تو بولا کہ میں حکم بردار ہوں تمام عالم کے پروردگار کا) یہاں بھی اسی دوسری قسم کے اسلام کا ذکر ہے۔اس کا درجہ ایمان سے بھی بڑھ کر ہے۔

(مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ جلد اول لفظ اسلام مکتبہ برہان مطبوعہ جید برقی پریس ص ۹۲۔ ۹۳)

یا یوں سمجھئے کہ

"اسلام کا مادہ" سلم ہے' جو باختلاف حرکات مختلف اشکال میں آکر مختلف معانی پیدا کرتا ہے لیکن لغت کہتا ہے کہ "سلم" (بفتحتین) لغۃ "اسلام کے معنی کسی چیز کے سونپ دینے' طاعت و انقیاد' اور گردن جھکا دینے کے ہیں۔ اسی سے "تسلیم" بمعنی سونپ دینے کے اور "استسلم" (ای انقیاد و اطاعت) آتا ہے اور فی الحقیقت لفظ "اسلام" بھی انہی معانی پر مشتمل ہے۔ (ا)

یعنی اگر ایک شخص قرآن مجید پر دل سے تو ایمان نہیں لاتا' مگر چار و ناچار اعضاؤ قوی اور ظاہری جسمانی طور پر اقرار اسلام کرلیتا ہے تو اس پر بھی لفظ "اسلام" کا اطلاق ہو سکتا ہے لیکن یہ اطلاق اس کی حقیقت پر نہ ہو گا جو اس کو اخروی عذاب سے بچا سکے مگر بخلاف اس کے جو شخص دل و دماغ اور ظاہری و باطنی طور پر قرآن پر ایمان لا کر اس کو عملی جامعہ پہنا دیتا ہے' تو اس کو بھی لفظ "مسلم" سے ہی تعبیر کیا جائے گا' گو یہ شخص حقیقت و نجات

اخروی کے لحاظ سے صحیح معنوں میں مسلم و مومن ہے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا تاکہ موخر الذکر کو صرف مومن ہی کہا جائے گا اور مسلم سے تعبیر کیا جائے گا۔ اس صورت میں اسلام و ایمان کی حقیقت ایک ہے۔ اور ان میں کوئی تفریق و مغائرت نہیں۔

یا یوں سمجھنا چاہیے کہ لفظ اسلام کا ایک سرا کفر کی سرحد سے ملتا ہے اور دوسرا سرا عین ایمان کے دارالخلافہ بلکہ شاہی محل میں جا داخل ہوتا ہے گویا اس قدر وقعت حاصل کر لیتا ہے کہ بعض وقت ایمان سے بھی افضل ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

تو یہاں جن لوگوں کے دعوائے ایمان کے جواب میں اسلام تسلیم کیا گیا ہے وہ دراصل ابھی حلاوت ایمان سے ناآشنا تھے اس لیے ان کے شایان شان نہ تھا کہ وہ ایمان کا دعویٰ کرتے کیونکہ وہ حوادثات زمانہ سے تنگ آکر اسلامی دارالامان میں محض امن حاصل کرنے کی خاطر حاضر ہوئے تھے اور اسلام کا امن پرور ہونا ہی باعث نفرت کفر اور موجب الفت اسلام ثابت ہو رہا تھا جس کی وجہ سے انہیں جھوٹا کہہ کر واپس نہیں کیا گیا بلکہ انہیں اسلام میں داخل کر کے ان کی غلط فہمی ایمان کا ازالہ کرتے ہوئے تازہ اسلام لانے کے سرِ اول و ظاہری اطاعت و انقیاد کا سبق دیا گیا کہ ابھی تم مرکز اسلام میں جس کا دوسرا نام ایمان ہے داخل نہیں ہوئے' بلکہ سرحد کفر سے نکل کر سرحد اسلام میں داخل ہوئے ہو جس کا نام اولین اسلام ہے۔

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام بہر حال ایمان سے کم درجہ رکھتا ہے اور کبھی کبھی ایمان کے برابر نہیں ہوتا۔ بلکہ قرآن و جماعت اسلامیہ کا نظریہ ہے کہ اسلام اپنے درجہ میں ترقی کرنے کے بعد ایمان سے بھی بڑھ جاتا ہے' اور اگر یوں ثابت نہ ہو سکے تو بہر کیف تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ دونوں نام ایک ہی گوہر حقیقت کے ہیں اور یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں بلکہ بہت سے دلائل و براہین موجود ہیں اور وہ یہ ہیں جیسا کہ خدائے احکم الحاکمین کا ارشاد ہے کہ

اے وہ لوگوں! جو ایمان لا چکے ہو اب تم اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو' اس امر کو یقیناً" باور کر لو کہ وہ (شیطان) تمہارا دشمن

ہے

(قرآن پارہ ۲ سورۃ البقرہ رکوع ۲۵)

اب اس آیت سے بالبداہت یہ ثابت ہوا کہ ایمان کا درجہ کم اور اسلام کا زیادہ ہے۔ کیونکہ جو لوگ قصر ایمان میں داخل ہو چکے ہیں انہیں کو اب قصر اسلام میں داخل ہونے کی نہایت حکیمانہ ترغیب دی جا رہی ہے۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

بعض حضرات کو اس آیت سے استدلال کرنے میں غلطی فہمی لاحق ہو گئی ہے کہ ایمان پہلی حالت اعتقادی کا نام ہے اور اسلام دوسری حالت عملی کا' کیونکہ یہاں آیا ہے "یاایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافنہ"

اس کا معقول جواب یہ ہے کہ کسی مسئلہ کے استنباط کے لیے یہ اصول صحیح نہیں کہ کسی ایک ہی آیت یا حدیث کے بعض حصے کو اپنے مطلب کے لیے پھیرا جائے اگر حقیقت ایسی ہو تو پھر قرآن و حدیث سے وہ کفریات ثابت کیے جائیں کہ العیاذ باللہ۔

بلکہ صحیح راستہ یہ ہے کہ قرآن و احادیث کے تمام دلائل سامنے رکھ کر فیصلہ دینا چاہیے ورنہ اغلب ہے کہ ہدایت کے بجائے ضلالت کی تبلیغ شروع ہو جائے۔

پس اب ہم جواب پیش کرتے ہیں کہ سب سے پہلا جواب تو مومنین لوطؑ کے ایمان و اسلام کی آیت میں موجود ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر آیت میں الفاظ کی تاخیر و تقدیم سے ہی ایمان کو اعتقادی اور اسلام عملی حالت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے تو پھر حق تعالیٰ نے یوں کیوں فرما دیا کہ

> بے شک مسلم مرد اور مسلمہ عورتیں' اور مومن مرد اور مومنہ عورتیں اور فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں اور راست گو مرد اور راست گو عورتیں الخ وغیرہ وغیرہ ان سب کے لیے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے○

(قرآن پارہ ۲۲ سورۃ الاحزاب رکوع ۵)

اس میں اسلام پہلے ' اور ایمان بعد میں لایا گیا ہے علاوہ ازیں اگر ایمان و اسلام میں فرق ہے تو پھر دونوں کے لیے بخشش کیسے ثابت ہو گئی جب کہ اسلام صرف ظاہر حالت کا نام ہے؟

پھر دوسرے مقام پر یوں فرمایا کہ

جو ہماری آیتوں پر (صحیح) ایمان لاتے ہیں تو وہی مسلم بھی ہیں۔

(قرآن پارہ ۲۱ سورۃ الروم رکوع ۵)

اور پھر جابجا مومنین کے ساتھ دین و دنیا کی کامرانی کے وعدے جو کیے گئے ہیں تو کیا یہ قانون قدرت ہے کہ بے عمل اعتقادیوں کو اعلان کیا جائے؟ اگر ایسا ہی ہے تو پھر آج اس روئے زمین پر یہ اعتقادی مومنین ذلیل و خوار کیوں ہے؟

ہیں آج کیوں ذلیل جو کل تک نہ تھی پسند
گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں؟

غرض یہ کہ اس طرح کا استدلال نہایت بے معنی و بے جا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اس فصل کے تمام و کمال دلائل پر غور و فکر کر لی جائے۔

مزید برآں ایک خاص قابل توجہ امر یہ ہے کہ اس آیت کی شان نزول دیکھ لینی چاہیے کہ یہ کس موقع اور کس گروہ پر نازل ہوئی ہے اگر اس کا نزول کسی بے عمل اعتقادی مومنوں پر ہوا ہے تو پھر بھی دوسرے دلائل کو نظر انداز کر کے یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ مذکورہ بالا آیت نمبر ۱۵۱ جس میں ہے کہ "اے ایمان والو! پوری مسلمانی میں داخل ہو جاؤ) میں ایمان سے مراد صرف اعتقاد اور اسلام سے مراد صرف نقطہ عمل ہے۔

لیکن اگر یہ کسی متقی و مخلص گروہ مومنین کے حق میں چند عارضی اسباب کی بنا پر نازل ہوئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اے باعمل مومنو! آپ پورے کے پورے مومن ہو جاؤ اور کسی ایک امر دین کو بھی نظر انداز نہ کرو' جس کا مطلب یہ ہے کہ باعمل مومنوں کو ہی کامل مومن بنانے کے لیے یہ الفاظ فرمائے گئے۔

الغرض بقول حضرت عکرمہؓ یہ آیت چند یہود کے حق میں نازل ہوئی جو مسلمان ہو گئے تھے' جیسے عبداللہ بن سلام و اسد بن عبید ثعلبہ ایک دفعہ انہوں نے حضور سے اجازت چاہی کہ ہم سنیچر کو مانیں' اور رات کو توراۃ پڑھا کریں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شائر اسلام کو قائم کرو سوائے اسلام کے (دوسری) کسی چیز میں مشغول نہ ہو۔

نیز حضرت ابن عباس نے کہا کہ اس آیت میں مومنین اہل کتاب مراد ہیں جو باوجود ایمان لانے کے بعض امور توراۃ کو پکڑے ہوئے تھے ان کو حکم ہوا کہ تم دین اسلام کو پکڑو اور کوئی شے اسلام کی نہ چھوڑو تورات پر فقط (اعتقادی) ایمان لانا ہی تمہارے لیے کافی ہے۔

(تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان جلد اول آیہ مذکورہ ص ۲۷٦)

اور یہ مسلمہ امر ہے کہ عبد اللہ بن سلام محض اعتقادی مومن نہ تھے بلکہ صحیح طور سے مومن تھے مگر صرف دو وجہیں قابل اعتراض تھیں جن کی اصلاح کی گئی لہٰذا اس سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایمان و اسلام میں فرق ہے لہٰذا اب ہم مزید دلائل و براہین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

چنانچہ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ

اے مومنو! تم خدائے قادر سے اس حد تک ڈرو جہاں تک اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور تم (صرف) اس حالت پر مرنا جب کہ مسلمان ہو۔

(قرآن پارہ ۴ سورہ آل عمران رکوع ۱۱)

یہاں بھی واضح کیا گیا کہ درجہ ایمان پہلی زندگی کا نام ہے اور مرتبہ اسلام آخری سٹیج ہے وہ بھی وہ جو موت کے لیے ضروری اور مقصود بالذات ہے کیونکہ اسلام وہ موت دینا پسند کرتا ہے جو مرنے والے کے لیے از حد مفید ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک ایمانی مرگ کی نسبت اسلامی موت زیادہ قابل قدر و وقیع ہے کیونکہ اسی کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ اور از روئے قرآن مجید

اسی (موت مقصودہ) کی وصیت حضرت ابراہیم و حضرت یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو کرتے ہوئے کہا کہ اے ہمارے بیٹو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین (اسلام) کو پسند فرمایا ہے پس (یاد رہے کہ یہ مضبوط رسی ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے اور یہ کہ) جب موت آوے تو اس وقت تم حالت اسلام میں رہنا (تاکہ موت اسی حال میں آئے)

(قرآن پارہ اول سورۃ البقرہ رکوع ۱۶)

اس سے بڑھ کر دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام خلعت امامت سے سرفراز کیے گئے اور آپ کو بمعہ اپنے فرزند ارجمند کے کعبہ معظمہ کی بنیاد رکھنے کا حکم دیا گیا تو باپ بیٹا دونوں مل کر جب اس خدمت اعلیٰ کو انجام دے رہے تھے تو یہ دعا کر رہے تھے کہ

اے ہمارے پالنہار! تو ہم دونوں کو اپنے لیے مسلمان کر دے (تاکہ تیری اطاعت کریں) اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت ایسی پیدا کر جو محض تیرے لیے مسلمان ہو۔

(قرآن پارہ اول سورۃ البقرہ رکوع ۱۵)

دیکھیے حضرت ابراہیمؑ نبی بر حق ہونے کے باوجود مرتبہ اسلام حاصل کرنے کی دعا اس وقت مانگتے ہیں جب آپؑ ایک زبردست خدمت انجام دے رہے تھے اور اس کے معاوضہ میں جو چیز مطلوب و مقصود تھی یعنی نہایت ضروری و مفید تھی تو وہی طلب کی اور وہ درجہ جلیلہ صرف اسلام تھا نہ کہ اور کچھ۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنی زندگی معمورہ مصائب و آلام گزارنے کے بعد جب بام عروج حاصل کر لیتے ہیں تو عین اس بلند و مرتفع و مقام مقدس سے یہ دعا کرتے ہیں کہ

اے میرے رب! بے شک تو نے مجھ کو ارضی سلطنت کا ایک اہم حصہ عنایت کیا اور مجھ کو علم تعبیر سے بھی نوازا اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا دنیا و آخرت میں دوست ہے۔ پس اب تو مجھے حالت اسلام ہی میں فوت کر

دے۔ اور نیکو کار و صالح جماعت میں شامل کر دے۔

(قرآن پارہ ۱۳ سورہ یوسف رکوع ۱)

اس کے بعد جب ساحران فرعونی حقیقت موسیٰ کے آگے عاجز آ کر جھک گئے اور فرعونی کفرو شرک سے تائب ہو کر ایمان لاتے ہیں تو عین اسی انثناؤ محن میں جب کہ فرعون ملعون ان مجسمائے حق و صداقت و پروانہائے شمع اسلام کو محض اس پاداش جرم میں گوناگوں عذاب شدید میں مبتلا کر کے دنیائے دوں سے رخصت کرنا چاہتا تھا کہ وہ اس کی باطل ربوبیت و کذاب الوہیت سے برگشتہ ہو کر رب حقیقی و معبود واحد پر دل و جان سے ایمان لا کر اپنی عبودیت حقیقی کا ثبوت دینے لگے ہیں۔" یہ دعا کرتے ہیں کہ

اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں (ان مصائب و آلالم کے برداشت کرنے کے لیے) صبر (عظیم) عنایت کر، اور ہمیں حالت اسلام میں موت نصیب کر۔

(قرآن پارہ ۹ سورۃ الاعراف رکوع ۱۴)

ایک اور مقام پر زبان حق یوں مترنم ہوتی ہے کہ

اور (اے میرے بندو!) تم اپنے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایسا جہاد کرو جیسا کہ اس کے کرنے کا حق ہے (کیونکہ) اس نے تمہیں (دیگر ساری امتوں سے) ممتاز کیا ہے اور اس نے تمہیں دینی احکام دینے کی کوئی سختی (وغیرہ) نہیں کی (بلکہ آسانیاں ہی آسانیاں ہیں اگر تم سمجھ بوجھ رکھتے ہو) تم اپنے باپ حضرت ابراہیم (خلیل اللہ) کی ملت پر قائم ہو۔ اور (یاد رکھو کہ) اس (اللہ تعالیٰ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

(قرآن پارہ ۱۷ سورۃ الحج رکوع ۱۰)

پھر ایک دوسری جگہ۔ لسان الہی یوں گویا ہوتی ہے۔

آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین کامل کر دیا (جس میں اب کوئی کمی یا نقص وغیرہ باقی نہیں رہا) اور میں نے اپنی (تمام) نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور میں نے تمہارے لیے دین اسلام ہی کو پسند کیا ہے (لہذا تم بھی اسے پسند خاطر کر کے اس کے احکام کی پیروی کرو)

(قرآن پاہ ٦ سورۃ المائدہ رکوع اول)

علاوہ ازیں ایک اور موقع پر یوں لب کشائی ہوتی ہے کہ

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین (اسلام ہی پسندیدہ دین) ہے

(قرآن پارہ ٦ سورۃ آل عمران رکوع ۲)

پس اب مذکورہ بالا آیات قرآن پر غور و تدبر کر کے نتیجہ نکالنا ہے کہ اگر (واقعی بقول مخالفین) اسلام کا درجہ ایمان سے کم ہے' اور یہ کہ اسلام دلی عقیدہ و قلبی نور حق سے محروم' محض ظاہری اطاعت و انقیاد کا نام ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بجائے خاتمہ ایمان (جو بقول مخالفین قلبی انوار ایسہ کا باعث و موجب ہے) کے صرف ظاہری و خشک اطاعت اسلام پر اپنی موت چاہتے ہیں؟ اور خدائے عزیز حکیم نے ہمارے دین کا نام بجائے "دین ایمان" کے "دین اسلام" کیوں رکھا ہے؟

پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ خدائے ہادی بر حق نے اپنے محبوب سید المرسلین و خاتم المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم کیوں دیا کہ

(اے نبی بر حق!) آپ اعلانیہ کہہ دیجئے گا کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی' اور میرا مرنا و جینا (محض و خالص) اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو رب العالمین ہے جس کا کوئی دوسرا شریک (و سہیم) نہیں۔ اور مجھے ایسا ہی حکم دیا گیا ہے۔ (کہ صرف اسی کا ہو کر رہوں اور صرف اسی کی اطاعت کروں) اور میں سب سے اول نمبر مسلمان ہوں○؟

(قرآن پارہ ۸ سورۃ الانعام رکوع ۲۰)

اور پھر آپ نے خود فرمایا کہ

سب تعریف اللہ تعالیٰ کی ہے جس نے میری پیدائش درست کی' پھر اس کو معتدل بنایا اور (پھر) میرے چہرے پر صورت بنائی اور پھر اس کو خوب صورت بنایا' اور مجھ کو مسلمانوں میں سے بنا دیا۔(۲)

اور پھر اس کے بعد آپ یہ دعا کرتے رہے کہ

اے اللہ! تو مجھے محفوظ رکھ اسلام کے ساتھ قائم رہنے کی حالت میں' اور مجھے

محفوظ رکھ اسلام کے ساتھ بیٹھے ہوئے' اور مجھے محفوظ رکھ اسلام کے ساتھ سوتے ہوئے۔(۳)

گویا آپ کو اگر کوئی فخر تھا تو اسلام کا اور اگر آپ نشست و برخاست اور چلنے پھرنے' سونے میں کسی چیز کو عزیز و محبوب رکھتے تھے تو وہ صرف اسلام تھا یعنی آپ ہر حالت میں اسلام سے منسلک رہنا چاہتے تھے حتیٰ کہ عالم جاودانی کے لیے بوقت رحلت دنیا اگر کسی شے کو ضروری اور مفید سفروزا دراہ سمجھتے تھے تو وہ اسلام ہے۔ چنانچہ آپ کے الفاظ مبارک یہ ہیں کہ

اے اللہ! تو ہمیں مسلمان فوت کر' اور تو ہمیں صالحین کے ساتھ ملا دے۔(۴)

اس سے صاف معلوم ثابت ہوا کہ آپ بمع اپنی "جماعت اسلامیہ" جو موت طلب کی تو وہ اسلامی موت تھی۔ علاوہ ازیں آپ نے انفرادی طور پر بھی جو دعا کی تو وہ یہ ہے کہ

اے اللہ تعالیٰ! .... تو میرا دوست (و مالک حقیقی) ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی' تو مجھے موت نصیب کر مسلمان ہونے کی حالت میں' اور ملا دے مجھ کو نیکو کاروں کے ساتھ۔(۵)

نہ صرف یہی کہ آپ نے بوقت سفر دنیا اسلامی موت طلب کی' بلکہ قیامت کے دن کے لیے بھی جب کہ آپ کی حق تعالیٰ و مالک یوم الدین سے ملاقات ہو گی یہی موت مقصود اور ذریعہ وصل محبوب حقیقی تھی۔ چنانچہ الفاظ قدسی ہیں کہ

اے اسلام و اہل اسلام کے مددگار! تو ہمیں اسلام پر ہی ثابت قدم رکھ' یہاں تک کہ میں تجھ سے آ ملوں۔(۶)

علاوہ ازیں آپ کے بعد آپ کے جاں نثاران اسلام نے بھی اسی موت مقصودہ و مطلوبہ کو بوقت الوداع طلب کیا۔ چنانچہ آپ کے یار غار حضرت صدیق اکبرؓ اپنے آخر لمحہ دنیا میں یہ دعائے یوسفی کرتے ہوئے رخصت ہوئے کہ۔

اے اللہ! تو ہی میرا دنیاؤ آخرت میں دوست ہے۔ (لہذا) مجھے مسلمانی کی حالت میں موت دے' اور مجھے جماعت صالحین کے ساتھ ملاقی کر دے۔(۷)

حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ

اے اللہ! بے شک تو نے فرمایا ہے کہ تم مجھ سے مانگو' میں قبول کروں گا اور بے شک تو اپنا وعدہ خلاف نہیں کرتا۔ پس بے شک میں سوال کرتا ہوں کہ جس طرح تو نے مجھے اسلام ہدایت کیا ہے (اسی طرح اس پر قائم رکھ) اور اس کو مجھ سے نہ چھین حتی کہ مجھے موت آ جائے اور میں (اس وقت حالت اسلام میں) مسلمان ہی ہوں(۸)

یہ ہیں وہ دلائل و براہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا رتبہ ایمان سے بہت بڑا ہے کہ سب بزرگان دین اسی پر رہنا اور مرنا چاہتے تھے۔ لیکن اگر اب بھی مخالفین کو اپنے دعویٰ پر اصرار ہے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ حضرت ابراہیم خلیلؑ اور حضرت رسول مقبولؐ اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ بھی اسلام و ایمان کی تفریق حقیقت سمجھنے سے قاصر و عاجز تھے۔ (العیاذ باللہ)

یا یہ کہ اپنے تئیں قلبی ضیاء ایمان و دلی اعتقاد کے انوار حق سے محروم رکھے ہوئے "قالت الاعراب امنا قل لم تومنو ولکن تولوا اسلمنا" کے رو سے اسلام کے ادنیٰ درجہ کے حامل ہو کر ایمان کے اعلیٰ درجہ سے بے بہرہ رہے۔ (العیاذ باللّٰہ)

اور اگر ایسا نہیں تو پھر صاف بات یہ ہے کہ ایمان و اسلام ایک ہی محبوبہ فطرت کے دو مختلف صفاتی نام ہیں۔ خدائے حکیم نے جہاں جیسا چاہا وہاں ویسا ہی استعمال کیا۔ لیکن بخلاف ان کے ایمان موت کے طلب کرنے کی بھی دعائیں موجود ہیں۔ مثلاً جنازے کی دعا مشہور ہے مگر ان سب پر غور و تدبر اور عقل شعور سے کام لیا جائے۔ تو حقیقت سب کی یہی ثابت ہوتی ہے کہ ایمان و اسلام ایک شے ہے۔

رہی مسلم و بخاری اور ترمذی کی وہ حدیث جس میں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان و اسلام کے متعلق سوال کیا۔ اور آپؐ نے دونوں کی علیحدہ علیحدہ تعریف کر کے یہ بتا دیا کہ ایمان صرف قلبی اعتقادات و انقیاد کا نام ہے۔ اور اسلام محض ظاہری تسلیم و بدنی اطاعت کا۔(۹)

تو اس کے جواب میں ہم بھی اسی صحیح مسلم و بخاری وغیرہ کی وہ حدیث بیان کر کے اس بحث کو ختم کرنا چاہتے ہیں کہ جو اسی کتاب الایمان میں حضرت ابو جمرہ سے مروی ہے کہ

میں حضرت ابن عباس کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو آپ مجھ کو اپنے تخت پر بٹھا کر فرماتے تھے کہ تو میرے پاس رہ تاکہ میں تجھ کو اپنے مال میں سے کچھ حصہ دوں۔ پس میں دو مہینے رہا کہ اتنے میں عبدالقیس کا وفد خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو گیا۔ تو حضور کے اور ان کے درمیان سوال و جواب ہوئے۔ آخر میں حضور نے چار چیزوں سے منع کیا۔ اور چار کا حکم کرنے کے بعد استفسار فرمایا۔ کہ تم جانتے ہو ایمان کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ خدائے واحد و محمد کی توحید و رسالت کی شہادت دینا' نماز قائم کرنا' ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت سے پانچواں حصہ دینا ایمان ہے(۱۰)

مسلم و بخاری وغیرہ کی یہ دو روایتیں ایمان کی دو تعریفیں کر رہی ہیں۔ پہلی صرف قلبی اعتقاد کی' دوسری قلبی اعتقاد و جسمانی اطاعت و جانی و مالی قربانی کی۔ نتیجہ آخر وہی نکلا جو ہم نے کہا کہ ایمان اعتقادی و عملی حالت کے باہمی توافق و اتحاد کا نام ہے۔ اور پھر جا کر حقیقی اسلام سے مل جاتا ہے جس کے بعد لامحالہ یہی کہنا پڑتا ہے' کہ حقیقی اسلام ایمان ایک شے ہے۔

علاوہ ازیں ایک مشہور و معروف حدیث ہے۔ کہ اسلام کی پانچ بنیادیں یا پانچ ارکان ہیں۔ مثلاً ارشاد ہے کہ

بے شک اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ خدائے واحد کی شہادت دینا۔ نماز قائم کرنا' زکوۃ ادا کرنا۔ ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج۔(۱۱)

اس میں بھی اعتقادی و عملی احکام و فرائض کے مجموعے کا نام اسلام رکھا گیا ہے' اور اس سے پہلی حدیث میں ایمان۔

ایک اور حدیث نبوی ہے کہ

تمام اعمال میں بہتر عمل خدائے واحد پر ایمان لانا ہے۔ پھر اس کے بعد کا عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ پھر تیسرا درجہ عمل کا حج مقبول کا ہے۔(۱۲)

اس حدیث میں ایمان باللہ (جو علماء کے نزدیک محض ایک اعتقادی شے ہے) اور جہاد و

حج کو (جو عملی چیز ہے) اعمال سے تعبیر کر کے بتا دیا کہ در حقیقت ایمان عمل ایک ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمرو بن عبسہؓ نے حضور سے پوچھا "یا رسول اللہ! اسلام کیا ہے؟" فرمایا "خوش کلامی" اور کھانا کھلانا "پھر عرض کی ایمان کیا ہے"؟

فرمایا "صبر اور سخاوت کرنا" (۱۳)

اس حدیث میں بھی ایمان و اسلام کو عمل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ کھانا کھلانے اور سخاوت کرنے کو (جو در حقیقت ہیر پھیر سے ایک ہی شے ہے اس کو بھی آپ نے) ایمان و اسلام قرار دیا۔

پھر ایک اور حدیث ہے کہ جس میں رسول کریم صلعم فرماتے ہیں کہ

جس شخص میں تین چیزیں جمع ہوں گی وہی حلاوت الایمان سے لطف اندوز ہو گا (۱) جو کسی سے دوستی کرے تو محض اللہ کے لیے (۲) جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو دنیا و مافیہا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب رکھے (۳) جو پھر کفر کی طرف لوٹنے کی نسبت (جب کہ اللہ نے نجات دے دی) آگ میں گرنے کو زیادہ عزیز سمجھے (اور اگر کر جل جائے مگر کفر قبول کر کے زندگی حاصل نہ کرے)(۱۴)

بالکل اسی کتاب میں اور اسی حدیث کے متصل دوسری کتاب میں یوں ہے کہ جس میں تین چیزیں ہوں وہی ان کے طفیل حلاوت الاسلام سے لذت اندوز ہو گا اور وہ یہ ہیں (۱) جس کے نزدیک ساری مخلوقات کی نعمتوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول محبوب ہو (۲) جو لوگوں سے محض خدا کے لیے محبت کرے (۳) جو کفر کی طرف رجوع کرنے کو ایسا مکروہ سمجھے جیسا کہ آگ میں گر کر جلنا مکروہ سمجھتا ہے۔(۱۵)

کیا خوب فیصلہ نبوی ہے کہ پہلی حدیث میں وہی تین چیزیں فرمائیں جو دوسری میں ہیں مگر پہلی میں ان کو حلاوت الایمان (ایمان کی شیرینی) سے تعبیر کیا' اور دوسری میں حلاوت الاسلام (اسلام کی شیرینی) سے۔ گویا یوں فرمانا اس لیے تھا کہ جو لوگ حقائق الاسلام و نکات القرآن سے محروم رہ کر صحیح مسائل اخذ نہیں کر سکے ان کو معلوم ہو جائے کہ خدائے حکیم و رسول کریم کے نزدیک ایمان و اسلام و الگ الگ چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت مجوبہ و

مستورہ کے دو مختلف نام ہیں' جن کو اپنے موقع و محل کے لحاظ سے استعمال کیا جاتا ہے۔

داند آنکس کہ فصاحت بزبانے وارد
ہر سخن موقع و ہر نکتہ مکانے وارد

اسلام اور نور قلب

حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اسلام کو بخلاف نور قلب کے ظاہری تسلیم و اطاعت سے تعبیر کیا ہے وہ محض عربی دانی یا لغات عربیہ پر عبور کرنے کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ اسلام کے لغوی معنی وہی ہیں جو وہ بیان کرتے ہیں لیکن افسوس اس امر کا ہے کہ ہر ایک شے لغت کے آئینے میں دیکھی نہیں جا سکتی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کسی قوم یا مذہب و ملت کی اصطلاح کا بھی خاص تعلق ہوتا ہے۔ اس لیے جب کسی لفظ کو استعمال کیا جائے تو پہلے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ اس کا ماحول کیا ہے اور اس کا اطلاق کہاں کیا جا رہا ہے اگر اس بنیادی اصول کو نظر انداز کر دیا جائے تو ہمیشہ غلط فہمی لاحق رہتی ہے' پس یہاں بھی یہی صورت پیش آئی جس کے باعث اسلام کی حقیقت اور اس کے موقع و محل کو نہ سمجھا گیا۔ اور محض لغت کی روشنی میں اس کے معنی بتا دیئے گئے۔ کہ اسلام صرف ظاہری اطاعت و انقیاد کو کہتے ہیں مگر ہمارا ذہن چونکہ منطقی موشگافیوں سے کلیتہ" محروم' اور ہماری زبان علمی تراکیب و صرف و نحو کے ہیر پھیر سے بہر نوع بے بہرہ ہے' اس لیے ہم نے اسلام کو سیدھی سادھی تعلیم اخلاق و عمل سے سمجھا ہے' لہذا اسی طرح پیش کر کے ایک عملی و اخلاقی جماعت کے متلاشی ہیں۔ ہاں ممکن ہے کہ اگر ہم نے بھی اپنے تعلیمی معیار کو بلند کر دیا تو اس وقت ہم بھی اسلام کی سادہ خوبیوں و معنوی دل فریبیوں' عمل و اخلاق سے معمور صداقتوں کو ہیر پھیر کر فلسفیانہ انداز میں پیش کر سکیں۔

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ ملا ہے' نہ زاہد' نہ حکیم

مگر جب تک اسی حالت میں ہیں تو اس وقت تک دین فطرت کی تبلیغ و اشاعت بھی

موجودہ سادگی میں پیش کرتے رہیں گے' کیونکہ دل میں جو درد اور سوز و گداز ہے' وہ فضالت کی ڈگری حاصل کرنے تک انتظار نہیں کرنے دیتا۔

جز محبت ہرچہ بودم سود در محشر نداشت
دین و دانش عرض کردم کس بے چیزے برنداشت

البتہ ہم نے صرف یہی سمجھا ہے کہ کلمہ طیبہ کے کیا معنی ہیں' اور اس کے متقضیات کیا ہیں' اور مومن و مسلم کہلانے کی ذمہ داریاں کیا کیا ہیں۔ لہذا قبل اس کے کہ کوئی عالم و فاضل ہمارے بے علمی' اور اپنی کمزوریوں کی پردہ دری پر قلم اٹھانے کی زحمت گوارا کرے' ہم خود ہی علمی بے بضاعتی اور غیر عربی دانی کا اعتراف کر لیتے ہیں کہ

قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ نہیں رکھتا
فقیہہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

مختصر یہ کہ قرآن و حدیث میں صاف طور سے اسلام کو قلب سے منسوب کیا گیا ہے' گویا ایمان کی طرح اسلام کا مسکن بھی دل یا سینہ ہے مثلاً ارشاد حق ہے کہ

> پس جس شخص کو اللہ تعالٰی چاہتا ہے کہ اسے راہ راست دکھائے' تو اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کرے تو اس کے سینے کو تنگ (اور) بھنچا ہوا کر دیتا ہے گویا اس کو آسمان میں چڑھنا پڑ جاتا ہے۔ جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان پر اسی طرح اللہ کی پھٹکار پڑتی ہے۔ اور یہ (اسلام ہی) تمہارے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے۔ جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں ان کے لیے تو ہم اپنی آیتیں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ ان کے پروردگار کے ہاں ان کے لیے امن (و سلامتی) کا گھر ہے' اور وہ ان ہی کا دوست ہے۔ بہ سبب اس کے کہ وہ (نیک) عمل کرتے ہیں۔
>
> (قرآن پارہ ۸ سورۃ الانعام رکوع ۱۵)

ایک دوسرے مقام پر اسی شرح صدر کو جو اسلام کے لیے ہوتا ہے نور ربی سے تعبیر کیا ہے' چنانچہ ارشاد حق ہے کہ

> کیا پس وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالٰی نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو اور وہ اپنے

رب کے نور پر (زندگی بسر کرتا پھرتا) ہے۔ (کافر کے برابر ہو سکتا ہے؟)

(قرآن پارہ ۲۳ سورۃ الزمر رکوع ۳)

ان آیات کریمہ سے بالکل صاف ثابت ہو گیا کہ اسلام دل میں نور الٰہی بن جاتا ہے' اور بے ایمان آدمیوں پر در سینہ تنگ ہو جاتا ہے' گویا ان کے لیے آسمان پر چڑھنے کے برابر تنگی ہو جاتی ہے۔ لیکن بخلاف اس کے اسلام دارالسلام اور ہدایت الٰہی ہے وہ جس کے دل میں ایمان کی طرح داخل ہو جاتا ہے تو وہ نور حق و مشعل راہ عمل و صلاح بن کر اس دل کو "قلب سلیم" کر دیتا ہے جو مقصود الٰہی ہے' اور یہی وہ نور اسلام ہے جس پر ہر دو جہان کی نجات وفلاح کا دار و مدار ہے' خصوصاً فلاح آخرت کے متعلق یوں ارشاد ہوتا ہے کہ

اس (قیامت کے) دن نہ مال و متاع نفع دے گا' اور نہ آل و اولاد ہی کچھ کام آئے گی' مگر (ہاں اسی کو فلاح ہو گی) جو قلب سلیم (یعنی ہر طرح سے پاکیزہ دل) لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہو گا۔

(قرآن پارہ ۱۹ سورۃ الشعراء رکوع ۵)

یہ سب آیتیں اس امر پر شاہد عدل ہیں کہ جس طرح ایمان کا تعلق دل سے ہے' ٹھیک ٹھیک اسی طرح اسلام کا تعلق بھی قلب سے ہے۔ اور یہ کہ اسلام بہر صورت ظاہری اعمال و اطاعت کے ساتھ مخصوص نہیں' بلکہ باطنی صفائی اور قلبی اطاعت و انقیاد سے بھی وابستہ ہے۔

علاوہ ازیں ایک حدیث نبوی پیش کرتے ہیں کہ خود بانی اسلام نے اس آیت کے معنی کیا سمجھے ہیں۔ چنانچہ

رسول اللہؐ سے دریافت ہوا کہ مومنوں میں سب سے زیادہ عقل مند کون ہے؟ فرمایا جو موت کو بہت زیادہ یاد کیا کرتا ہے' یا موت کے بعد (قیامت) کے لیے بہت تیاری کرتا ہے۔ پھر سائل نے اسی آیت کی بابت پوچھا کہ "شرح صدر" کیونکر ہوتا ہے؟ فرمایا کہ وہ ایک نور ہے جو سینے کے اندر ڈال دیا جاتا ہے' جس سے سینہ کشادہ اور فراخ ہو جاتا ہے' دریافت ہوا کہ اس کی کوئی پہچان ہے؟ فرمایا کہ دار خلود کی طرف رغبت کرنا' اور دار غرور سے کنارہ کش ہونا' اور تیاری کرنا

موت کے واسطے۔

(رواہ عبد الرزاق)

ابن ابی حاتم کے الفاظ میں یوں ہے کہ فرمایا رسول اللہ نے جب داخل ہوتا ہے ایمان دل میں تو کھل جاتا ہے اس کے لیے دل اور کشادہ ہو جاتا ہے۔(۲۴)

خلاصہ یہ کہ ایمان و اسلام ایک ہے اور دونوں کا تعلق قلب و سینہ سے ہے۔ جو دل میں نور حق یا قلب سلیم بن کر باعث نجات و فلاح ہو جاتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

(۱) (الہلال جلد اول نمبر ۲۱ عید الضحیٰ ص ۵ کالم اول)

(۲) (رواہ الطبرانی فی الاوسط و ابن سنی ماخوذ از خیر متین ترجمہ حصن حصین آئینہ دیکھنے کا بیان مجتبائی پریس ص ۱۹۸

(۳) (المستدرک حاکم جلد اول کتاب الدعاء باب کان یدعوا اللھم احفظنی بالاسلام قائما عن ابن مسعود مطبع دائرۃ المعارف ص ۵۲۵)

(۴) (المستدرک حاکم جلد اول کتاب الدعاء باب دعائہ یوم احد' عن رافع الزرقی عن ابیہ مطبع دائرۃ المعارف ص ۵۰۷)

(۵) المستدرک حاکم جلد ا کتاب الدعاء باب دعاء قضا الدین عن زید بن ثابت مطبع دائرۃ المعارف ص ۵۱۶)

(۶) رواہ الطبرانی۔ ماخوذ از خیر متین ترجمہ حصن حصین مطبع مجتبائی ص ۲۷۹

(۷) (الہلال ۷ ۱۹۱۳ء ذکر صدیق اکبر و انسانیت موت کے دروازے پر حضرت صدیقؓ مکتبہ شعر و ادب ص ۱۴۷

(۸) کشف الغطا عن کتاب الموطا جلد اول کتاب الحج باب البدء بالصفا فی السعی مطبع صدیقی ص ۲۵۴

(۹) مسلم جلد اول کتاب الایمان باب اول عن عمر بن الخطاب مطبع علیمی صفحہ ۲۷ و عن ابی ہریرہ صفحہ ۲۹ و صحیح بخاری جلد اول کتاب الایمان باب سوال جبرئیل النبی عن الایمان و السلام والاحسان عن ابی ہریرہ کرزن پریس ص ۱۲ و جامع ترمذی جلد دوئم ابواب الایمان باب ماجاء فی وصف جبرئیل للنبی الایمان والاسلام عن عمر بن الخطاب مطبع فیض ص ۲۲۷ .

(۱۰) بخاری جلد اول کتاب الایمان باب اداء الخمس کرزن پریس ص ۱۳ و ترمذی جلد ۲ ابواب الایمان باب ماجاء فی اضافۃ الفرائض عن ابن عباس مطبع فیض ص ۲۲۸ و باختلاف الفاظ مسلم جلد اول کتاب الایمان باب الامر بالایمان باللہ و رسولہ عن ابن عباس مطبع علیمی ص ۳۳

(۱) بخاری جلد اول کتاب الایمان باب بنی الاسلام علی خمس عن عبداللہ بن عمرؓ کرزن پریس ص ۶، مسلم جلد اول کتاب الایمان باب بیان ارکان اسلام عن عبداللہ بن عمرؓ مطبع علیمی ص ۳۲

(۲) طبرانی عن ماعز ماخوذ از جامع الصغیر للسیوطی جلد اول حرف الہمزہ مطبوعہ مصر ص ۴۰ و باختلاف الفاظ جامع ترمذی جلد اول ابواب فضائل الجہاد باب ای الاعمال افضل عن ابی ہریرہ مطبع فیض ص ۵۴۲ و باختلاف الفاظ سنن دارمی کتاب الجہاد باب ای الاعمال افضل مطبع نظامی ص ۳۱۴

(۳) رواہ احمد ماخوذ از تسہیل القاری شرح صحیح بخاری مع فتح الباری و ارشاد الساری جلد اول مطبع صدیقی ص ۱۷۰

(۴) نسائی جلد ۲ کتاب الایمان باب حلاوۃ الایمان عن انس مطبع جید برقی پریس دہلی ص ۲۲۸

(۵) ایضاً

(۶) (اس کا اور اس سے پہلی حدیث کا حوالہ) ماخوذ از تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان جلد ۳ آیہ مذکورہ کی تفسیر مطبع صدیقی ص ۱۲۶

فصل دوم

حقیقت ایمان و عمل

مذکورہ بالا سطور میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ قرآن و حدیث کے نزدیک صحیح اسلام و صحیح ایمان ایک شے ہے' بلکہ بعض دلائل و براہین سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام بہت اعلیٰ و افضل ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

اب اس کے بعد یہ دکھانا ہے کہ قرآن و حدیث کے روشن دلائل میں ایمان و عمل بھی ایک ہی حقیقت مستورہ کے دو مختلف نام ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن اجزاء کی جامعیت کا نام ایمان ہے' ان میں جزو اعظم عمل صالح ہے۔ اس لحاظ سے جس جامع چیز کو ہم یا قرآن ایمان کہتا ہے اس میں عمل کا ہونا نہایت ضروری ہے ورنہ ایمان کہنا فضول ہے۔

سوال : اگر واقعی ایمان اعتقاد و عمل کے اتحاد و اجتماع کا (باصطلاح شریعت اسلامی) نام ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن نے مجرد ایمان استعمال نہیں کیا بلکہ "آمنوا' وعملوا" کو بسبیل عطف لا کر ایمان اور عمل دونوں کو علیحدہ بیان کر دیا۔ مثلاً ارشاد حق ہے :

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو یہی لوگ جنت والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ تک رہیں گے ○

(قرآن پارہ اول سورۃ البقرہ رکوع ۹)

پھر دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ

بے شک جو لوگ ایمان لائے' اور نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی۔ تو ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے (جو انہیں ملے گا) اور ان پر کسی قسم کا خوف اور رنج و غم طاری نہ ہو گا ○

(قرآن پارہ ۳ سورۃ البقرہ رکوع ۳۸)

وغیرہ وغیرہ بہت سی آیات کریمہ ہیں جن سے بالبداہت ثابت ہوتا ہے کہ ایمان علیحدہ ایک اعتقادی شے' اور عمل علیحدہ ایک عملی وصف ہے یہی وجہ ہے کہ دونوں کو جدا کر کے

امتیازی شکل دینے کے لیے ان کے مابین واؤ لائی گئی ہے اگر حق یہی نہیں ہے تو پھر واؤ کے استعمال جو در حقیقت تفریق کے لیے ہے' کی ضرورت کیا تھی؟

جواب: حقیقت یہ ہے کہ اکثر دنیا اس واؤ کے نیم دائرہ میں چکرا کر اپنے ہوش و حواس کے ساتھ ساتھ اخلاقی گوہر و عملی جذبہ و صلاحیت کو بھی کھو بیٹھی ہے ورنہ مذکورہ بالا آیات میں صرف واؤ کے لانے سے ایمان و عمل میں تفریق کر کے ایک زبردست فساد یا لاینحل مشکل میں مبتلا نہ ہو جاتی' اور وہ یہ ہے کہ

بیان فساد و خطرہ سے پہلے صرف دو لفظی جواب

قرآن مجید ایک نہایت فصیح و بلیغ اور بحد کمال بے مثال و لاجواب کتاب ہے۔ جیسا کہ اس کا دعویٰ بھی ہے کہ اگر یہ انسانی کتاب ہے تو تم بھی انسان اور بڑے فصیح و بلیغ شاعر ہوتے کوئی ایسی کتاب یا ایک سورۃ یا اس جیسی اخلاقی جواہر سے معمور و حقائق و معارف سے پر مقدس و مطہر دس آیتیں بنا پیش کر دو۔ ورنہ تم جھوٹے ہو کر یہ کتاب غیر منزل من اللہ ہے تو اس دعویٰ سے جو فصاحت و بلاغت سے لبریز ہے ساری دنیا عاجز و قاصر ہو گئی۔ اور آج تک کسی جن و انس کو معقول جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی' اور نہ مستقبل قریب و بعید میں کبھی ایسی فصیح و بلیغ اخلاقی و سیاسی و قانون جامع کتاب پیش کرنے کی جرات کسی کو ہو گی۔

اس لیے اگر ایسی اجمع و اکمل کتاب اللہ میں ایک جامع امر کو بیان کر کے اس کے جزو اعظم کو بھی جو مقصد موت و حیات انسانی ہے ایک ساتھ ذکر کر دیا تو کیا قباحت ہے؟ بلکہ ایسا کرنا ہی اس کی شان علیہ کے مناسب بلکہ عین ضروری تھا۔ تاکہ کہیں اس کی مجموعی حقیقت سے ناآشنا رہ کر مقصد حیات کو فنا نہ کر بیٹھیں جس سے کہ نوع انسانی تباہ و ہلاک ہو کر اسفل السافلین میں جا گرے۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ایمان و عمل کو ایک ساتھ بیان کر کے ایمان کی حقیقت کبریٰ کو بے نقاب کر دیا۔ چنانچہ

"لغت میں ایمان کے معنی دل سے صحیح تصدیق کرنے کے ہیں۔ یعنی خبر کرنے والے کے حکم کا یقین کرنا اس طرح کہ حکم قبول کیا جائے (یعنی اس کی تعمیل کی

جائے) اور بتانے والے کو سچا قرار دیا جائے؟ (یعنی تین اجزاء تصدیق بالقلب' اقرار باللسان' عمل بالارکان' کا۔ یعنی دل سے صحیح و کامل تصدیق کرنا' پھر اس کی ترجمانی زبان سے اقرار کرنا' اور پھر اس یقینی (گویا قلبی) خاکہ کو عملی شکل میں پیش کر کے دکھانا' پس اسلامی لغت میں ان کی جامعیت و اکملیت کا نام "ایمان" ہے اور اگر ان اجزائے ثلاثہ میں سے کوئی ایک جزو بھی خدا اور رسول کی مرضی کے مطابق کامل نہ ہوا تو اس کو ایمان تسلیم نہ کیا جائے گا۔ یا یوں سمجھئے کہ شریعت اسلامیہ نے ہر امر کو پایہ ثبوت تک پہنچانے کے لیے دو عادل و صادق گواہ مقرر کیے ہیں۔

پس جب تک وہ بھی شہادت نہ دے دیں تو اس امر کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اس طرح تصدیق قلب کے لیے دو گواہوں کی ضرورت ہے ایک اقرار' دوم اعمال کی۔ اگر یہ نہ ہوں تو تصدیق کنندہ کذب اور فریب نفس میں مبتلا ہے۔ جس کی شریعت میں کوئی وقعت نہیں۔

زندگی کیا ہے؟ عناصر کا ظہور ترتیب
موت کیا ہے؟ انہی' اجزاء کا پریشان ہونا

جواب دوم

اور اگر ایمان و عمل میں صرف واؤ کے آنے سے دونوں میں جدائی اور مغائرت پیدا کی جاسکتی ہے تو پھر عمل و صلوۃ اور زکوۃ میں بھی تفریق کر دینی چاہیے کیونکہ اسی آیت میں ہر لفظ کے آگے واؤ کو مستعمل کیا گیا ہے مثلاً

بے شک جو لوگ ایمان لائے' اور نیک عمل کیے' اور نماز قائم کی' اور زکوۃ ادا کرتے رہے۔

(قرآن پارہ ۳ سورۃ البقرہ رکوع ۳۸)

(ا) یہ مقام نہایت قابل غور و لائق فہم ہے کہ ایک ہی آیت میں ایمان کے بعد واؤ لا کر پھر عمل بیان کیا' پھر عمل کے بعد واؤ لا کر نماز و زکوۃ کو مذکور کیا' اب اگر بقول مخالفین'

ایمان و عمل میں تفریق ہو سکتی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ عمل اور نماز میں تفریق نہیں ہو سکتی؟ حالانکہ واؤ عمل و نماز کے درمیان بھی موجود ہے۔ پھر ایک اور لطف کی بات یہ ہے کہ جیسی شکل ایمان و عمل والی واؤ کی ہے بالکل وہی شکل عمل و نماز کی بھی ہے؟

(۲) پھر بھی اگر وہی صحیح ہے جو مخالفین بیان کرتے ہیں تو اس کا کیا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

یہ نشانیاں ہیں کتاب کی اور قرآن مبین کی ○

(قرآن پارہ ۱۳ سورۃ الحجر رکوع ۱)

حالانکہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم پر ایک ہی شے نازل ہوئی ہے۔ خواہ اس کا نام کتاب رکھا جائے یا قرآن۔ پھر ان کے مابین واؤ کیوں لائی گئی؟ یا کیا واقعی آنحضرت صلعم پر دو چیزیں نازل ہوئی تھیں۔ ایک کتاب دوسرا قرآن؟ اور حق ہے تو قرآن تو موجود ہے مگر کتاب کہاں ہے؟ اور اگر ایسا نہیں تو پھر واؤ کیوں استعمال ہوئی؟

(۳) پھر بھی اگر مخالفین کو اپنی تقلیدی ضد پر اصرار ہے تو مندرجہ ذیل آیت کا جواب دیں' خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ

اور البتہ بے شک ہم نے تجھے بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں (یعنی سورۃ الفاتحہ) عطا کیں' اور قرآن عظیم ○

(قرآن پارہ ۱۴ سورۃ الحجر رکوع ۶)

تو کیا اس آیت میں واؤ کے استعمال نے سورۃ الفاتحہ کو قرآن مجید سے جدا کر دیا ہے یا نہیں؟ اگر کر دیا تو سارا قصہ تمام ہوا اور اگر نہیں کیا تو واؤ کا استعمال کیوں؟

وغیرہ وغیرہ اور بہت سی آیات کریمہ اس حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لیے پیش کی جا سکتی ہیں مگر ہم انہیں پر اکتفا کر کے مطلب پر آنا چاہتے ہیں بات یہ ہے کہ یہ واؤ دراصل تعریفیہ ہے یعنی ایمان کے بعد واؤ اور اس کے بعد عمل اس لیے مذکور ہوا کہ کہیں آرام طلب و عیش پرست امت محمدیہ حقیقت ایمان کو نہ سمجھ کر عمل و صلاح و تقویٰ سے کورہ ہو کر ہر دو جہان میں روسیاہ و ذلیل نہ ہو جاوے۔ (چنانچہ ایسا ہی ہوا) اور تاکہ وہ جو ہر عمل کو بالکل ضائع نہ کر دے' یعنی وہ ایمان لاؤ جو عملی ہو' پھر عمل کی تعریف کر دی کہ وہ نماز اور

زکوۃ ہے (یعنی جملہ حقوق اللہ و حقوق العباد ہیں) یوں تو اعمال و احکام کی حد بندی مشکل ہے لیکن اس آیت میں عمل کے بعد زکوۃ و نماز خصوصاً" اس لیے مذکور ہوئی کہ ایک طرف عمل کی تعریف ہو جائے کہ عمل وہ عمل کرو جو نماز و زکوۃ کی حقیقت میں ہو۔ دوسری طرف یہ معلوم ہو جائے کہ اسلام کے نزدیک ان دو حکموں کو بڑی اہمیت حاصل ہے اس لیے ان کی پابندی کرنا از بس ضروری ہے۔ گویا ایمان کیا ہے؟ صرف عمل' عمل کیسا ہونا چاہیے؟ بتا دیا کہ نماز کی حقیقت میں' جو حقوق اللہ میں حق اعظم ہے اور زکوۃ کی ادائیگی میں جو حقوق العباد میں حق اکبر ہے۔ یہ ہے وہ آیت اور اس میں بار بار تین واؤ کو لانے کی حقیقت۔ حالانکہ خالی ایمان لاؤ کہہ دینا بھی کافی تھا' لیکن اس کو واضح کرنے کے لیے اگر عمل کا ذکر کر دیا تو پھر نماز و زکوۃ کے تذکار کی ضرورت ہی نہ تھی' جب کہ یہ دو چیزیں ساری دنیا کے نزدیک عمل صالح میں داخل ہیں' اور ان کا تعلق اعتقاد سے نہیں بلکہ عبادات سے ہے۔

اسی نوعیت کی ایک اور آیت ہے جو اسی حقیقت پر روشنی ڈالتی ہے اور وہ یہ ہے جس میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

> اور قسم ہے عصر یا وقت عصر کی کہ انسان بہت خسارہ میں ہے ○ مگر جو لوگ ایمان لائے' اور نیک عمل کیے' اور توصیہ حق (یعنی دعوت حق دیتے رہے) اور توصیہ صبر (یعنی راہ حق میں مصائب برداشت کرنے کی خود بھی پیکر صبر و استقلال ہوتے ہوئے لوگوں کو تلقین و نصیحت) کرتے رہے' (وہ بجائے خسارہ کے نجات و فلاح پا جائیں گے۔)
>
> (قرآن پارہ ۳۰ سورۃ العصر)

اس آیت میں بھی ایمان کی تعریف عمل کے ساتھ اور عمل کی تعریف توصیہ حق و توصیہ صبر کے ساتھ کر دی' حالانکہ خود دعوت حق اور تلقین صبر عمل صالحہ کے دو رکن ہیں' اتنا کہہ دینا ہی کافی تھا کہ عملی زندگی اختیار کرو' مگر بجائے اس کے یہاں یہ مناسب تھا کہ اسلامی زندگی اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی دعوت و تبلیغ اور اس مشکل راہ میں جو مصائب و آلام آتے ہیں ان کے برداشت کرنے کی تحریک و اسپرٹ پیدا کی جائے تاکہ اسلام اور اس کے قوانین پراز امن و انصاف' رائج و نافذ ہوں' جن میں فوز و فلاح ہے ورنہ انسانی

موت و حیات نہایت خطرے و خسارہ کا شکار ہو کر ہلاک و برباد ہو جائے گی۔

یہ ہے مذکورہ بالا آیت اور اس کی حقیقت ایمان' مع تشریح عمل صالح' اور توصیہ حق و توصیہ صبر۔ اب اگر کوئی صاحب صرف واؤ کے باعث ایمان و عمل کو دو جداگانہ چیزیں قرار دینا چاہے تو اس کو یہ بھی لازم ہے کہ عمل صالح اور توصیہ حق و صبر(جو در حقیقت ایک ہی شے ہیں) ان میں بھی تفریق کر دے ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس طرح واؤ کے باوجود توصیہ حق و عمل صالح ایک ہی چیز ہے بالکل اسی صورت میں عمل صالح و ایمان بھی ایک ہے۔

تشریح امکان فساد

ایمان و عمل میں تفریق کرنے سے جو سب سے بڑا فتنہ و فساد پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جس پہلی آیت میں ایمان و عمل کا ذکر ہے اس کے تتمہ یا فیصلہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ لوگ جنت میں رہنے والے ہیں۔ تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اہل ایمان اور اہل عمل دو گروہ ہیں۔ اور وہ دونوں جنتی ہیں' خواہ اہل ایمان بالفاظ علمائے دنیا' صحیح اعتقاد والے' عمل و صلاح اور زہد و تقویٰ سے بالکل ہی کورے اور بد عمل وفاسق و فاجر ہوں جیسا کہ ان کا متفقہ فتویٰ بھی یہی ہے۔ اور خواہ اہل عمل کلیتہ" توحید و رسالت جیسے اعظم ترین عقائد اولین و بنیادی اصول کے قائل ہی نہ ہوں بہر نوع و بہر کیف یہ دونوں گروہ جنتی ثابت ہوں گے' کیونکہ بقول مخالفین کے ایمان الگ اور عمل الگ ہے اس نظریہ سے آیت کریمہ میں دونوں کے لیے بخشش و نجات کا مژدہ ہے۔

پس علمائے مخالفین کے عقیدے اور فتویٰ کے رو سے آیہ زیر بحث کا نقشہ یوں ہوتا ہے۔

(۱) والذین امنوا وعلموا الصالحات

اور بے شک جو لوگ محض صاحب الاعتقاد ہیں اور جو صرف اچھے اعمال والے ہیں۔

اولئک اصحاب الجنته

یہ دونوں قسم کے لوگ جنتی ہیں

کیونکہ ان کا اعتقاد ہے کہ ایمان و عمل علیحدہ علیحدہ دو چیزیں ہیں۔ تو اس آیت کی رو سے جو رعایت اہل ایمان یعنی اصحاب الاعتقاد کے لیے ہو سکتی ہے وہی اہل عمل یعنی عمل والوں کے لیے بھی ہو گی۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح ان کے عقیدے کی رو سے ایک برائے نام مسلمان جس نے ساری عمر میں کوئی نیکی نہ کی ہو' اور گوناگوں فسق و فجور میں بسر کر چکا ہو لیکن اگر وہ کلمہ گو یعنی توحید و رسالت کا قائل ہے وہ بہر حال جنت کا مستحق ہے۔ تو بالکل اسی طرح دوسرا گروہ جو توحید و رسالت کا عمداً منکر ہے مگر نیک چلن خوش اخلاق اور اپنے عقیدے کے رو سے زاہد و متقی ہے وہ بھی جنت الخلد کا حق دار ہے۔ خصوصاً منافقین تو جنت کے زیادہ مستحق ہوں گے کہ ان کے ظاہری اعمال بھی اسلام کے مطابق ہوتے ہیں

مگر یہاں آکر علمائے منافقین چیں بہ جبیں ہو کر مشتعل ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نہیں' اہل اعتقاد تو شفاعت وغیرہ کے زور سے بلا عمل صالحہ بھی بخشے جائیں گے لیکن اہل عمل کے لیے اعتقاد توحید و رسالت کا ہونا جنت کے لیے ضروری ہے۔

تو ہم پوچھتے ہیں کہ خدارا انصاف سے کام لیجئے۔ اس آیت میں یہ کہاں ہیں کہ اہل اعتقاد خواہ مخواہ آخر بخشے جائیں گے' اور اہل عمل کے لیے اعتقاد کا لانا شرط ہے۔ حالانکہ یہاں تو (بقول ان کے) دونوں کا ذکر کر کے جنت کا وعدہ سنایا گیا ہے۔

اور اگر حقیقت یوں نہیں جیسی کہ وہ بیان کرتے ہیں۔ بلکہ حقیقت اسلام وہ ہے جو قرآن و جماعت اسلامیہ نے بیان کی ہے تو آیت کریمہ کے بموجب ایمان و عمل ایک ہے' اور جو شخص توحید و رسالت اور ان کے متعلقات و مقتضیات پر صحیح طور سے اعتقاد رکھتا ہوا قرآن مجید اور اس کے بعد صحیح احادیث کے بالکل ماتحت نیک عملی و خوش اخلاقی وغیرہ وغیرہ کی زندگی بسر کرتا ہوا اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو چل بسا وہی اپنے اعمال' شفاعت' فضل رب العالمین کے طفیل عذاب دوزخ سے بچ کر جنت اور اس کی نعمتوں کا ابد الاباد تک مستحق ہو گا۔ (انشاء اللہ العزیز الحکیم)

ایمان و عمل ایک ہونے کے متعلق دلائل و براہین

اب یہ ثابت کرنا ہے کہ حضور نے اپنی زبان پاک سے کہیں ایمان کے معنی عمل کیے ہیں یا نہیں۔ یا یہ کہ ایک ہی فعل کو اپنے ایمان و عمل سے تعبیر کیا ہے یا نہیں اگر کیا ہے تو کیسے؟

پہلی حدیث۔ مثلاً رسول اکرم صلعم کا ارشاد گرامی ہے کہ

افضل ترین عمل اللہ کے لیے کسی سے محبت کرنی اور اللہ ہی کے لیے عداوت کرنی ہے۔(۱)

دوسری حدیث ہے کہ

افضل ترین ایمان یہ ہے کہ تو دوستی کرے تو اللہ تعالیٰ کے واسطے اور اگر کسی سے دشمنی کرے تو اللہ ہی کے لیے۔(۲)

پھر ارشاد ہے کہ

جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے کسی سے محبت کی یا اللہ ہی کے لیے عداوت کی اور جس نے اللہ کے لیے کسی کو کچھ دیا۔ یا اللہ کے لیے دینا بند کر دیا تو اس نے ایمان کامل کر لیا۔(۳)

یہ مقام قابل غور و فکر ہے کہ پہلی حدیث میں جس امر کو حضور صلعم افضل ترین عمل فرماتے ہیں دوسری اور تیسری حدیث میں اسی کو افضل ترین ایمان بتا رہے ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ ایمان و عمل ایک ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے جس کو حضرت عبد اللہ بن حبشی الخثعمی روایت کرتے ہیں کہ حضور سے پوچھا گیا کہ بہترین اعمال کون سے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا ایمان جس میں شک نہ ہو اور ایسا جہاد جس میں خیانت نہ ہو' اور حج مقبول(۴)

اسی سوال کی حدیث ایک اور ہے جس کو حضرت ابوذر روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول کریمؐ سے سوال کیا کہ افضل اعمال کون کون سے ہیں؟ آپ نے

فرمایا کہ ایمان لانا اللہ پر اور اس کے راستہ میں جہاد کرنا ہے(۵)

ایک اور حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سوال کیا گیا کہ کون سا عمل بہترین ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول برحق پر ایمان لانا۔(۶)

پہلی حدیث (جو حضرت عبد اللہؓ سے مروی ہے) میں بہترین اعمال ایمان بلا ریب اور جہاد اور حج مقبول کو فرمایا' اور دوسری و تیسری حدیث (جو حضرت ابوذر و ابوہریرہؓ سے روایت ہے) میں بہترین اعمال اللہ وحدہ لا شریک اور اس کے رسول برحق پر ایمان لانا اور جہاد کرنا فرمایا۔ حالانکہ عامتہ العلماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانا صرف اعتقادی شے ہے۔ مگر حضور نے اسی کو ایمان اور بہترین عمل فرمایا جس سے ثابت ہوا کہ ایمان و عمل صالح ایک چیز ہے ۔ ایک اور حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا حیاء ایمان میں سے ہے پوری حدیث یہ ہے۔

حضرت عبد اللہؓ اپنے والد حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ۔

رسول اللہ صلعم ایک انصاری شخص کے پاس سے گزرے اور وہ اپنے بھائی کو شرم و حیاء کی نصیحت کر رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ جانے دو یعنی نصیحت کرنے دو کیونکہ حیا ایمان سے ہے۔(۷)

ایک اور حدیث ہے کہ حضور صلعم نے ایک گروہ سے جو وفد کی صورت میں آپ کی خدمت اقدس میں آیا تھا استفسار فرمایا۔

تم جانتے ہو کہ خدائے واحد پر ایمان لانے کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ ارشاد کیا کہ وہ یہ ہے کہ توحید و رسالت کی شہادت دی جائے' صوم و صلوۃ کی پابندی کی جائے' مال زکوۃ اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کیا جائے۔(۸)

اس سے بھی صاف ثابت ہو گیا کہ ایمان یقین کامل و اعمال صالحہ کے اتحاد و اجتماع کا نام ہے نہ کہ محض اعتقادات کا ورنہ حضور ایمان کے جواب میں اعتقادی امور فرماتے لیکن آپ نے بخلاف اس کے یقینی امور کم اور عملی امور زیادہ فرمائے۔

ایک اور حدیث جو نہایت جامع و ملغ ہے پیش کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہوئے دوسری بحث پر دلائل پیش کرتے ہیں کہ

حضرت ابوہریرہؓ نبی صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ ایمان کی کچھ اوپر ساٹھ شاخیں ہیں۔ اور شرم و حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔(۹)

دوسری حدیث بھی اسی موضوع کی حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے اس میں کچھ اوپر ستر شاخیں بتائی ہیں۔ پوری حدیث یہ ہے کہ

رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ ایمان کی کچھ اوپر ستر شاخیں ہیں ان میں سے بہتر شاخ کلمہ توحید ہے اور ادنیٰ شاخ راستہ میں سے ایذا رساں چیز کا دور کرنا ہے۔ اور شرم و حیا ایمان کی بڑی شاخ ہے۔(۱۰)

ان دو حدیثوں نے یہ امر پایہ ثبوت تک پہنچا دیا کہ ایمان وجود واحد نہیں' بلکہ ایک ایسا درخت ہے جس کی کئی شاخیں ہیں۔ یعنی ستر سے اوپر ہیں' کیونکہ بضع کا لفظ عربی میں تین سے نو تک استعمال ہوتا ہے' اس سے معلوم شاخہائے ایمان ۷۳ سے ۷۹ تک ہیں۔ اور اگر شاخیں مکمل اور سرسبز ہیں تو ایمان کا درخت' درخت کہلانے کا مستحق ہے ورنہ جس درخت کی کوئی ٹہنی اور پتے نہ ہوں اس کی جو حقیقت ہو سکتی ہے وہی حقیقت شجر ایمان کی بھی ہو گی' یعنی جو درخت خشک . سود ہو وہ آگ میں جھونکنے کے قابل ہوتا ہے۔ پس اسی طرح اعتقادی ایمان کو بھی سمجھنا چاہیے۔

لیکن جن اصحاب نے ایمان محض تصدیق قلب کا نام رکھ کر اعمال اور پھول پتے اور ثمرات وغیرہ سے جدا کر دیا انہوں نے ان حقائق ود قائق پر غور نہیں کیا اور فی الحقیقت کر بھی نہیں سکتے کیونکہ تقلید کورانہ ایک ایسی مہر ہے جو دل پر لگ جانے کے بعد تمام انوار ربانی کو روک دیتی ہے ۔ پھر حق و باطل کی تمیز کا ملکہ بالکل فنا ہو جاتا ہے کیا خوب کہا کسی حق شناس نے کہ

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو
آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور

یا ایمان کامل کی مثال بالکل انسان کامل کی سی ہے کیونکہ انسان دل و دماغ اور اعضاء و

قویٰ کی سلامتی و تندرستی کا نام ہے' جب یہ سب اجزاء صحیح و کامل ہوں گے یعنی ظاہری و باطنی طور پر بالکل سلامت ہوں گے تو انسان زندہ و متحرک اور مختار ہو اور اس میں روح کار فرما ہو گی ورنہ نہیں۔

پس ٹھیک ٹھیک اسی طرح ایمان بھی ہے کہ اس کا دل صحیح و کامل یقین' اور اس کا سرپا دماغ عمل صالح' اور اعضاء و قویٰ اقرار زبانی ہے۔

جب یہ سب کے سب بیک وقت صحیح و کامل ہوتے ہوئے اپنے موقع و محل پر یعنی خدائی احکام کے پابند اور منکرات سے مجتنب ہوتے رہا کریں گے تو پھر جو روح یا حقیقت کار فرما ہو گی تو اسی کو ایمان جانئے۔

گویا جب انسان کے تمام ظاہری و باطنی اعضاء و قوائے صحیح عقلی و شعور کی روشنی میں اپنے پروردگار کے ماتحت عمل پیرا ہوتے رہیں گے تو ایسا انسان مومن کہلائے گا اور اگر بخلاف اس کے وہ اپنی خواہشات و مالوفات کی خاطر زندہ رہے تو وہ انسان تو کہلائے گا لیکن کافر و مشرک اور اگر دل و دماغ اور اعضاء و قویٰ یعنی ان تینوں میں ایک چیز بھی کم ہو گی تو اس انسان کی جو حقیقت ہو گی وہ قابل بیان نہیں۔ ٹھیک ٹھیک اسی طرح جب یقین و اقرار اور عمل صالح خدائی اوامر و نواہی کا پاس کرتے ہوئے متحرک رہا کریں گے تو وہ حقیقت ایمان سے تعبیر کیا جا سکے گا۔ ورنہ وہ محض کافر و مشرک کہلائے گا اور اگر ان تینوں عناصر ایمان میں سے ایک عنصر بھی کم ہو گا جو پوزیشن دل چاک یا سر کٹنے یا اعضاء بریدہ انسان کی ہو گی (جیسے ابھی اوپر بیان ہوئی ہے) بالکل وہی ایمان ہو گی۔

یا یوں سمجھئے کہ ایمان کی مثال بادل کی سی ہے کہ جو بادل ہو گا تو وہ ضرور پانی سے لبریز ہو گا' اور جہاں اس کے برسنے کا مقام آئے گا اور ساتھ ہی حکم الٰہی بھی ہو گا تو برسنے لگے گا۔ یہ کبھی نہ ہو گا کہ بادل ہو اور وہ پانی سے خالی ہو اور یا مناسب و ضروری مقام پر برسے بغیر یوں ہی پھر پھرا کر ہوا ہو جائے۔ لیکن اگر ایسا ہی ہے تو اس کے صاف و ذہن نشین معنی یہ ہیں کہ وہ بادل نہ تھا بلکہ دھواں تھا۔ جس کو ہماری نگاہیں اور ہمارا شعور بادل کی سی ظاہری صورت وہیئت کو دیکھ کر بادل یقین کرنے لگا تھا۔

اسی طرح اگر ایک مدعی ایمان خدائی احکام کے پیش نظر چلتا پھرتا' اور حرکت نہیں کرتا'

بلکہ اپنی خواہشات کا غلام ہے۔ اور جس کا مدعی ہے اس کا اظہار اپنے موقع و محل پر نہیں کرتا یا نہیں کر سکتا تو وہ مومن نہیں بلکہ کافر ہے۔ کیونکہ جس طرح دھوئیں کو غلط فہمی سے بادل سمجھ لیا تھا' اسی طرح غلط فہمی سے کفر کو ایمان سمجھ لیا گیا۔

ممکن ہے کہ تو جس کو سمجھتا ہے بہاراں
وہ اپنی اصالت میں ہو اک دور خزاں کا

علاوہ ازیں ایک اور خاص امر قابل غور و تدبر یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کی جو اعتقادی و عملی اور اخلاقی حالت تھی وہ کسی سے مخفی نہیں بلکہ روز روشن سے بھی زیادہ روشن و اوضح ہے کہ وہ سر تاپا صلاح، تقویٰ اور اخلاق و اعمال تھے۔ مگر قرآن مجید ان کی جامعیت کا نام صرف ایمان رکھتا ہے' اور اسی جامعیت و اکملیت ایمان کی طرف جو صحابہ کرامؓ کے وجود مسعود میں موجود تھی حق تعالیٰ لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔ چنانچہ الفاظ ربانی ہیں کہ

اور جب ان لوگوں کو کہا جاتا ہے کہ تم بھی ویسا ایمان لے آؤ جیسا کہ (صحابہ) لوگ ایمان لا چکے ہیں۔

(قرآن پارہ ۱ سورۃ البقرہ رکوع ۲)

اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ یہاں جن لوگوں کے ایمان کی طرح دعوت ایمان دی جا رہی ہے وہ لوگ صحابہ کرامؓ تھے۔ اور یہ بھی تسلیم شدہ امر ہے کہ صحابہؓ کا ایمان صرف اعتقادی نہ تھا' بلکہ وہ اپنے وجود میں ہم صفات اسلام و محاسن اخلاق یکسر رکھتے تھے۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ ایمان صحابہ کرامؓ کی طرز زندگی و اطاعت خدا و رسول کا نام ہے۔ اور اگر صحابہ موجودہ مدعیان دین و ایمان کی طرح بے عمل اور صرف ارباب عقائد ہوتے' تو محولہ بالا آیات کے رو سے یہ ثابت ہو جاتا کہ ایمان محض اعتقادات کا نام ہے کیونکہ عوام الناس کو ان کے ایمان کی طرح ایمان لانے کی دعوت دی جا رہی ہے لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ ایمان ایقان و اعمال کا مجموعہ ہے۔

پھر دوسری جگہ ارشاد ہے کہ

پس (اے لوگو!) تم ایمان لاؤ اللہ (تعالیٰ) پر اور اس کے رسول (برحق) پر' اور

(نیز) اس نور (ہدایت یعنی قرآن) پر' جو ہم نے (مخلوقات کی رہنمائی و فلاح کے لیے) نازل کیا ہے۔

(قرآن پارہ ۲۸ سورۃ التغابن رکوع ۱)

اس سے بھی ثابت ہوا کہ ایمان سے مقصود خدا و رسول کی اطاعت و انقیاد اور ہدایات ربانی پر صحیح اعتقادات ہیں اور اگر اعمال و اطاعت کو ایمان سے الگ کر دیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ اے لوگو! خدا و رسول اور نور حق پر صرف اعتقاد رکھ لو کہ وہ حق ہیں اور بس۔ مگر کوئی ذی شعور انسان بھی یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ یہاں صرف یقین لانے کی دعوت دی جا رہی ہے بلکہ مقصود حق یہی ہے کہ خدا و رسول کی اطاعت' نور قرآن کی روشنی میں کرو' اور یہی ایمان ہے۔ اور حضرات انبیائے کرام کو صرف اسی مقصد اطاعت و عمل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے کہ

اور ہم نے کسی رسول کو بھی (یونہی برائے اعتقاد برائے نام) نہیں مبعوث کیا' مگر صرف اس لیے کہ ان کی "اللہ' کے اذن سے" اطاعت کی جائے (اور بس)

(قرآن پارہ ۵ سورۃ النساء رکوع ۹)

پھر دوسرے مقام پر ارشاد حق ہوتا ہے کہ

پس تم اللہ تعالیٰ (کے غضب) سے ڈرتے رہا کرو' اور اپنے باہمی معاملات کی اصلاح کرو' (یعنی اپنی حالت کو ہر لحاظ سے سنوار لو) اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اگر تم (واقعی سچے) مومن ہو سوائے اس کے (کوئی دوسری بات) نہیں کہ (سچے) مومن وہی لوگ ہوتے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ (وحدہ لاشریک لہ) کا نام لیا جاتا ہے تو (مارے خوف و دہشت کے) ان کے دل دہل جاتے ہیں۔ اور جب ان پر اس (خدائے قادر) کی آیتیں تلاوت (برائے اطاعت پیش) کی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان کو (اطاعت و فرماں برداری کرنے کے باعث پہلے کی نسبت) اور زیادہ کر دیتی ہیں۔ اور وہ (یعنی مومن ہر حالت میں) اپنے پالن ہار پر (کامل) توکل (یعنی بھروسہ) رکھتے ہیں ○ (اور مومن) وہی لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے ان کو دے رکھا ہے وہ

اس میں سے (راہ حق میں) خرچ کرتے رہتے ہیں ○ (پس خدا اور رسول کے نزدیک در حقیقت) یہی لوگ سچے مومن ہیں' ان کے لیے پروردگار کے ہاں درجات (عظیمہ و جلیلہ) ہیں اور مغفرت و رزق کریم (یعنی بہت عزت و آبرو والی روزی) ہے ○

(قرآن پارہ ۹ سورۃ الانفال رکوع اول)

پس ان آیات کریمہ میں مومن کے فرائض و اوصاف' بلکہ شرائط ایمان کی وضاحت ہو گئی کہ مومن وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو ہر طرح سے خدائے قہار کا کامل خوف اپنے دل و جان میں محسوس کرتے ہوئے اطاعت خدا اور رسول پر ہر موقعہ و محل پر کمربستہ رہیں۔ اور بس لیکن اگر یہ صورت حال پیدا نہیں ہوئی تو لاریب یہی اور حتمی فیصلہ دینا پڑے گا کہ ایمان اور اس کا نور حق دل میں پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ ابھی تک کفر و نفاق کی جڑوں میں ہی قلب سقیم جکڑا ہوا ہے۔ اور اس پر سحر ابلیسی و فریب نفس نے ایمان کا فریب وہ پردہ چڑھا رکھا ہے جس کے باعث کفر و نفاق کا نام ایمان رکھ دیا گیا۔

خرد کا نام جنوں رکھ لیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ایمان فی الحقیقت ایمان ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ترک کذب و بطالت اور اختیار حق و صداقت پر مجبور نہ کرے اور یہ کہ صاحب ایمان کو کامل متقی و صالح نہ بنا دے۔

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکے تو وہ لہو کیا ہے

کیا ایمان یقینی شے ہے؟

اس میں شک نہیں کہ قرآن میں ایمان یقین کے معنوں میں بھی آیا ہے' مگر اکثر دفعہ اصطلاح شرع کے مطابق اعمال صالحہ کی جامعیت میں آیا ہے جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے

کہ ایمان وہی ہے جو جامع اعمال حسنہ ہو۔ لیکن اگر تمام قرآن و حدیث کے دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ کو نظرانداز کر کے یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ "ایمان محض ایک یقینی شے ہے" جس میں کمی و بیشی نہیں ہوتی' تو ہم کہتے ہیں کہ یقین و تصدیق بھی تو نفسانی و جذباتی صفات ہیں۔ مثلاً محبت و عداوت اور رنج و خوشی وغیرہ وغیرہ اور یہ مسلّم امر ہے کہ مذکورہ بالانفسانی امور دائم رہنے والے نہیں' ان میں تغیرو تبدل اور کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اور آج ایک سے عداوت ہے تو کل دلائل و مفاہمت کے باعث باہمی رابطہ و اتحاد الفت پیدا ہو سکتی ہے اور اگر آج کسی سے رافت و محبت استوار ہے تو کل یہ جذبہ کسی وجہ سے نفرت و عداوت میں منتقل ہو سکتا ہے۔ علی ھذا القیاس یقین اور اعتقاد میں بھی تزلزل و پختگی کا ورود و نزول ہوتا رہتا ہے مثلاً ایک شخص آ کر یہ خبر دیتا ہے کہ کل دہلی میں جو زلزلہ آیا تھا اس سے چاندنی چوک کا گھنٹہ گھر دھڑام کر کے گر گیا ہے۔ تو لوگ اس پر یقین کر لیں گے بغیر کسی مزید تحقیق کے یہاں تک کہ اسی یقین کے باعث اوروں کو بھی مطلع کرتے رہیں گے۔ لیکن چند ایک معتبرین یا اخبارات کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ غلط افواہ ہے۔ تو سابقہ یقین فوراً چلا جائے گا۔ یا بصورت دیگر دونوں طرف برابر کی خبریں گشت لگاتی رہیں' تو لوگوں کا یقین بھی ڈگمگاتا رہے گا۔ اور صحیح طور سے کسی ایک طرف فیصلہ نہ دے سکیں گے۔ کبھی دل باور کرے گا اور کبھی انکار کر دے گا۔

پس اسی واسطے "جماعت اسلامیہ" کا یہ حتمی فیصلہ ہے کہ اعتقاد یعنی تصدیق و یقین میں بھی کمی بیشی کا ہونا ایک امرواقعہ و حقیقت مسلّم ہے ٹھیک یہی حال نفس ایمان کا بھی ہے کہ اخبار صادقہ' اعمال صالحہ' اور اخلاق فاضلہ' سے بڑھتا ہے اور برعکس اس کے افعال سیہ و اعمال خبیثہ اور پیروی شیطان لعین سے گھٹتا ہے' ہاں البتہ ناپاکی اور خباثت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ

جو لوگ ایمان لائے ہیں' اس (سورۃ) نے ان کا تو ایمان بڑھا دیا اور وہ (اپنی جگہ) خوشیاں مناتے ہیں ○ اور وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں (نفاق و بدعملی کا) روگ ہے تو اس (سورۃ) نے ان کی خباثت پر ایک اور خباثت بڑھا دی۔

(قرآن پارہ ۱۱ سورۃ التوبہ رکوع ۱۴)

اور نیز حدیث بخاری میں ہے کہ

بے شک ایمان کے فرائض و واجبات' اور حدود و سنن' ہیں۔ پس جس نے ان کی پوری طرح تکمیل کر دی تو بے شک اسی نے ایمان کامل کر لیا۔ اور جس نے ان میں (کوتاہی و غفلت و سرکشی کے باعث) تکمیل نہ کی' تو اس نے ایمان مکمل نہ کیا۔ (گویا ناقص کر دیا جو شریعت اسلامیہ کے نزدیک نامقبول و مردود اور مہلک ہے)(۱۱)

ایک دوسری صورت

اور اگر ایمان و عمل میں مغائرت ثابت بھی ہو جائے تو پھر بھی "اصحاب العقائد" کو کامیابی نہیں ہو سکتی جب تک وہ اعمال و اخلاق سے مزین و مرصع نہ ہو جائیں کیونکہ ایک فیصلہ کن حدیث ہے جس میں ارباب یقین کے زعم باطل کی کامل تردید کی گئی ہے کہ

ایمان بغیر عمل کے اور عمل بغیر ایمان کے (ہرگز) قبول نہیں ہوتا۔(۱۲)

ایک اور حدیث ہے کہ

ایمان و عمل برابر کے دو باہم شریک ہیں' اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی ایک کو شرف قبولیت نہیں بخشتا جب تک اس کا دوسرا ساتھی اس کے ساتھ (باہم مجتمع نہ ہو)(۱۳)

گویا یہاں بظاہر ایمان و عمل میں تفریق معلوم ہوتی ہے۔ مگر نتیجہ کے طور پر دونوں باہم متحد ہو کر ہی کامیابی کا سرا باندھ سکتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک علیحدہ کوئی حقیت و وقعت نہیں رکھتا۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہاں ایمان سے مراد لغوی معنی اعتقاد کے ہیں۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اعتقاد و عمل کے اتحاد و اجتماع کو قبولیت ہو گی جس کو جامع معنوں میں ایمان و اسلام کہتے ہیں

حافظ! خدا سے ڈرنا ایمان فنا نہ کرنا
دو دل ملے ہوئے ہیں ان کو جدا نہ کرنا

علاوہ ازیں نہ صرف یہ کہ ایمان و عمل کو دو جداگانہ چیزیں تسلیم کر کے کسی ایک کو جب تک اس کا دوسرا شریک نہ ہو شرف قبولیت بخشا نہیں جائے گا بلکہ یہ بھی ہے کہ ایک شخص کامل طور سے ہمارے نظریہ "ایمان و عمل ایک ہے" کے مطابق مومن ہے مگر کوئی ایک عمل جو اسلام میں بنیادی اصول کا حکم رکھتا ہے اپنے وقت پر انجام نہ دیا گیا تو اس مومن کے دیگر سارے اعمال حسنہ اکارت چلے جائیں گے۔ مثلاً ایک جماعت نے ایمان و اسلام کو ہر لحاظ سے جیسا کہ اس کے قبول و تسلیم کرنے کا حق ہے اپنا لیا تھا، مگر کسی مجبوری سے مکہ معظمہ سے صرف ہجرت (جو اسلام کا ایک بنیادی عمل ہے) نہ کر سکے، اور کامل جماعت اسلامیہ کے ساتھ مدینہ طیبہ میں نہ پہنچ سکے تو ان کے متعلق احکم الحاکمین کا یہ ارشاد ہے کہ

> اور جو لوگ (صحیح طور سے) ایمان لا چکے ہیں، اور ہجرت نہیں کی۔ تو تمہارے لیے ان کی دوستی کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ (یعنی ان کے ساتھ اب کوئی تعلق یا دوستی نہیں رہی، گو وہ اعتقاد و عمل کے لحاظ سے مومن و مسلم ہیں) یہاں تک کہ وہ (توبہ کر کے پھر سے) ہجرت کر آئیں۔
>
> (قرآن پارہ ۱۰ سورۃ الانفال رکوع ۱۰)

اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ صرف ایک بنیادی عمل ترک کرنے سے ولایت و اخوت اسلامی کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے، جب تک وہ عملی توبہ نہ کر لیں۔ لیکن افسوس ان کے انجام بد پر جن کی ساری عمر میں نافرمانی حق اور اطاعت نفس و ہوا میں بسر ہوتی رہتی ہیں۔ اور پھر لاکھ و کروڑ افسوس ان ذہنیتوں پر جو ایسے بد اطوار و بد عمل فساق و فجار کو محض چند ظاہری (منافقانہ طور پر) اسلامی امور کی پابندی پر مومن و مسلم یقین کر کے ہر قسم کی اسلامی ولایت و اخوت بلکہ امامت و پیشوائی وغیرہ کا بھی مستحق سمجھتے ہیں۔

دشوار ہے، دشوار سہی منزل مقصود
گمراہ کو راہبر تو بنایا نہیں جاتا

ایک دوسری آیت کریمہ ہے کہ

اے ایمان والو! جب کفار سے تمہارا لشکر کی میدان جنگ سے مٹھ بھیڑ ہو جائے تو تم ہرگز ان کو پیٹھ نہ دکھانا○ اور جو شخص اس دن ان کو اپنی پیٹھ دکھا (کر بھاگ) جائے گا تو وہ یقیناً" (سمجھ لینا کہ) اللہ تعالیٰ کے غضب میں آ گیا' اور (آخر کار) اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ (بہت ہی) بری جگہ ہے۔ مگر (ہاں) لڑائی کے لیے کنی کاٹتا ہو' (یعنی کوئی داؤ یا حربہ یا کوئی فن استعمال کرنے کے لیے ایسا کیا ہو) یا (اپنے) گروہ میں جا شامل ہونے کے واسطے (کفار کی زد سے بچتے ہوئے) ٹل جائے ○ (تو کوئی مضائقہ نہیں' یعنی اس صورت میں بھاگنا منع نہیں)

(قرآن پارہ ۹ سورۃ الانفال رکوع ۲)

یہاں تو ایسے (صرف ایک عمل ادھورا چھوڑ جانے والے) مومن شخص کا آخری حشر بھی بتا دیا گیا کہ وہ کیا ہے۔ مگر جن کے اکثر اعمال حسنہ نہ صرف ادھورے ہیں بلکہ برعکس اس کے بغاوت و سرکشی اور عمداً نافرمانی وغیرہ جیسے افعال خبیثہ کی کثرت و مداومت ہے۔ وہ کیوں اس غرور باطل میں ہیں کہ ایمان و عمل میں تفریق کر کے راہ نجات و فلاح حاصل کر لیں گے؟

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

علیٰ ھذا القیاس ایسے ہی اور بھی بہت سے دلائل ہیں کہ اگر بالفرض قرآنی تصریحات و شواہد کو بالائے طاق رکھ کر بھی ایمان و عمل میں تفریق کر دی جائے تو ان نام نہاد مسلمانوں کا شیطانی خواب بہشت' شرمندہ تعبیر ہرگز اور کبھی نہ ہو گا۔ جب تک اعمال و اخلاق سے مزین نہ ہو جائیں۔

پڑے ہیں ایک امید کے سب سہارے
توقع پر جنت کے جیتے ہیں سارے

مرجیہ اور ایمان و عمل میں تفریق

حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلے اس بدعت ضالہ و کفر صریح کا بنیادی پتھر "فرقہ مرجیہ ضالہ" نے رکھا ہے کہ ایمان و عمل میں مغائرت ہے۔ اور صرف اسی وجہ سے ہی وہ ہر قسم کی بد اخلاقی و نافرمانی کرتے رہتے ہیں

اس فرقے کا مرجیہ نام اس سبب سے رکھا گیا کہ ان کا یہ یقین (یعنی زعم باطل) ہے کہ جس نے صرف ایک مرتبہ کلمہ توحید پڑھ لیا اور پھر تمام عمر گناہ بھی کرتا رہا تو وہ ہرگز دوزخ میں نہ جائے گا۔

دوم یہ کہتے ہیں کہ ایمان صرف ایک قول (یعنی زبانی اقرار اسلام) ہے بغیر عمل و احکام شرع کے (بجا لانے کے) اور وہ قول فقط کلمہ توحید کہنا ہے' اور یہی ایمان ہے۔ اور آدمیوں کے ایمان میں کمی و بیشی نہیں ہوتی' ان کے (فساق و فجار اور بد اخلاقوں) اور فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام کے ایمان میں کوئی فرق نہیں' کیونکہ (یہ ایمان) کم و بیش نہیں ہوتا' اور ایمان میں کوئی استثناء نہیں ہے (یعنی درجہ و فضیلت کے اعتبار سے سب برابر ہیں۔ کیونکہ) جس نے زبان سے اقرار کیا اور عمل نہ کیا تو وہ مومن (اور جنت کا مستحق) ہے۔ (۱۴)

اگرچہ اس فرقہ مرجیہ میں کئی قسمیں ہیں مگر سب میں مشترکہ و بنیادی مسئلہ یہی ایمان و عمل میں تفریق کا ہے۔ اس پر وہ سب کے سب متفق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو اس قسم کا اعتقاد رکھتے ہیں ان میں فسق و فجور اور نافرمانی خدا اور رسول کی کثرت و مداومت پائی جاتی ہے۔

مرجیہ کی ایک اور قسم

ہمارے نزدیک وہ لوگ بھی مرجیہ ہیں جو زبان سے تو ایمان و عمل کو ایک کہتے ہیں لیکن ان کے عمل سے (چونکہ وہ اپنے اعتقاد و یقین اور دعوائے ایمانی کے مطابق پابند شرع و

حامل اخلاق نہیں اس لیے؟ یہی مترشح ہوتا ہے کہ دراصل عملی طور پر ایمان و عمل میں تفریق کرتے ہیں۔ اگر فرق ہے تو یہی کہ مرجیہ زبان سے ایمان و عمل میں تفریق کرتے ہیں اور دوسرا گروہ اپنے اعمال و اخلاق سے یہ ثابت کرتا ہے کہ ایمان و عمل ایک نہیں۔ پس ان سب کے لیے بانی اسلام نے یہ پیشین گوئی کر دی ہے کہ ان کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ چنانچہ آپ کے الفاظ مبارک یہ ہیں کہ

میری اس امت میں دو ایسے فرقے پیدا ہوں گے جن کے لیے اسلام میں کوئی (کسی قسم کا حصہ نہیں ہوگا ایک مرجیہ ہے اور دوسرا قدریہ۔(۱۵)

مرجیہ کے معنی ہیں امید رحمت میں غلو کرنے کے' چونکہ یہ خدائے قہار سے بے خوف ہو کر اس کی رحمت کے اسباب کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف رحمت حق ہی پر امید رکھ کر اپنے دین و ایمان کی بنیاد بے عملی و تعطل پر قائم کر چکے ہیں اس لیے انہیں مرجیہ کہتے ہیں۔ لیکن بخلاف اس کے ہمارے نزدیک ایمان' خوف اور امید کے درمیان ہے جس کو ہم درجا کہتے ہیں۔

غرض یہ کہ یہ بد عمل و نافرمان لوگ ہزار بلکہ لاکھ دفعہ کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے کچھ نہ کچھ ارکان اسلام کو بھی بجالاتے رہیں' اور مزید براں جنت کے خواب بھی دیکھتے رہیں تو ہرگز ہرگز جنت کی خوشبو تک بھی نہ سونگھیں گے' بلکہ ہمیشہ ہمیشہ تک دوزخ میں کفار کی طرح پڑے جلتے رہیں گے۔

صدر اول میں بھی اس قسم کی بیہودانہ امید نے قدرے سر اٹھایا ہی تھا کہ قرآن نے بر وقت حقیقت پر آگاہ کر کے ہمیشہ کے لیے اس زعم باطل و خیال خام کو کلیتہً جڑ سے اکھاڑ پھینکا

چنانچہ حضرت ابن عباسؓ و قتادہؒ وغیرہ کا یہ قول ہے کہ

(ایک دفعہ) اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) اور اہل اسلام نے باہم فخر کر کے اپنے تئیں ایک دوسرے پر افضل و جنت کا مستحق ثابت کیا (جیسے کہ آج کل بلا عمل و اخلاق کے ثابت کیا جا رہا ہے) تو یہ آیت قرآن نازل ہوئی کہ

(اے مسلمانو!) نہ (فلاح عاقبت و دخول جنت) تمہاری آرزوؤں پر (موقوف) ہے

اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر (بلکہ عمل صالحہ پر منحصر ہے) پس جو کوئی بھی (خواہ مسلم نامی کوئی شخص ہو' یا کوئی یہودی ہو اور یا نصرانی برا کام کرے گا اس کی (ضرور) سزا دی جائے گی۔ اور سوائے اللہ تعالیٰ کے اس کا کوئی مددگار اور دوست کام نہیں آئے گا○ اور جو کوئی بھی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت' بشرط یہ کہ وہ مومن ہو جس طرح کہ اسلام چاہتا ہے یعنی نہ صرف اعتقاد ہو اور نہ ہی صرف عمل بلکہ پورا مومن ہو پس (درحقیقت) ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے' اور (ان پر) تل برابر بھی کوئی ظلم نہ کیا جائے گا○(۴)

(قرآن پارہ ۵ سورۃ النساء رکوع ۱۸)

پس اس آیت کریمہ کے نازل ہوتے ہی جن نادان مسلمانوں کو [illegible] ہو کر محض اسلام سے منسوب ہونے کے گھمنڈ نے ایسا باطل دعویٰ کرنے پر مجبور کر دیا تھا' اپنی غلطی کا اعتراف ہو گیا۔ اور وہ تائب ہو کر پابندی شرع سے نجات و فلاح کو مشروط یقین کر کے نیک چلنی کو ایمان سمجھنے لگے' لیکن یہودی اور نصرانی بدستور اپنی باطل آرزوؤں' جھوٹی امنگوں اور برنہ آنے والی امیدوں پر اپنے ہوائی قلعے تعمیر کر رہے ہیں۔ اور کرتے چلے جا رہے ہیں

مگر جن مدعیان اسلام یعنی فرقہ مرجیہ کا خدا و رسول کے کلام پاک پر صحیح ایمان نہیں وہ بالکل یہودیوں کی مانند اسی غرور باطل میں ابھی تک مبتلا ہیں کہ ہم کلمہ طیبہ کے طفیل آخر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اور جس قدر بھی دنیا میں ہوا پرستی و شہوت رانی اور نافرمانی حق کر رہے ہیں ان کے بدلے کچھ عرصہ کے لیے دوزخ میں رہیں گے۔ اور پھر آخر کار بخشے ہی جائیں گے' چنانچہ قرآن فرماتا ہے۔

اور ان میں سے ان پڑھ لوگ ہیں جو (کماحقہ) کتاب (اللہ کے حقائق و معارف) کو نہیں جانتے سوائے باطل امنگوں اور خیالی تکے چلائیں گے ○ (جن میں وہ مگن ہیں) پس ویل ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں کوئی (تعلیمات الٰہی کے خلاف ایک) کتاب لکھ لیتے ہیں' پھر (لوگوں کو یہ) کہتے ہیں (یہ محض اس لیے) کہ اس کے طفیل (کوئی دنیاوی آسائش یا کسی قسم کا) کوئی تھوڑا (بہت) نفع

حاصل کر لیں۔ پس ویل ہے ان کے لیے کہ جو کچھ ان کے ہاتھوں نے لکھا' اور ویل (یعنی سخت افسوس اور جہنم) ہے ان کے لیے کہ وہ ایسی کمائی کرتے ہیں○ اور وہ (جو کچھ دین فروشی کر رہے ہیں اس کی اصلی علت یہ ہے کہ وہ) کہتے ہیں کہ ہمیں (تمام معاصی و سیئہ کاریوں کے سبب سے) آگ ہرگز نہ چھوئے گی مگر گنے ہوئے چند دن' (اے پیغمبر اسلام!) آپ ذرا پوچھئے تو سہی کہ آیا تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی (ایسا) اقرار لے لیا ہے؟ جس کی بنا پر ایسا کر رہے ہو؟) پس اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے قول و قرار کے خلاف نہیں کرے گا؟ یا (یونہی اپنے جی سے) اللہ تعالیٰ پر بے جانے بوجھے جھوٹ بول رہے ہو؟○ بلکہ (حقیقت تو یہ ہے کہ) جس نے بھی کوئی برائی کی اور اس کا ازالہ نہ کرتے ہوئے ایسی بڑھی کہ پھر خود) اس کے پھیر میں آ گیا (یعنی ایسا گھرا کہ پھر نکل نہ سکا) تو پس ایسے ہی لوگ اصحاب النار (یعنی دوزخی) ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ تک اس میں رہیں گے○ اور جو لوگ صحیح ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو یہی لوگ جنتی ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ تک اس میں رہیں گے○

(قرآن پارہ اول سورۃ البقرہ رکوع ۹)

ان آیات سے بہت کچھ ثابت ہوتا ہے مثلاً اول یہ کہ جو لوگ قرآن یعنی کتاب اللہ پر عبور نہیں رکھتے وہی ان پڑھ اور اپنے الکل پچو کے نامحسوس طور پر شکار ہیں' دوم یہ کہ اپنے ہاتھوں کتابیں تیار کرتے ہیں جو اکثر خلاف کتاب اللہ احادیث پر مبنی ہوتی ہیں۔ انہیں اس طرح پیش کرتے ہیں جیسے خدائی احکام پیش کیے جاتے ہیں' سو ایسا کرنا اسلام کے بالکل منافی ہے۔ سوم کتاب اللہ کے برعکس اپنی خود نوشتہ کتب و احادیث کی بنا پر یہ عقیدہ ایمانیات میں داخل کر لیا ہے کہ ہم اپنے گناہوں کے باعث کچھ عرصہ دوزخ میں جائیں گے تو سہی لیکن آخر کار جنت میں چلے جائیں گے سو اس باطل عقیدہ کی (جو تمام فسق و فجور کا منبع ہے) نہ صرف یہ کہ قرآن مجید میں اس کی کوئی تائیدی آیت نہیں بلکہ پرزور تردید و تبطیل موجود ہے۔ لہذا ایسا اعتقاد رکھنا قرآن و جماعت اسلامیہ کے بالکل منافی ہے۔ چہارم یہ کہ جس کے صرف ذنوب و معاصی اس قدر بڑھ جائیں کہ اس کے دل پر احاطہ کر لیں تو وہ ابدی جہنمی

ہے جس کو کسی طرح بھی دوزخ سے چھٹکارا نہیں ہو گا۔

(اس مضمون پر تفصیل دلائل اسی کتاب کے حصہ دوم میں ملیں گے)

غرض یہ کہ اہل اسلام میں سے مرجیہ فرقہ ضالہ "جس کی تعریف ہم اوپر کر چکے ہیں" اعتقادات و اعمال میں سو فی صد یہود و نصاریٰ کے مماثل و مشابہ ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کا بقول رسول کریمؐ اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اکثر اوقات زندگی بدترین و انسانیت سوز افعال میں بسر کرتے ہیں' اور یہ ساری کی ساری ضلالت و لعنت صرف اور محض ایمان و عمل میں تفریق کرنے کا نتیجہ ہے۔ اور موجودہ تعطل و ذلت اور ہر قسم کی نکبت و لعنت کے سیہ بادلوں کا سروں پر منڈلاتے پھرنا بھی اسی تفریق ایمان و عمل کی پیداوار ہے۔ لہٰذا اس باطل و گمراہ کن عقیدہ سے بچنا چاہیے تاکہ اعمال و اخلاق سنور کر نجات و فلاح ہر دو جہاں کے ضامن ہوں۔

اور کسی طرح بھی یہودیوں کی سی وہم پرستی اور مرجیوں کی سی ضد اور ہٹ دھرمی و نفس پرستی کے مرتکب نہ ہوں' جیسے صحابہؓ نے اگر بتقاضائے بشریت قدرے اسلامی گھمنڈ اختیار کیا تھا تو فوراً آیہ نمبر ۱۲۳ کے نازل ہوتے ہی اپنی اصلاح کر لی' اور کسی طرح بھی سابقہ گمان پر ضد یا تاویل وغیرہ نہ کی۔ بس یہی ایمان و اسلام کا بین ثبوت ہے کہ انسان اپنے تمام افکار و خیالات اور قیاسات و آراء' غرض یہ کہ ظاہری و باطنی تمام اعضاء و قویٰ کو ایک پیدا کرنے اور لینے والے کے حوالہ کر دے' جیسا کہ صحابہ کرام نے کر دکھایا

کافر مطیع نفس و خیال واہام ہے
مومن فقط اوامر حق کا غلام ہے

اور جیسے کہ ارشاد باری ہے کہ

اور کسی مومن مرد و مومنہ عورت کو شایاں نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (ان کے بارے میں) کوئی فیصلہ کر دیں' (تو اپنی رائے اور عقل و نقل کو دخل دے اور) اس فیصلہ میں ان کا (اپنا) اختیار (باقی) رہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ صریح گمراہی میں پڑ چکا ہے○

(قرآن پارہ ۲۲ سورۃ الاحزاب رکوع ۵)

اس آیت کریمہ نے مرد مومن کے وہ تمام اختیارات و مرغوبات اور آراء و قیاسات سلب کر لیے جو اس کے خالق حقیقی کے مقصد حیات اور اس کے فرائض عبودیت کے خلاف ہو سکتے ہیں۔ گویا مومن و مسلم ہی وہی ہے جو اپنی ظاہری و باطنی کائنات کو خدا و رسول کے سپرد کر دے۔ اور بس

جان دی' دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

نہ صرف یہی کہ مومنوں اور مسلموں کو خدا و رسول کے آگے سر تسلیم ہی خم کرنا ہو گا' بلکہ اس ظاہری اطاعت و انقیاد کے ساتھ ساتھ قلبی و فکری اور باطنی طور پر بھی من و عن جھکنا پڑے گا ورنہ ایمان خطرے سے خالی نہ ہو گا۔ بلکہ مردود ہو گا۔ چنانچہ ارشاد حق ہے کہ

> پس (اے پیغمبرا) تمہارے پروردگار کی (یعنی مجھے اپنی مقدس ذات پاک کی) قسم ہے کہ جب تک کہ یہ لوگ اپنے باہمی جھگڑے تم ہی سے فیصلہ نہ کرائیں تو مومن نہیں ہو سکتے پھر (صرف یہی نہیں کہ وہ ظاہری طور پر گردن رکھ دیں بلکہ) جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے کسی طرح دلگیر (یعنی دل میں پریشان اور غیر مطمئن و شکوہ سنج) بھی نہ ہوں' اور جیسا کہ (دل و جان سے اس کو) قبول کرنے کا حق ہے قبول کر لیں' (غرض کہ جب تک یہ سب کچھ نہ کریں تو اس وقت تک ان کو ایمان سے کوئی بہرہ یعنی حصہ نہیں)
>
> (قرآن پارہ ۵ سورۃ النساء رکوع ۹)

یہ ہے مومن کی شان اور اس کے فرائض جن کو انجام دے کر ہی مومن و جنت کا مستحق ہو سکتا ہے۔ مگر برعکس اس کے مرجیہ ہیں کہ باوجود اس قدر روشن دلائل و براہین کے اپنے زعم باطل میں ایسے مستغرق ہیں کہ کچھ عقل و شعور سے کام نہیں لیتے اور محض اوہام و ظنون کی بنا پر ایمان و عمل کے درمیان ایک خلیج حائل کر کے امت مسلمہ کو جو سرتاپا عمل و اخلاق کی پیکر تھی یکسر بد عمل و بد کردار ہونے پر مجبور کر دیا کہ جب آخر کار جنت ہمارا ہی حق ہے تو خواہ ہم کچھ ہی کرتے رہیں شفاعت وغیرہ سے بخشے جائیں گے۔ لیکن

قرآنی حقائق و معارف کچھ اور ہی تعریف ایمان کرتے ہوئے راہ نجات پیش کر رہے ہیں جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے۔

لیکن اب مختصر طور پر ایک آخری تعریف۔ مومن کرنے کے بعد اس بحث کو ختم کرتے ہیں کہ جس کے باعث قطعی و حتمی فیصلہ ہو جائے گا کہ مومن کون ہوتا ہے اور اس کی طرز زندگی کیا ہے۔ اور برعکس اس کے کافر و منافق کا بین ثبوت کیا ہے کہ ہر ایک شخص بجائے عملی موشگافیوں کے نہایت آسانی کے ساتھ اپنے اور دوسروں کے متعلق یہ فیصلہ کر سکے کہ مومن و کافر میں باقابل تردید فرق کیا ہے۔

اگرچہ اسی فرق و امتیاز کے متعلق اس سے قبل کی آیات بھی کافی و شافی ہیں' لیکن مزید ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

> اور (اے پیغمبر!) آپ تذکیر (و موعظت) کیے جائیں' پس بے شک یہ وعظ (و نصیحت صرف) مومنین کو ہی نفع دے سکتی ہو○
>
> (قرآن پارہ ۲۷ سورۃ الذاریات رکوع ۳)

اس سے ثابت ہوا کہ مومن ہر وقت و ہر آن خدائی احکام سے نصیحت آموز ہو کر پابند شرع ہوتا ہے۔ اور جو شخص ایسا نہیں تو مومن بھی نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد حق ہے کہ

> جو لوگ کافر ہیں وہ باطل (خواہشات نفسانی اوامر) کی تابعداری کرتے ہیں' اور یہ کہ جو لوگ مومن ہیں اس حق کی پیروی کرتے ہیں جو ان کے رب کی طرف سے (نازل ہوتا) ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں (کے سمجھانے اور عبرت و موعظت) کے لیے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے○
>
> (قرآن پارہ ۲۶ سورۃ محمد رکوع اول)

کافر تو محض نفس و ہوا کا غلام ہے
مومن مطیع ملت خیر الانام ہے

پس ہمارے مذکورہ بالا دلائل خواہ علمی و ادبی اصول و قواعد کی رو سے مطلق غلط بھی ہو جائیں تو ہوا کریں مگر مومن و کافر کی عملی و اخلاقی شناخت و تعریف میں تو کوئی غلطی نہیں ہو سکتی۔ جیسے ابھی آخر میں بیان ہوئی۔ کیونکہ اس کا تعلق علم و ادب سے نہیں جو صرف علماء

ہی سمجھ سکیں۔ بلکہ اعمال و اخلاق سے ہے جو اس کشت زار سعی و عمل میں ہر عاقل و صالح انسان بحیثیت عمل خوب سمجھ سکتا ہے۔

تیسرے مقام پر زبان حق یوں گوہر افشاں ہوتی ہے کہ

جو لوگ (صحیح و کامل) ایمان لائے ہیں وہ اللہ کی راہ میں قتال (اور ہر قسم کی جدوجہد) کرتے ہیں۔ اور جو لوگ کافر (و منکر اسلام) ہیں وہ طاغوتی (نظام حکومت اور اس کو فروغ و تقویت دینے کی) راہ میں قتال (یعنی سعی و جہاد وغیرہ) کرتے رہتے ہیں۔

(قرآن پارہ ۵ سورۃ النساء رکوع ۱۰)

اس میں بھی وہی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ کافر و مومن کی راہ بالکل ایک دوسرے کے برعکس واقع ہوئی ہے' لہٰذا ہر شخص اپنی ہی راہ پر گامزن ہے۔ اور اسی کو فروغ و تقویت دینے میں معروف و سرگرم عمل ہے' لہٰذا ہر شخص رات کو سوتے وقت یہ فیصلہ نہایت آسانی کے ساتھ دے سکتا ہے کہ اس نے زندگی یا اس روز کا اکثر حصہ کون سی راہ میں صرف کیا ہے۔ آیا وہ خدائی فوج کا بے دام غلام رہا ہے یا طاغوتی وابلیسی طاقت کا عارضی و فانی لذات کے لیے شیدا و متوالا؟ اگر جواب پہلا ہے تو مومن ہے اگر جواب دوسرا ہے تو کافر۔

اے مسلماں! اپنے دل سے پوچھ ملا سے نہ پوچھ
ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم؟

لہٰذا ان سب دلائل و براہین کے پیش نظر یہی فیصلہ دینا پڑے گا کہ جو صادق القول و صالح العمل اور خلیق و مطیع خدا و رسول ہے وہی مومن و جنت کا مستحق ہے۔ لیکن جو ایسا نہیں وہی کافر و مستحق عذاب الخلد ہے۔

حقیقت ایمان

در حقیقت ہے یہ ایماں نور حق ظلمات میں — اس سے کر لیتا ہے مومن امتیاز خیر و شر
اور اگر پیدا نہ ہو اس سے یقین کا سا عمل — تو یہ ہے کفر صریح' پھر ایسے ایماں سے گزر
کیونکہ ہے یہ جامع ایقان و اقرار و عمل — ایک عنصر بھی نہ کامل تو ہے مہلک شرر
وائے نادانی کہ یونہی کھو دیا عالی مقام — جس میں تھے تیرے ہی خادم دونوں یہ شمس و قمر
کل تو مسجود ملائک' اشرف مخلوق تھا — آج ذرہ ذرہ ہے بیزار تجھ کو دیکھ کر
بلکہ ہر ہر نقش پا زندہ-ان لعنت ہے ترا — تو بہ اعمالیوں سے ہو گیا بد اس قدر
دیکھا یہ تفریق ایماں و عمل کا ہے مآل — جس کو دیں سمجھا ہے تو ہے وہ ہلاکت سر بسر

کھول غافل دیدہ عبرت' وگوش دل سے سن
دعوت حق ہے صدائے حافظ بے بال و پر

حواشی و حوالہ جات

(۱) ابو داؤد عن الجارر ماخوذ از جامع الصغیر للسیوطی جلد اول حرف الھمزہ مطبوعہ مصر ص ۴۱
(۲) رواہ احمد عن معاذ ابن جبل ماخوذ از مشکوۃ کتاب الایمان فصل ثالث حدیث آخر۔
(۳) رواہ ابو داؤد ماخوذ از مشکوۃ جلد اول کتاب الایمان فصل ثانی عن ابی امامۃ۔
(۴) نسائی جلد ۲ کتاب للایمان و شرائعہ جید برقی پریس دہلی ص ۲۲۸
(۵) مسند ابی عوانہ جلد ۱ بیان افضل للاعمال مطبع دائرۃ المعارف ص ۳۳
(۶) نسائی جلد ۲ کتاب الایمان د شرائعہ و ذکر افضل الاعمال مطبع جید ترقی پریس ص ۲۲۸
(۷) مسلم جلد ۱ کتاب الایمان باب بیان عدد شعب الایمان عن سالم عن ابیہ و عن الزہری مطبع ملیمی ص ۴۷ و بخاری جلد ۱ کتاب الایمان باب الحیاء من الایمان کرزن پریس ص ۸ و المعجم الصغیر للطبرانی الجزاء الثامن باب الفاء عن سالم عن ابیہ مطبع انصاری ص ۱۵۳
(۸) بخاری کتاب الایمان باب ادارالخمس من الایمان ص ۱۳ کرزن پریس۔
(۹) بخاری جلد اول کتاب الایمان باب امور الایمان کرزن پریس ص ۶
(۱۰) نسائی جلد ۲ کتاب الایمان ذکر شعب الایمان عن ابی ہریرہ جید برقی پریس ص ۲۳۶
(۱۱) بخاری جلد ۱ کتاب الایمان باب اول عن عمر بن عبدالعزیز کرزن پریس ص ۶
(۱۲) رواہ الطبرانی و جامع الصغیر للسیوطی ماخوذ از تسہیل القاری مع فتح الباری جلد ۱ مطبع صدیقی ص ۱۷۹
(۱۳) رواہ ابن شاہین فی السننہ عن علی ماخوذ از جامع الصغیر للسیوطی جلد ۱ حرف الھمزۃ مطبوعہ مصر ص ۱۳
(۱۴) غنیۃ الطالبین از شیخ عبدالقادر جیلانیؒ باب آٹھواں فصل ۲ فرقہ مرجیہ کے بیان میں۔ مطبع نول کشور لاہور ص ۱۷۱
(۱۵) ابن ماجہ باب فی الایمان عن ابن عباس مطبع فاروقی ص ۷ و جامع الترمذی جلد ۲ ابواب القدر باب ماجاء فی القدریۃ عن مطبع فیض
(۱۶) تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان جلد ۲ آیت مذکورہ ص ۳۶۱

فصل سوم

ایمان، بنیاد اور عمل اس کی چھت ہے

اس میں شک نہیں کہ قرآن حکیم نے ایمان کا مسکن قلب کہا ہے۔ مثلاً ارشاد ہے کہ

یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان لکھا جا چکا ہے۔

(قرآن پارہ ۲۸ سورۃ المجادلہ رکوع ۳)

دوسری جگہ پھر ارشاد ہے۔

اور اس کا دل مطمئن ہے ساتھ ایمان کے۔

(قرآن پارہ ۱۴ سورۃ النحل رکوع ۱۴)

تیسرے مقام پر یوں ارشاد حق ہے کہ

اور ابھی تک ایمان (کا نور) تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

(قرآن پارہ ۲۶ سورۃ الحجرات رکوع ۲)

ان آیات کریمہ سے یہی واضح ہوتا ہے کہ مقام ایمان دل ہے اگرچہ افسوس اس امر کا ہے کہ اس کی حقیقت و صحیح تعریف نہ رکھتے ہوئے یہی فیصلہ کر دیا کہ بس چونکہ قرآن نے بیت الایمان دل کہا ہے اس لیے ایمان صرف عقیدہ کا نام ہے۔ نماز، روزہ اور اقتدار اسلام کو فوت کر کے اپنے آپ کو شیطان کا شکار کرتا ہے جس سے یہ لوگ لہو و لعب اور فسق و فجور میں مبتلا ہو کر بھی احساس تک نہیں ہوتا چنانچہ اسی طرح قوم کی تباہی و بربادی اور بے دینی و زندیقی کا باعث اعظم صرف ایمان و عمل میں تفریق کرنا ہے اور بس۔

حالانکہ قرآن مجید نے کہیں ایک مرتبہ بھی لفظ اعتقاد جو کہ خالص عربی لفظ ہے استعمال نہیں کیا بلکہ لفظ ایمان کو لاتعداد بار استعمال کیا ہے ہو اس کے کسی صاحب علم و فن نے اس پر غور نہ کیا کہ آخر لفظ عقیدہ جو نہایت واضح لفظ ہے کیوں نہ استعمال نہیں کیا گیا جس سے تمام جھگڑا ہی ختم ہو جاتا اور بجائے اس کے مترادف معنی لفظ ایمان کیوں استعمال کیا؟ اس کی علت غائی کیا ہے؟

ایمان و اعتقاد میں فرق

اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک محض عقیدہ جس کا دوسرا نام یقین ہے کچھ نہیں، جو کچھ ہے وہ سراپا عمل ہے۔ پھر صرف عمل بھی کچھ شے نہیں جب تک وہ عمل بخلاف انسانی خواہشات کے خدائے احکم الحاکمین کے زیر نگیں نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اعتقاد و یقین کو تو کوئی اہمیت نہیں دی، لیکن عمل کو پسند بھی کیا تو شرط ایمان لگا کر، کیونکہ محض جذبہ اعتقاد اور صرف بے نظم و غیر صالح عملی قوت اسلام کے نزدیک غیر مفید و بے وقیع ہے۔ لیکن بایں ہمہ جو امید ایک فعل طبع انسان سے ہو سکتی ہے وہ کسی اعتقادی ملا سے نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ایمان و عمل کا تذکرہ بار بار قرآن نے کیا، مگر عقیدہ کا نام بھی قرآن میں نہیں۔ خیر بتایا یہ ہے کہ سب سے پہلے جو چیز پیدا ہوتی ہے وہ علم الیقین ہے۔ یعنی یہ سن کر یقین کرنا کہ آگ جلاتی اور زہر ہلاک کرتا ہے۔ اس کے بعد انسان جس وقت آگ کو دیکھتا ہے کہ جو چیز اس میں ڈالی جائے وہ بچ بچ راکھ کا ڈھیر ہوتی ہے، اس وقت جو یقین پیدا ہوتا ہے اس کو عین الیقین کہتے ہیں۔ زاں بعد جب اپنا ہاتھ آگ کے قریب کر کے تپش محسوس کرتا ہے تو اس کو حق الیقین کہتے ہیں جب یہ درجہ حاصل ہو جاتا ہے تو پھر تمام اعضاء قویٰ میں ایک عملی اسپرٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ آئندہ آگ میں ہاتھ نہیں ڈالنا چاہیے پھر اگر کوئی ہزار لالچ بھی دے تو دھوکہ دے کر آگ جلاتی نہیں۔ یا زہر ہلاک نہیں کرتا، تو اس یقین میں تزلزل پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر ہو بھی تو شاذو نادر۔

بالکل یہی حال مرتبہ ایمان تک پہنچنے کا ہے۔ پہلے سرسری علم کا شوق پیدا ہوتا ہے جوں جوں علم میں اضافہ ہوتا جاتا ہے توں توں یقین پختہ ہوتا ہے۔ پھر تحصیل علم کے بعد جو یقین جم جاتا ہے، اسی کا دوسرا نام اعتقاد ہے (مگر اس میں ثبات نہیں ہوتا، ہو سکتا ہے بلکہ یقین ہے کہ جب مقابل میں کوئی شخص دلائل و براہین کا سیلاب لے آوے تو وہ متزلزل ہو کر رہ جائے) تو جو شخص اس درجہ اعتقاد میں ترقی کر کے اس درجہ تک نہ پہنچ جائے جس کو حق الیقین کہتے ہیں اس میں عملی جذبہ پیدا نہ ہو سکے گا، اور نہ وہ مرتبہ عقیدہ سے بلند ہو کر کوئی

دوسری شکل اختیار کر سکے گا' لیکن اگر وہ ارفع و اعلیٰ درجہ حاصل کر کے عملی جذبہ پیدا کر لے گا تو اس کا نام شریعت اسلامی کے لغت میں ایمان ہو گا۔ مختصر الفاظ میں اعتقاد و یقین ایک غیر متحرک و جامد و ساکن شے ہے۔ اور ایمان و اسلام ایک صحیح اعتقاد و عمل کو متحد کر کے فرامین الٰہی کے ماتحت و مطیع کرنے کے بعد امن و اطمینان حاصل کرنے کا نام ہے اس واسطے قرآن نے بجائے اعتقاد کے (یا عقیدہ کو بالکل نظر انداز کر کے محض) ایمان و عمل کی دعوت بار بار دی ہے۔

ایمان میں کمی و بیشی ہو سکتی ہے

جیسا کہ مذکورہ بالا سطور میں یقین کے درجات بیان کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یقین و اعتقاد جہالت کے باعث کم اور عمل و دلائل سے زیادہ پختہ ہوتا ہے۔ اور یہ ترقی و تنزل ہر درجہ یقین و اعتقاد میں ہو سکتا ہے بالکل یہی کیفیت و کیفیت حالت ایمان یا شجر اسلام کی بھی ہے۔ اگر دلائل قوی یا زیادہ ہو جائیں تو اس میں عروج و صعود اور استحکام و اطمینان پیدا ہو جاتا ہے اور اگر دلائل بودے و بے ثبات ہوں تو ہبوط و سفل اور تنزلزل و تردد میں گر کر فنا ہونا یقینی ہو جاتا ہے۔ مثلاً حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

> اور جب کبھی کوئی سورت (قرآنی) نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ بھلا اس نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے؟ پس جو لوگ کہ مسلمان ہیں ان کا ایمان تو زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ بہت خوشی منانے لگتے ہیں' اور جو لوگ (بد اعمالی کے باعث) مریض القلب ہیں ان کی ناپاکی پر ناپاکی بڑھتی ہے (یعنی ایمان گھٹ جاتا ہے)
>
> (قرآن پارہ ۱۱ سورۃ التوبہ رکوع ۱۶)

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان میں کمی و زیادتی ہوتی ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کا فیصلہ ہے اب جو لوگ اس کے منکر ہو کر ایک بدکار اور متقی کا ایمان ایک بتا کر فلسفیانہ بحث و تاویل کر کے عامتہ الناس کو فریب دے کر فسق و فجور کا انسداد نہیں کرتے وہ در حقیقت نہ تو

قرآن کے معتقد و مومن ہیں اور نہ وہ جماعت اسلامیہ میں شمار ہو سکتے ہیں۔ دوسرے مقام پر ارشاد باری یوں ہے۔

اور جو لوگ کہ ہدایت یافتہ (ہو کر پیروی ہدایت کرتے ہیں)۔ خداوند تعالیٰ ان کو ہدایت اور زیادہ دیتا ہے اور ان کو تقویٰ (و پرہیز گاری) بھی عطا کرتا ہے

(قرآن پارہ ۲۶ سورۃ محمد رکوع ۲)

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ ہدایت و تقویٰ میں بھی ترقی و اضافہ ہو سکتا ہے۔ پھر ارشاد ہے کہ

تاکہ اہل کتاب یقین حاصل کریں اور اہل ایمان کے ایمان میں ترقی ہو اور شک (و تردد) میں نہ اہل کتاب مبتلا ہوں اور نہ اہل ایمان۔

(قرآن پارہ ۲۹ سورۃ المدثر رکوع ۱)

پھر ارشاد پاک ہوتا ہے کہ

اور جب کبھی ان (اہل ایمان) پر میری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں زیادتی (اور ترقی) ہو جاتی ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

(قرآن پارہ ۹ سورۃ الانفال رکوع ۱)

یہ اور اس قسم کی اور آیتیں بھی ہیں جو تمام اس حقیقت پر روشنی ڈالتی ہیں کہ ایمان میں اطاعت و انقیاد سے ترقی اور نافرمانی و معاصی سے کمی یقیناً واقع ہو سکتی ہے۔ اس میں اہل ایمان کو شک و شبہ نہیں کرنا چاہیے ورنہ اندیشہ خسران ہو گا۔

اس سلسلہ درجات ایمان کے متعلق ایک صحیح حدیث نبوی نہایت فیصلہ کن پیش کی جاتی ہے جس کے بعد مزید دلائل کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور وہ یہ ہے کہ جس کو حضرت ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ نبی صلعم کا ارشاد ہے کہ

حق تعالیٰ نے جس نبی کو بھی اپنی امت میں مبعوث فرمایا تو ضرور بالضرور اس کے لیے ایک گروہ مددگار پیدا کیا جو ان کی کامل پیروی کرتا لیکن پھر اس کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ علاوہ اس کے وہ ان افعال قبیحہ کے مرتکب ہوتے ہیں جن کا انہیں کوئی حکم نہیں دیا جاتا۔ پس جو ان سے

اپنے ہاتھوں کے ساتھ جہاد کرے وہ مومن ہوتا ہے اور ان کے ساتھ جو اپنی زبان سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور ان کے ساتھ اپنے دل سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور جو ایسا بھی نہ کرے تو اس کے لیے اس کے بعد رائی کے برابر بھی ایمان نہیں (اس آخری درجہ کا نام قلبی جہاد ہے)(۱) جس کے کرنے والوں کو حضور نے ضعیف الایمان قرار دیا ہے(۲)

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ ایمان بلحاظ عمل اعلیٰ و مضبوط بھی ہوتا ہے اور بلحاظ ترک اطاعت اسفل اور ضعیف بھی ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ باوجود وضع و تبلیغ اسلام ہونے کے باالرغم خدا اور رسول کے باعث وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اس کے ساتھ ہر طرح کا جہاد کیا جائے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ علاوہ ازیں یہ سلسلہ ترقی عامۃ المسلمین سے لے کر خواص اور خواص اہل ایمان سے لے کر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تک بھی اعلیٰ و ارفع ہو سکتا ہے۔ چنانچہ خواص اہل اسلام میں سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق حضور اکرم کا ارشاد گرامی ہے کہ

اور اگر حضرت صدیق اکبر کے ایمان کے ساتھ ساری امت اسلامیہ کے ایمان کا وزن کیا جائے تو ایمان صدیق اکبر کو ترجیح حاصل ہوگی(۳)

حضرت ابراہیم خلیل کے متعلق قرآن حکیم میں ارشاد باری یوں مذکور ہے کہ

اور یاد کرو جب حضرت ابراہیم نے بارگاہ رب العزت میں سوال کیا کہ اے ہمارے رب مجھے دکھا تو سہی کہ تو مردے کو کیسے زندہ کرے گا تو ارشاد باری ہوا کہ کیا تو ایمان نہیں لایا؟ عرض کیا کہ ایمان تو ضرور لایا ہوں مگر مجھے اطمینان قلب کی ضرورت ہے اس لیے کچھ دکھا دے کہ اطمینان حاصل ہو جائے۔
(قرآن پارہ ۳ سورۃ البقرہ رکوع ۳۵)

اس مقالہ سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام باوجود مرتبہ جلیلہ نبوت و خلافت سے سرفراز ہونے کے مزید ترقی ایمان بالفاظ دیگر کامل اطمینان قلب کے خواہش مند تھے ورنہ حق تعالیٰ کے فرمانے پر آپ کا کوئی حق طلب معائنہ کا نہ تھا کیونکہ آپ ایک اولوالعزم و جلیل القدر نبی برحق تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ ترقی درجات و استحکام ایقان کا کون ہے جو

طالب و متمنی نہیں؟ اور پھر جب کہ قانون الٰہی اس کے مانع ہونے کے بجائے خود موید و متقاضی ہے۔ اور یہ تو عین منشائے الٰہی ہے کہ کوئی صاحب عقل و شعور قدرت حق کا تماشا کر کے جلد از جلد طالب حقیقت و عابد معبود واحد ہو جائے۔ مگر قلب خلیل جیسی نگاہ دور بین و جذبہ عبرت آموز ہر کس و ناکس کو کہاں میسر کہ ایک ہی جلوہ میں قتیل عشق ہو کر محبوب حقیقی کے بے مثال قدموں میں سجدہ ریز ہو جائے۔

یہی وہ درجات یقین و ایمان ہیں جن کو قرآن مجید و احادیث رسول نے مختلف پیرایوں میں بیان کر کے اہل اسلام پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ جس طرح یقین و اعتقادات میں کمی بیشی اور تزلزل و ثبات واقع ہو سکتا ہے بعینہ اسی طرح نفس ایمان کے چمن پر بھی موسم خزاں و بہار کا ورود و نزول ہوا کرتا ہے۔ ہاں مقصود و مطلوب وہ یقین و اعتقاد ہے جو حقیقی ہو سطحی نہ ہو۔

اعتقاد حقیقی و سطحی کی علامت

۱۔ اعتقاد حقیقی وہ ہے کہ جس کے حاصل ہونے کے ساتھ ہی نور ایمان بصورت اعمال چمک کر ضیاء افگن ہوتے ہوئے اپنی جسمانی و روحانی مملکت کو منور کر کے بنی نوع انسانی کی تیرہ و تاریک کائنات کو بھی روشن کیے بغیر نہیں رہتا۔ بالفاظ دیگر جس خوش نصیب و فیروز بخت انسان کو یہ گوہر حق و صداقت اپنی پیہم کوشش اور مساعی جمیلہ و فضل ربی کے طفیل دستیاب ہو جاتا ہے وہ دوسرے اور متصل کے درجہ میں آکر مومن و مسلم کہلانے کا مستحق ہوتے ہوئے تمام قوانین مقنن اعظم و جمیع احکام احکم الحاکمین کے ماتحت وزیر فرمان رہنا اپنا فخر سمجھنے لگتا ہے۔ گویا اعتقاد جس قدر پختہ اور ایمان راسخ و ترقی یافتہ ہوتا جائے گا اسی قدر انسان اپنی قلبی و جسمانی کائنات پر حکومت ربانی کے احکام و قوانین نافذ کرے گا۔ حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کے معصوم و مصئون ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے۔ لہٰذا اعتقاد صحیح و حقیقی کی بین پہچان خدائی احکام کے آگے دل و جان سے سرنگوں و مطیع کامل ہو کر نفس و ہوا اور شیطانی دوام فریب کی زنجیر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ہے اور بس۔

(۴) ۔ اور سطحی عقیدہ کی واضح دلیل و روشن علامت یہ ہے کہ صاحب العقیدہ کو یہ گمان یا اپنے زعم میں یہ یقین ہوتا ہے کہ "میں خدائے واحد کی وحدانیت و نبی برحق کی رسالت و نبوت پر ایمان لایا ہوں یا توحید و رسالت و کتاب الہی اور یوم آخر وغیرہ پر اعتقاد و ایمان رکھتا ہوں" مگر حالات و واقعات سے دوسروں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص کاذب و فریب خوردہ شیطانی ہے کیونکہ وہ فرامین و احکام حق و صداقت کی عملی شہادت دینے سے قاصر ہوتا ہے یعنی اوامر الہی کا مطیع و فرمانبردار اور منہیات شرعیہ سے مجتنب و کنارہ کش نہیں ہوتا بلکہ اپنی کج الاعتقادی کے کھنڈر اور نفس کے فریب و شیطانی وساوس و تلقینات کے پیش نظر پوری مذہب و شریعت اس پر گراں و دشوار ہوتی ہے اس لئے وہ ایک گونہ قیود مذہب و پابندی اسلام سے آزاد اور بالعموم طور پر نفس و ہوا کا بندہ بن کر ہر قسم کا گناہ اپنے وقت پر کر گزرتا ہے، اور خیال یہ ہوتا ہے کہ خدائے رحیم و کریم اپنی عفو عام کے باعث یہ ساری خطائیں بخش دے گا۔ قرآن نے اس قسم کے اعتقاد کا نام زعم بھی رکھا ہے، جیسا کہ موقع پر بیان کیا جائے گا۔

اور کا ہے یہ ہوتا ہے کہ خدائے عادل کے عادلانہ و منصفانہ قانون کے فطری اثرات کا مرتکب ہو کر اپنے عیوب و معاصی کو کلمات باطلہ کی شکل میں سراہنے لگتا ہے، مزید برآں اپنی چھوٹی سی سمجھ پرستی اور عاقبت اندیشی عقل و دانش پر نازاں ہو کر قانون قدرت پر بھی نکتہ چینی کرنے لگ جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد الہی موجود ہے کہ

اور لیکن ان کے دل (پے درپے بدکاریوں کے باعث) سخت ہو گئے ہیں (اس لیے وہ حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتے۔ اور شیطان نے بھی (موقعہ پاکر) ان کے لیے وہ (برے اور ناگفتہ بہ) اعمال جن کو وہ کیا کرتے ہیں (خوب صورت اور) مزین کر کے پیش کر دیئے۔ (تاکہ وہ جی بھر کر کیا کریں)

(قرآن پارہ ۷ سورۃ الانعام رکوع ۵)

دوسرے موقعہ پر یوں ارشاد ربانی ہے کہ

ایک جماعت ہدایت یافتہ ہے اور دوسرے فریق پر گمراہی ثابت ہو چکی ہے بے شک انہوں نے خدائے واحد کو چھوڑ کر شیاطین کو اپنا دوست بنا رکھا ہے۔ اور

(مزید بر آں) وہ اپنے آپ کو ہدایت یافتہ بھی خیال کر رہے ہیں۔

(قرآن پارہ ۸ سورۃ الاعراف رکوع ۳)

ان دو جماعتوں کا وجود ہمیشہ سے قیامت تک رہے گا۔ اور یہی دو آپس میں باہم نبرد آزما ہوتی رہتی ہیں۔ ایک وہ نیک طینت و سلیم الفطرۃ اور صاحب قلب منیب جماعت ہے کہ جو ایک ہی مرتبہ جلوہ محبوب حقیقی دیکھ اس کی چشم مہر وفا و ریسمانہ ناز و ادا کا اندازہ لگا۔ وہ دل جو اس کے سینہ میں اسی کے لیے بطور امانت رکھا تھا نہایت محبت و عشق کے ساتھ دے آتے ہیں۔ اور پھر ساری عمر اسی کے حسن و جمال کی زبان حق سے مدح خواں آنکھوں سے مخمور دل سے مسرور ہوتے ہوئے اسی کی دلیز پر سر نیاز خم کیے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

اس جماعت کے قابل نمونہ حضرات' حضرت ابراہیم خلیل اور اس کے مومنین اور حضرت صدیق اکبرؓ وغیرہ ہیں کہ انہوں نے ایک ہی بار میں نظارہ قدرت پر اطمینان قلب حاصل (ولکن لیطمئن قلبی) اور آفتاب رسالت کی ایک ہی کرن سے سینہ و دل مستنیر اور صدق و صفات سے لبریز کر لیا' اور ایمان کے اس درجہ جلیلہ وعظیمہ تک پرواز کر گئے کہ ساری امت کا ایمان ان کے مقابلے میں عاجز و قاصر ہو کر رہ گیا۔

دوسری جماعت خبیثہ و تیرہ باطن کا کیا کہنا کہ ہزاروں بار بھی نگاہ حقیقت کے منور چہرہ سے اپنی قلبی تاریکی مٹا کر سینہ روشن نہ کر سکی اور چشمہ ہدایت و صداقت سے پیاس بجھانے کے بجائے شیطان لعین کے آب سراب کی طرف بغیر سوچے سمجھے دوڑ پڑی۔ العیاذ باللہ۔

تاریخی واقعات اور اعتقادی ایمان کی حقیقت

(۱) فرعون اور اس کی آل کا ایمان

علمی اعتقاد والوں کا ذکر قرآن میں یوں آیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے نشانیاں لے کر دربار فرعون میں آئے تو وہ یقین کرنے کے باوجود محض ظلم و تکبر کی بنا پر انکار کر کے اپنے ساتھ کفر و ظلم پر ڈٹے رہے۔ مثلاً ارشاد الٰہی ہے کہ

پس جس وقت ان کے پاس ہماری نہایت واضح نشانیاں آ پہنچیں تو انہوں نے کہا کہ یہ تو صریح جادو ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا انکار محض ظلم و تعلّی کے پیش نظر تھا ورنہ ان کے دل تو "علمی" یقین کر چکے تھے۔

(قرآن پارہ ۱۹ سورۃ النمل رکوع اول)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ان کا یقین کامل ان کے دلوں کی گہرائیوں تک پہنچ گیا ہوتا تو ہرگز ایسا ظاہری انکار نہ کرتے۔

اسی حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لیے چند ایک واقعات حضورؐ کے زمانہ کے پیش کرتے ہیں تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ

یہودیوں سے کسی مرد یا عورت نے زنا کیا تو ان لوگوں یا خود انہوں نے ہی کہا کہ چلو کہ ہم اس نبی کے پاس چلیں کیونکہ نبی آسان باتوں کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔ اگر یہ ہم کو رجم سے کم سے درجہ کی سزا دیں گے تو ہم اس کو مان لیں گے۔ اور خدا کے سامنے ہم اس فیصلہ کو بطور حجت و دلیل کے پیش کر کے کہیں گے کہ اے خدا! تیرے نبیوں میں سے ایک نبی نے یہ حکم دیا ہے۔ الخ (۳)

اس سے بالبداہت ثابت ہو گیا کہ یہود آپ کو نبی اللہ مانتے تھے۔ مگر پھر ملعون و مغضوب کیوں رہے؟ یہ صرف اسی لیے کہ وہ اعتقادی مسلمان تھے، عملی نہ تھے اس لیے وہ دولت ایمان سے محروم تھے۔ کیونکہ اعتقاد کی حیثیت کچھ نہیں۔

(۲) دو یہودیوں کا ایمان

حضرت صفوان بن عال مرادی سے روایت ہے کہ
دو یہودی تھے ایک نے ان میں سے دوسرے کو کہا کہ مجھے اس نبی کے پاس لے چل کہ اس سے کچھ پوچھیں! دوسرے نے کہا کہ اس کو نبی مت کہو یہ اپنے متعلق تم سے نبی کا لفظ سن لے گا تو اس کی آنکھیں چار ہو جائیں گی! پھر وہ دونوں حضرت محمد رسول اللہ کے پاس آکر آیہ ولقد اتینا موسیٰ تسع آیات بینات" (یعنی اور بے شک ہم نے موسیٰؑ کو نو کھلی نشانیاں دی تھیں) کے متعلق استفسار کیا۔ تو آپ نے جواباً فرمایا کہ وہ یہ ہیں اللہ وحدہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو۔ زنا نہ کرو۔ قتل نہ کرو اس جان کو جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے مگر ساتھ حق کے۔ چوری نہ کرو۔ جادو نہ کرو' بری آدمی کو بادشاہ کے پاس اس لیے نہ لے چلو کہ وہ اس کو قتل کر ڈالے۔ سود نہ کھاؤ' پاک دامن عورت پر تہمت نہ لگاؤ۔ جہاد کے وقت لشکر سے نہ بھاگو۔" اور اے یہود تمہارے لیے ایک خاص امر یہ ہے کہ ہفتہ کے دن زیادتی نہ کرو۔ پس ان دونوں نے بڑھ کر آپ کے ہاتھ پاؤں چوم کر کہا کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ سچے نبی ہیں۔ تو پھر آپؐ نے سوال فرمایا کہ پھر تمہیں مسلمان ہونے سے کون سی شے مانع ہے؟ جواب دیا کہ حضرت داؤدؑ نے دعا مانگی تھی کہ میری اولاد میں ہمیشہ نبی رہے' دوم یہ کہ اگر ہم مسلمان ہوں تو یہود ہمیں قتل کر ڈالیں گے۔(۴)

اگر اسلام محض سطحی اعتقاد و کلمہ شہادت کا نام ہے تو پھر حضورؐ نے دعوت اسلام کیوں دی؟ صرف اس لیے کہ انہیں عملی فرمانبردار کرنا مقصود تھا دوم یہ کہ وہ عملی شہادت اس لیے نہ دے سکے کہ موجودہ یقین اس حد تک راسخ نہ ہوا تھا جو عمل پر مجبور کرتا ہے۔ اسی واسطے دعائے داؤد' کا جھوٹا حوالہ دے کر بھاگ نکلے۔ اور خوف یہود مانع اسلام ہوا۔

(۳) ہرقل روم کا اعتقادی ایمان

۶ھ میں صلح حدیبیہ کے دوران میں جب کہ حضور اکرمؐ اور ابوسفیان کے درمیان صلح

قرار پائی تھی تو اس وقت ہرقل رئیس روم نے ابو سفیان اور اس کے تجارت پیشہ رفقاء کو (جب کہ یہ سب کے سب کافر تھے) بلا بھیجا اور حضرت محمد رسول اللہ کی نبوت کے متعلق بہت لمبی چوڑی گفتگو ہوئی تو آخر کار ہرقل روم نے آپ کی نبوت اور غلبۂ اسلام پر یقین کر کے اپنے درباریوں کو اندر بلا کر تمام دروازے بند کر دیئے اور پھر مشورہ کے طور پر انہیں کہا کہ اے روم والو! کیا تم اپنی فلاح و بہبود چاہنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی چاہتے ہو کہ تمہاری موجودہ سلطنت برقرار رہے؟ اگر تم ایسا چاہتے ہو تو اس نبی برحق پر جو عرب میں مبعوث ہوا ہے ایمان لا کر بیعت اسلام کر لو۔ یہ سنتے ہی تمام درباری مارے وحشت کے دوڑ پڑے، مگر دروازے بند تھے اس لیے رکے رہے۔ ہرقل نے جب دیکھا کہ انہیں اسلام سے سخت نفرت ہے تو انہیں واپس بلا کر کہا کہ میں تمہیں صرف آزمانا چاہتا تھا کہ آیا تم اپنے دین پر کس حد تک اڑے ہوئے ہو۔ اس پر انہوں نے ہرقل کے آگے سجدہ شکر ادا کیا اور تمام خوش ہو گئے۔ یہ تھا انجام ہرقل روم کے اعتقاد و یقین کا۔(۵)

(۴) علمائے یہود کا اعتقادی ایمان

اس واقعہ سے بھی یہی ثابت ہوا کہ صرف کلمہ شہادت ادا کرنا جو درحقیقت سچی اعتقاد کا نتیجہ ہے اسلام کے نزدیک کوئی شے نہیں جب تک اس دعویٰ کے ساتھ دلیل یعنی عملی شہادت نہ ہو اور یہ عمل ہے کامل اعتقاد حقیقی پر۔ اس کے علاوہ علماء یہود کے متعلق ارشاد ہے کہ

> جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توراۃ) دے رکھی ہے وہ اس (پیغمبر عرب) کو (بلحاظ سچا رسول ہونے کے) ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو (یعنی جیسے اپنی اولاد کو شناخت کرنے میں شبہ نہیں ہوتا بالکل ایسے ہی رسول برحق کے عرفان میں غلطی نہیں کر رہے مگر کیا کیا جائے کہ) اور بے شک ان میں ایک جماعت اس حقیقت کو (دنیاوی اغراض کے پیش نظر) چھپا رہی ہے اور ان کو خوب علم ہے (کہ یہ اچھا نہیں)

(قرآن پارہ ۲ سورۃ البقرہ رکوع ۱۷)

اس آیت قرآنی سے بالکل وضاحت ہو گئی کہ علمائے یہود کو رسالت محمدی کے متعلق کماحقہٗ عرفان اور علم تھا مگر عملی جامہ اسلام پہننے سے محروم رہے تو کیا مذکورہ بالا امثلہ و نظائر اس حقیقت کبریٰ کو روشن کرنے کے لیے کافی نہیں کہ محض منافقانہ دعوائے ایمان و اظہار اسلام سے کچھ حاصل نہیں تاوقتیکہ اس کے مطابق اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ جیسے معتبر دو گواہ نہ ہوں۔

(۵) ابو طالب اور اس کا اعتقادی ایمان

مزید برآں خود رسول کریمؐ کے چچا ابوطالب والد حضرت علیؓ نہ صرف یہ کہ دل میں رسالت ' بلکہ آپ نے مکی زندگی میں ضرورت سے زیادہ حضور اکرمؐ اور آپ کے جاں نثاران اسلام کی امداد کی یا یوں سمجھئے کہ اوائل میں جب کہ کفار مکہ ہر طرح سے اسلام و حاملین اسلام کے مٹانے کے درپے تھے تو اس وقت ظاہری صورت میں جو ہستی اسلام کی معاون و ممد تھی' اور جس کے طفیل اہل اسلام کی کافی حد تک حفاظت ہوتی رہی تو وہ ابو طالب ہی تھے۔ مگر باین ہمہ اوصاف آپ چونکہ اسلامی طور وطریق اور قیود و فرائض اسلام کے پابند نہ تھے' اس لیے آپ کو نہ مسلمان شمار کیا گیا' اور نہ آپ کی بخشش ہو سکے گی۔ چنانچہ مندرجہ ذیل حدیث سے ان کے اعتقادی ایمان پر جو روشنی پڑتی ہے وہ ملاحظہ ہو۔

> حضرت سعید بن المسیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابو طالب کی موت کا وقت آیا تو رسول کریم تشریف لائے' اور اس وقت ابو جہل و امیہ بن خلف ابو طالب کے پاس موجود تھے۔ حضور نے (از راہ ہمدردی) فرمایا کہ چچا جان! آپ کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیجئے۔ تاکہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کو بطور حجت کے پیش کر سکوں۔ اس پر ابوجہل و امیہ بن خلف نے کہا کہ اے ابو طالب! کیا آپ عبدالمطلب کے دین سے پھر جائیں گے؟ تو حضور نے پھروہی کہا اور انہوں نے پھر اسی طرح رد کیا (چنانچہ) ابو طالب نے ان سب کو جو آخر الفاظ کہے وہ یہ تھے کہ میں ابو طالب کے ہی دین پر ہوں۔ (گویا اپنے سابقہ دین جاہلیت پر ہی فوت ہوئے)(۷)

اگرچہ اس سے ہمارا دعویٰ پوری طرح ثابت نہیں ہوتا لیکن اسی حدیث کی تشریح جو مسلم و ترمذی اور طبرانی میں منقول ہے یہ ہے کہ

(رسول اللہ کی تحسین و دعوت اسلام پر ابوطالب نے جواب دیا کہ اے بھتیجے) اگر یہ خوف نہ ہو کہ قریش مجھ کو عار دلائیں گے یا طعنہ دیں گے کہ ابوطالب کو محمد رسول اللہ پر ایمان لانے پر آمادہ کیا ہے (یعنی) موت کی گھبراہٹ نے برانگیختہ کیا تو میں کلمہ شہادت پڑھ کر تمہاری آنکھ ٹھنڈی کر دیتا (۷)

(۶) ولید ابن مغیرہ کا اعتقادی ایمان

علاوہ اس کے ولید ابن مغیرہ جیسے بدترین معاند اسلام بھی اپنے دل میں اسلام اور محمد رسول اللہ کی حق و صداقت کے معترف یا معتقد تھے چنانچہ روایت میں ہے کہ

ولید بن مغیرہ نے جب ایک مرتبہ (کسی محفل میں کسی طرح سے) قرآن مجید سنا تو اس کا دل اس کی طرف مائل ہوا اور ابوجہل نے اس کو ملامت کی کہ تجھے کیا ہو گیا ہے کہ اسلام کی طرف مائل ہو گیا اور کہا کہ ہم تجھ سے جب راضی ہوں گے کہ تو اس کے حق میں کچھ اعتراض کرے تاکہ ہم معلوم کریں کہ تو اس کا منکر ہے۔ ولید نے کہا کہ واللہ شاعروں کے قصیدہ اور جنوں کے اشعار کو مجھ سے بڑھ کر تم میں سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔ قوم نے کہا کہ ہم تو جب راضی ہوں گے کہ تو اس (قرآن مجید) پر کچھ نقص (یعنی تردید) کرے۔ تو اس نے کہا کہ اچھا میں مزید غور و فکر کرتا ہوں۔ اس کے بعد کہا کہ یہ قرآن جادو ہے جو دوسروں سے ملے یہ محض نقل کرتا ہے (۸)

یہ تو ایک روایت ہے کہ جس سے ولید کی قلبی کیفیت کی غمازی ہوتی ہے کہ وہ درحقیقت کس نتیجے پر پہنچا ہوا تھا۔ لیکن قوم نے جب دیکھا کہ اسلام اور صداقت قرآن دل میں گھر کر رہی ہے تو انہوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا اس پر وہ محض قوم کی خاطر سرکشی و عناد کرتا ہوا منکر ہو گیا ورنہ ایمان کا اس پر اثر ہو گیا تھا۔

علاوہ ازیں قرآن میں بھی اس کے تائیدی الفاظ موجود ہیں مثلاً ارشاد ہے

بے شک وہ ہماری آیات کا معاند ہے۔ ہم عنقریب اس کو سخت عذاب میں مبتلا کریں گے (کیونکہ جب اس سے قرآن کی نسبت پوچھا گیا تو) بے شک اس نے سوچا اور ایک اندازہ لگایا۔ (یعنی اٹکل دوڑائی) پس اس کو (خدا کی) مار ہو کیسی اٹکل دوڑائی۔ پھر اس کو (خدا کی مار ہو (دیکھو تو) کیسی اٹکل دوڑائی۔ پھر (مزید) غور کیا۔ پھر تیوری چڑھائی اور برا سا منہ بنایا۔ پھر پیٹھ پھیر کر چلتا بنا اور شیخی میں آ گیا۔ پس لگا کہنے کہ یہ (قرآن) تو بس (ایک قسم کا) کا جادو ہے جو (اگلوں سے)چلا آتا ہے یہ (قرآن) تو بس (کسی) بشر کا قول ہے۔ (سو ہم عنقریب اس کو (نار) سقر میں جھونک دیں گے۔

(قرآن پارہ ۲۹ سورۃ المدثر رکوع ۱)

یہ تمام آیتیں ولید ابن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی ہیں ان کی روشنی میں دوسری روایات پر بھی غور کیا جائے جن کو ہم فی الحال نظر انداز کرتے ہیں تو بالکل صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف قرآن کا معترف و معتقد تھا بلکہ جو لوگ قرآن کی شان میں واہیات باتیں کرتے تھے ان کی تردید بھی کرتا تھا کہ جو تم کہتے ہو ان سے قرآن کا کوئی واسطہ نہیں گویا قرآن کلام اللہ ہے۔ مگر باوجود اس کے وہ عملی ایمان نہ لایا کیونکہ اس کی قوم نے اس کے خلاف پر مجبور کر دیا تھا۔ جس کی بنا پر بغض و عناد میں آ کر اس قسم کی باتیں ہانکنے لگا تھا جن کو اوپر نقل کیا گیا ہے۔

(۷) ابوجہل اور اس کا اعتقادی ایمان

مندرجہ بالا واقعات کے علاوہ ایک خاص اور حیران کن بات یہ ہے کہ رسول کریمؐ کے عہد مبارک کا سب سے بڑا فرعون' جہالت کا سب سے بڑا منبع ابوجہل بھی صداقت محمدی کا معتقد اور موقر تھا یعنی بالفاظ دیگر اعتقادی اور قولی ایمان لا چکا تھا مگر باوجود اس کے بدترین و لاطائل کا فرگر دانا گیا۔ جس کی تصدیق مندرجہ ذیل روایت سے ہوتی ہے مثلاً۔

اخنس نے ابوجہل سے پوچھا بتلاؤ تو محمد (اپنی نبوت) میں سچے ہیں یا جھوٹے؟

ابوجہل نے کہا خدا کی قسم وہ سچے ہیں۔ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا مگر بات

یہ ہے کہ قصی بن کلاب کی اولاد جب علم برداری آب رسانی' اور خانہ کعبہ کی دربانی (حاصل کر چکی ہے) اور پھر پیغمبری بھی حاصل کر لیں گے تو دوسرے قریش کے خاندانوں کے لیے کیا باقی رہے گا (پس میں رسالت محمدی پر ایمان نہیں لاتا) اس سے معلوم ہوا کہ ابوجہل اور دوسرے کفار قریش کے دل میں آنحضرت کی تصدیق (نبوت) ساکن تھی۔ لیکن حسد اور عناد اور غرور تکبر اور خود سری سے خواہ مخواہ انکار کرتے تھے۔(۹)

ہم کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا صحیح مطالعہ اور اقوام سابقہ کی تباہی' اور امم گزشتہ کی ہلاکت و خسران پر صحیح دل و دماغ سے غور و فکر کرنے سے بالتصریح معلوم و ثابت ہوتا ہے کہ کفر و ضلالت کا اطلاق اس قسم کے اعتقادی و قلبی ایمان کے باوجود صرف اور صرف عملی انکار و جحود پر ہوتا ہے۔ طمانیت قلب کے لیے شیطان لعین کے عدم اطاعت سے انکار کی دلیل کافی ہو سکتی ہے کیونکہ اس کے اعتقادی طور پر ایمان کے ہونے کا تذکرہ قرآن مجید میں اس قدر آیا ہے کہ اندازہ شمار سے باہر ہے اور اس مردود کے قولی ایمان کے لیے یہی کافی ہے جو قرآن کی ایک آیت کریمہ میں ہے کہ

(شیطان نے کہا) بے شک میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو رب العالمین ہے

(قرآن پارہ ۲۸ سورۃ الحشر رکوع ۲)

دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوۃ السلام کے بیٹے کی ضلالت و گمراہی کا جو ثبوت قرآن مجید سے ملتا ہے تو وہ صرف بد عملی ہے نہ کہ بد اعتقادی چنانچہ رب العالمین کا ارشاد ہے کہ

اے نوح بے شک وہ (ابن نوح) تیرے اہل سے نہیں ہے کیونکہ اس کے عمل غیر صالح ہیں۔

(قرآن پارہ ۱۲ سورہ ہود رکوع ۴)

غرض یہ کہ اس قسم کے بہت سے واقعات پیش کیے جا سکتے ہیں لیکن بخوف طوالت ان ہی پر اکتفا کرتے ہوئے یہ حقیقت نہایت اوضاو محکم سے ثابت کرتے ہیں کہ ایمان کے ارکان یا عناصر تین ہیں یعنی ایقان' اقرار اور اعمال ہیں پس جس کے ارکان ثلاثہ میں سے کوئی

ایک رکن بھی کم یا ناقص ہوا تو وہ قرآن اور مذہب اسلام میں نہ مومن کہلا سکتا ہے اور نہ صحیح مسلم بلکہ مندرجہ ذیل بالا متذکرین کفار کے زمرے میں شامل ہو گا۔ جیسا ایمان اور خسران کا ہوا ویسے ہی بے عمل اعتقادی مسلم کا ہو گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ کلمہ شہادت پڑھ کر ظاہری لباس اسلام پہن کر خود کو مسلمان کہلا رہے ہیں وہ اور جو اقرار توحید و رسالت کے موقرتو ہیں لیکن ظاہرا مسلمان نہیں کہلاتے وہ درجات و نتائج کے لحاظ سے ایک جان و قالب کی طرح بالکل برابر ہیں اور انہیں سر موتفاوت نہیں کیونکہ اس اعتقاد و یقین کامل سے محروم ہیں جو خداوند تعالیٰ اور اس کے رسول برحق کو مقصود و مطلوب ہے اور جو اعمال حسنہ و اخلاق فاضلہ اور انسانیت اعلیٰ کا موجب و محرک اعظم ہے۔ ہاں البتہ جو کچھ ان میں فرق ہے وہ یہ ہے کہ جماعت اول الذکر مرتبہ نفاق پر فائز ہے اور فریق ثانی اس سفلہ پنی و کینہ خوئی اور ناموری و بدعملی سے بے بہرہ ہوتی ہوئی کفر صریح کی جو خدع و فریب سے ناآشنا ہے مرتکب ہے یعنی یہ گروہ بہادرانہ کافر اور پہلی جماعت منافقانہ طور پر مار آستین بنی ہوئی ہے۔

ثابت یہ کرنا تھا کہ جس طرح علم الیقین عین الیقین اور حق الیقین درجات ثلاثہ میں باہم فرق ہے۔ اسی طرح ہر درجہ میں بلحاظ عقل و شعور اور فہم و ادراک کے فرق ہے بعض وہ طبائع سلیمہ ہوتی ہیں کہ صرف علم الیقین ہی سے وہ درجہ حاصل کر لیتی ہیں جو عین الیقین والے نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ہر یقین میں فرق مراتب اور درجات ایمان و اسلام ہیں' بعض خبیث الفطرۃ انسان بار ہا کرشمہائے قدرت دیکھنے پر بھی قلب سرکش و سنگین میں تخم اسلام کی تخم ریزی نہیں کر سکتے اور حرمان و خسران میں ہی سرگرداں و حیران کھڑے رہتے ہیں اور بعض "آناً فاناً" تمام مراتب طے کر کے منزل مقصود یعنی قوم پر پہنچ کر آرام و راحت کی میٹھی نیند سو جاتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟

حقیقت تصدیق و تکذیب

تصدیق کے لغوی معنی ہیں کسی کی شہادت یا صداقت کو تسلیم کرنا۔ اس کا تعلق بھی عرفان دل کے آخری فیصلے یا نتیجہ سے ہے گویا کسی شے کی حقیقت معلوم کرنے کے بعد دل میں جو اطمینان پیدا ہو جاتا ہے اسی کو تصدیق قلب کہتے ہیں اور اسی کی ضد کو تکذیب یعنی کسی کو جھٹلانا کہتے ہیں۔ مگر اصطلاح شرع میں اس کے باوجود ایک اور امر کا ہونا بھی ضروری ہے اور وہ عملی جامہ پہنانا ہے لیکن پھر بھی اس کا استعمال دو طرح پر ہوا ہے یعنی بعض اوقات لغوی معنوں میں ہوا ہے اور اکثر اوقات اصطلاح شرعی میں۔ مگر محض عمل قلب تک پہنچنے کے لئے ضروری کا ثبوت مذہب کی صداقت میں قلبی اقرار جس وقت تک اس کے دو گواہ نہ ہوں اور وہ گواہ ہیں اقرار اور استقامت و عمل جو اس سے عمل بالارکان ہے اس لئے کہ اہل مذہب اسی وقت یقین کر سکتے ہیں کہ اس نے دین حق و صداقت کی تصدیق قلب کر لی ہے تاکہ وہ بظاہر اس کو اپنا ہم مذہب تسلیم کر لیں۔

سوال

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل مذہب کو تسلیم کرانا تو مقصود بالذات نہیں اصل بات تو خدائے عالم الغیب سے تعلق رکھتی ہے جب وہ کسی شے کی قلبی تصدیق کو جانتا ہے تو اوروں کے جاننے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

جواب

دراصل بات کا تعلق تو خدائے علیم و خبیر سے ہی ہے۔ لیکن اس کے قریب قریب اہل مذہب سے بھی تعلق ہے کیونکہ جس دین کی تصدیق ہوئی ہے اب اس کی دعوت و تبلیغ بھی فرض ہو جاتی ہے اور اس کی ادائیگی اپنے ہم جنسوں سے تعلق استوار کئے بغیر ناممکن ہے اس لئے بھی ضروری ہے کہ ان سے رشتہ ناطہ مضبوط کیا جائے۔ اسی حقیقت مستورہ کا نام اسلامی لغت میں جماعت و التزام جماعت ہے جس سے منسلک ہوئے اور اطاعت و انقیاد کئے بغیر کوئی شخص مسلمان کہلانے کا حقدار نہیں ہو سکتا گو ہزار انفرادی طور پر پابند صوم و

صلوٰۃ رہے۔

علاوہ ازیں قلبی تصدیق کے لئے دو عادل شاہدوں کا ہونا اس لئے بھی لابدی ہے کہ اپنے آپ کو شیطانی فریب و ابلیسانہ دھوکے سے بچایا جائے کیونکہ بسا اوقات یہ بھی ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ہی نفس کے فریب میں آکر ایسا عقل و شعور کھو بیٹھتا ہے کہ اپنی خباثت و گمراہی کا پتہ تک نہیں چلتا قرآن کہتا ہے کہ

اور وہ اپنے ہی کو دھوکہ دے رہے ہیں مگر سمجھتے تک نہیں۔

(قرآن پارہ ا سورۃ البقرہ رکوع ۲)

لہٰذا اس نامعلوم و نامحسوس خدع و فریب سے بچنے کے لئے اس تصدیق بالقلب کو اتنی جرات دلانی چاہیے کہ وہ زبانی شہادت کے ساتھ ساتھ عملی گواہی بھی دے تاکہ اچھی طرح بین احساس ہو جائے کہ یہ تصدیق تصدیق حقیقی ہے جس کا دوسرا نام اسلام وایمان ہے۔ اور اسی تصویر کے دوسرے رخ کا نام تکذیب ہے۔ ایک شخص خیال کرتا ہے کہ میں فلاں امر کی تصدیق کر رہا ہوں حالانکہ اعضاء وجوارح سے عمل اس کے خلاف ہوتا ہے تو اس کو بھی تکذیب کہتے ہیں۔ اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ صرف زبان سے ہی جھٹلایا جائے رسول صادق و مصدوق کا ارشاد مبارک ہے کہ

پس آنکھ کا زنا (بری نگاہ سے) دیکھنا ہے اور زبان کا زنا (شہوت انگیز) گفتگو کرنا ہے اور نفس اس کی آرزو و (خواہش) کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔(۱۰)

دوسری حدیث میں اس سے کچھ وضاحت ہے ارشاد ہے کہ

(ہر شخص کی) دو آنکھیں ہیں کہ ان کا زنا (بری نگاہ سے) دیکھنا ہے اور دو کان ہیں کہ ان کا زنا (شہوت انگیز) باتیں سننا ہے اور زبان ہے کہ اس کا زنا (بیہودہ) کلام کرنا ہے اور ہاتھ ہیں کہ ان کا زنا (نامحرم عورت کو) چھونا ہے۔ اور پاؤں ہیں کہ ان کا زنا (برے کام کے لئے) چلنا ہے اور دل خواہش و آرزو کرتا ہے اور عضو مخصوص اس کی یا تو تصدیق (عملی صورت میں) کرتا ہے اور یا تکذیب کرا(کے اس برے ارادے سے باز آ جاتا ہے) (حالانکہ عضو مخصوص کا نہ دل ہے اور نہ زبان

> کہ ان سے تصدیق و تکذیب کرے بلکہ وہ سرتاپا ایک عملی آلہ ہے اور اس کی حرکت ہی کو تصدیق یا تکذیب سے تعبیر کیا گیا ہے(۱۹)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ شریعت اسلامیہ میں محض زبانی و قلبی تصدیق و تکذیب کچھ شے نہیں جب کہ تصدیق بالقلب پر عمل اور تکذیب بالقلب سے پرہیز نہ کیا جائے ورنہ نفس کا دھوکہ اور شیطان لعین کا فریب ہے کیونکہ یہاں اعضائے انسانی نے زنا کا لالچ دیا اور عضو مخصوص نے ان کی تصدیق کر دی کہ ہاں واقعی زنا لطف اندوز چیز ہے اس لئے عمل بھی کر لیا یا شرمگاہ نے اس لالچ کو فریب دہ و مضر کہہ کر تکذیب کر دی کہ زنا دراصل نقصانات کے لحاظ سے اچھا نہیں برا ہے اس لئے اجتناب کر لیا۔ اسی طرح خدائے احکم الحاکمین نے قرآنی احکام نازل کر کے یہ فرمایا کہ خبر مخبر حق اور اس کتاب کی اور میری پیروی کرنے میں یہ فائدے اور نجات اور ہر طرح کی نعمتیں حاصل ہوں گی ورنہ عذاب دوزخ تیار ہے تو جس نے کلام الٰہی پر عمل کر کے ثبوت کر دیا وہ حقیقت اسی نے تصدیق کر دی اور جس نے ایسا نہ کیا بلکہ برخلاف اس کے شیطانی امنگوں میں آکر نفسانی خواہشات میں مبتلا ہو گیا تو اس نے حقیقتاً کلام الٰہی کی تکذیب اور ابلیس کی تصدیق کر دی جو اصلاً کفر ہے گو زبان سے کچھ کہتا رہے چنانچہ ایک اور حدیث نے تو فیصلہ ہی کر دیا جس کو حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا کہ

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حائضہ عورت سے مجامعت کرے یا عورت کے دبر یعنی پاخانہ کے مقام سے صحبت کرے یا فال کھولنے والے (یعنی نجومی وغیرہ) کے پاس جائے اور اس کے کہنے پر یقین کرے تو اس نے اس بات کا انکار (یعنی کفر) کر دیا جو اللہ تعالے نے محمدؐ پر نازل فرمائی (یعنی وہ قرآن مجید کا منکر ہے گو اعتقاداً مانتا رہے)(۲۰)

اس ارشاد نبوی نے مکمل طور پر ثابت کر دیا کہ ایک شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے مگر اس قدر سخت جرم کر لیتا ہے جو اس کے شایان شان نہیں تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ وہ اس ساری کی ساری شریعت کا منکر ہے جو محمدؐ پر نازل ہوئی ہے گویا عمل نہیں تو یہ کفر ہے حالانکہ یہ شخص اعتقاداً شریعت محمدی کا منکر نہیں، بلکہ معتقد ہے۔ مگر باوجود اس

کے اس کو منکر کہا گیا تو بس اس کے صرف یہی معنی ہوئے کہ جو احکام شرع کا پابند و مطیع نہیں وہی منکر اور کافر شریعت ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

یا تصدیق و تکذیب کی حقیقت پانے کے لئے یوں خیال کرنا چاہیے کہ آنکھوں کے سامنے ایک تنور ہے جو بہت کھول رہا ہے اور اس میں جو لکڑی بھی پڑتی ہے تو آنا فانا راکھ کا ڈھیر ہو جاتی ہے اور دل اس کی تصدیق کرتا ہے کہ اگر ہاتھ قریب کیا جائے تو جل جائے گا' اب تصدیق کے بعد کون ہے جو آگ میں ہاتھ ڈال دے جولپٹ لتی میں ہو گی۔ یا یوں تصور کیجئے کہ میز پر ایک دودھ کا پیالہ ہے جس میں کسی نے دیکھتے ہی دیکھتے زہر ملا دیا ہے۔ اب دل تصدیق کرتا ہے کہ جس نے پیا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ اب کون ہے جو اس کو منہ لگائے؟ کوئی نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ایسے موقع پر اگر کوئی فلسفی ہزار دلائل بھی پیش کر کے کچھ نقدی لالچ بھی دے اور کہے کہ نہ آگ جلاتی ہے اور نہ زہر ہلاک کرتا ہے تو کوئی بھی ایسا بیوقوف نہ ہو گا جو اس کی تصدیق کرے' بلکہ اس کی تکذیب کرتے ہوئے اپنے دل کی تصدیق پر عمل پیرا ہو کر اس سے باز رہے گا۔ بالکل یہی صورت خدائی اوامر نواہی کی تصدیق و تکذیب کی ہے پس جس کی تصدیق صحیح یقین راسخ ہو گا وہ پوری طرح مومن و مسلم ہو کر تمام احکام الٰہی کا پابند ہو گا خواہ ہزار شیطانی فلاسفر دلائل و وساوس پیش کریں' اور جس کی تصدیق غلط و یقین غیر محکم اور عقل و شعور سے دیوانوں اور بچوں کی مانند بے بہرہ ہو گا وہ منہیات شرع کا ذرا سی لالچ کے پیش نظر مرتکب ہوتا رہے گا۔ جیسے بچے اور دیوانہ آگ کے رنگین شعلوں کو دیکھ کر آگے کو لپکتا ہے اور نہ ڈرتا ہے اور نہ پرہیز کرتا ہے۔ گویا آگ کی سوزش و زہر کی ہلاکت پر تو اس کا ایسا یقین کامل ہے کہ اسے غلط استعمال کرنے کی ذرا ہمت نہیں پڑتی مگر گناہوں کے انجام و آتش دوزخ پر ایمان کا دھوکا ہے جو ان کو غلط استعمال کرنے میں مطلق نہیں ہچکچاتے' یہ ہے حقیقت تصدیق جس کو قرآن و جماعت اسلامیہ نے واضح طور سے ذہن نشین کر دیا اور یہ معیار بتا دیا کہ جو اس پر پورا اترے وہ مومن ہے اور جو نہ اترے وہ کافر ہے' اور اگر جو اسلامی لباس میں ملبوس ہو کر مدعی دین و ایمان و مصدق بالقلب ہے تو وہ پکا منافق و مستحق فی الدرک الاسفل من النار و لائق عذاب اللہ ہے۔

اس موضوع پر روشنی ڈالنے کے لئے بہت سے دلائل و براہین ہیں مگر فی الحال اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ چند ایک آیات کریمہ کو بطور نمونہ پیش کیا جائے تاکہ طمانیت قلب حاصل ہو جائے۔ ایک آیت کریمہ یہ ہے کہ

پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے یا تو اللہ تعالیٰ پر کوئی جھوٹ باندھا ہو اور یا جب صداقت اس کے پاس آئی ہو تو اس کو جھٹلایا ہو؟ کیا ایسے کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہو گا؟ (ضرور ہو گا) اور جو شخص صداقت لے کر آیا' اور جس نے اس کی تصدیق کی تو بس یہی لوگ متقی ہیں۔

(قرآن پارہ ۲۴ سورۃ الزمر رکوع ۴)

اس خط کشیدہ آیت میں غور کرنا ہے کہ صداقت لے کر کون آیا اور کس نے تصدیق کی' اور تصدیق کے ساتھ لفظ تقوے کے استعمال کا کیا مطلب ہے' اور یہ کس زمانہ کی طرف اشارہ ہے

تفسیر موضح القرآن میں لکھا ہے کہ

حضرت محمد صلعم صداقت قرآن و نبوت لے کر آئے اور حضرت صدیقؓ و علیؓ نے تصدیق کی۔ اور یہی لوگ ڈرنے والے ہیں۔(۱۳)

تو اس صدیقی تصدیق سے معلوم ہوا کہ تصدیق کے معنی اس پر عمل کر کے متقی بننا ہے جیسا کہ لفظ تصدیق کے ساتھ لفظ تقوے کے استعمال سے صاف مترشح ہوتا ہے۔

ایک باریک نکتہ

اور ایک خاص بات یہ ہے کہ امت محمدیہ میں قیامت تک جب کبھی کوئی داعی حق و صداقت پیدا ہو اور جو خود بھی اس پر عمل پیرا ہو تو اس کی تصدیق و عملی تائید کرنی مومنوں پر فرض ہو گی۔ بشرط یہ کہ اس وقت کے مدعیان اصلاح و تبلیغ میں سے اس کی دعوت و تعلیم زیادہ احق و موجب تقویٰ اور محرک ایمان و عمل ہو چنانچہ اس کی تصدیق و تائید مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے ہوتی ہے کہ

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو (ہر وقت وہر آن) اللہ تعالے سے ڈرتے رہا کرو' اور صادق القول (صادق العمل) لوگوں کے ساتھ (جماعتی طور پر) ہو۔

(قرآن پارہ ۱۱ سورۃ التوبہ رکوع ۱۵)

یہ آیت کسی عہد و زمانہ سے مخصوص نہیں بلکہ یہ قیامت تک کے لیے واجب العمل ہے کہ جب کبھی ایسے لوگ پیدا ہوں تو ان کا عملی ساتھ دینا فرض ہوگا مگر اس کی تشریح کا یہ محل نہیں بلکہ حقائق الاسلام جلد ۲ ہے۔ اس لیے قلم کو روک کر اپنے موضوع پر آتا ہے کہ حقیقت تصدیق روشن ہو جائے۔ چنانچہ ایک مقام پر تصدیق و تکذیب کے متعلق الفاظ ربانی یہ ہیں کہ

پس وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں خیرات کی اور نہایت ڈرتے ہوئے زندگی بسر کی' اور بھلی باتوں کی تصدیق کی' تو بس ہم بھی اس کے لئے سہولتیں آسان و فراہم کر دیں گے' اور جس نے بخل و بے پروائی اختیار کی' اور نیک باتوں کو جھٹلایا' تو ہم بھی اس کی راہ میں مشکلیں پیش کر دیں گے اور اس کو (وہ) مال (و متاع جو حرص و بخل کے باعث جمع کر رکھا ہے قیامت کے عذاب سے بچانے میں) کچھ فائدہ نہ دے گا جب وہ جہنم میں گرے گا۔

(قرآن پارہ ۳۰ سورۃ اللیل)

بقول واحدی مفسرین کے نزدیک پہلا شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ ہے جب کہ بلا کشان اسلام یعنی حضرت بلالؓ وغیرہ کو کفار مکہ کے مظالم سے آزاد کرانے میں بہت سی رقم خرچ کی تھی تو یہ آیت کریمہ انہی کے حق میں نازل ہوئی۔(۱۴)

دیکھئے یہاں بھی تصدیق کے ساتھ نیک اعمال کا ذکر ہے اور پھر تصدیق بھی حضرت صدیقؓ کی ہے جس کی ساری عمر بہتر تقویٰ و صلاح میں بسر ہوئی' اور جس کے ایمان کا مقابلہ ساری امت کا ایمان نہیں کر سکتا۔ اور اس کے برعکس تکذیب ہے کہ اس کی تعریف میں بد عملی وغیرہ داخل ہے تو معلوم ہوا کہ قرآن و جماعت اسلامیہ کے نزدیک صحیح تصدیق بالقلب وہی ہے جس کا نتیجہ نیک عملی و تقویٰ ہو۔ ورنہ تصدیق غیر معتبر ہو گی۔ بلکہ سرا سر حق و صداقت کی تکذیب شمار کی جائے گی جیسے کہ ارشاد باری ہے کہ

خرابی اور افسوس ہے ان لوگوں کے لئے جو تکذیب کرنے والے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو قیامت کو بھی جھٹلانے والے ہیں، اور یہ معیار تکذیب یاد رہے کہ) قیامت کو صرف وہی جھٹلاتے ہیں جو (بلا خوف و خطر) ارتکاب معاصی کرتے ہوئے حد سے گذر گئے ہیں۔

(قرآن پارہ ۳۰ سورۃ التطفیف)

پس مذکورہ بالا دلائل و براہین کی اخلاقی و عملی روشنی میں تصدیق و تکذیب کی حقیقت و علم تک رسائی حاصل کرنے کے لئے یہی کافی و شافی ہے کہ جو ظاہری زبان یا کسی حد تک قلبی اعتقاد سے تصدیق کر کے عمل اس کے خلاف کر رہا ہے وہ مکذبین حق میں شامل ہے۔ خواہ وہ تصدیق سطحی ہو یا حقیقی۔ اگرچہ حقیقی تصدیق میں ایسا احتمال نہیں پایا ہے تو بہت کم بہر کیف حقیقت کچھ ہی ہو۔ لیکن اگر بد عمل شخص اپنے زعم میں اپنے تئیں مصدق و معتقد تصور کر رہا ہے وہ مکذب ہی ہے۔ لہٰذا جو حکم غیر مسلم مکذبین کا ہے وہی اس کا بھی ہے۔
مختصر یہ کہ اکثر دلائل و شواہد کے رو سے بہت حد تک تصدیق حقیقت یقین راسخ و کامل اور ایمان و عمل نتائج کے لحاظ سے ایک شے ہیں۔ جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے اس سے انکار کرنا حقائق اسلام یا روح قرآنی سے ناواقفی و بے بصری ہے چنانچہ اسی حقیقت کبری و حسن مستور کو واضح و روشن کرنے والی ایک حدیث نبوی ہے جس سے قطعی و حتمی فیصلہ ہو جاتا ہے کہ حقیقت کیا ہے مثلاً فرمایا کہ
انسان اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل اس کی زبان کے موافق اور اس کی زبان اس کے دل کے مطابق نہ ہو جائے اور یہ کہ اس کا عمل اس کے قول کے برابر نہ ہو جائے۔ مزید برآں یہ کہ اس کا ہمسایہ اس (کے ظاہری و باطنی خوف شر) سے مطمئن نہ ہو جائے (خواہ ہمسایہ کافر ہو یا مسلم)(۱۵)

ایک خاص فیصلہ کن نکتہ اور معتقدین و منکرین کی سزا میں فرق

اعتقاد و یقین کی حقیقت و سطحیت کے متعلق جو کچھ اوپر لکھا جا چکا ہے اگر وہ کسی

معقول دلیل قاطعہ سے غلط بھی ثابت ہو جائے کہ یہ صحیح نہیں کہ "جن لوگوں کے اعمال و افعال ناگفتہ بہ وہ انسانیت سوز ہیں درحقیقت ان کے اعتقادات و یقینیات میں نقص ہے" بلکہ صحیح اعتقادات کے باوجود بھی ایک انسان فسق و فجور میں بالا صرار مبتلا ہو سکتا ہے اور اس پر بہت دلائل و براہین بھی پیش کر دیئے جائیں جن کے رو سے مخالفین کا دعویٰ تسلیم کرنا پڑے' اور جیسے کہ اکثر اہل علم و نظر کا یہی نظریہ صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ گویا کہ ایک صورت میں یہی جمہور کا مذہب ہے۔

دوم یہ کہ جو لوگ خدا و رسول کے قائل و معتقد ہیں وہ ان لوگوں سے بدرجہا اچھے اور عفو و کرم کے مستحق ہیں جو سرے سے توحید و رسالت کے قائل ہی نہیں۔

تو ہمیں بخلاف جمہور کے یہ کہنا پڑیگا کہ محض خدا و رسول کو زبان سے مان لینا' کوئی وجہ فضیلت و دلیل عفو و بخشش نہیں۔ کیونکہ یہ ماننا تحقیق و جستجو پر مبنی نہیں۔ بلکہ ایک موروثی امر ہے جو اگلوں سے سنتے چلے آ رہے ہیں۔ لیکن بخلاف اس کے اگر دل و دماغ کو صحیح طور سے استعمال کر کے خلاق ارض و سما کی حقیقت توحید پا لیتے تو پھر قابل قدر و منزلت ہوتے اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ پھر صحیح معنوں میں مطیع حق اور بااخلاق و نیک عمل ہوتے' اور یا کم از کم موجودہ موروثی معتقدین کی طرح بدعمل فاسق نہ ہوتے مگر موروثی اعتقادات بلاعمل فضول امر ہے۔ کیونکہ اگر یہی مدعیان ایمان کسی دہریہ خاندان میں پیدا ہوتے تو لامحالہ باری تعالیٰ کی ہستی کا انکار کرتے نہ صرف یہی بلکہ ان گنت دلائل بھی پیش کرتے کہ اس زمین و آسمان کا کوئی خالق نہیں بلکہ خود بخود موجودہ نظام عالم پیدا ہوتا اور خود چلا جا رہا ہے۔ (العیاذ باللہ) کیونکہ اسی موروثی دعوت کا نتیجہ ہے کہ کوئی تو حق تعالیٰ کو خالق بدیع اور واحد مانتا ہے اور کوئی یزداں واہرمن دو طاقتوں کا قائل ہے' اور کوئی تین خداؤں کا معتقد ہے' اور کوئی سرے سے قائل ہی نہیں' تو اسی صورت میں اگر کسی نے توحید و رسالت کا اقرار کر بھی لیا تو کیا حاصل؟ جب تک اعمال و اخلاق قانون الہیٰ کے مطابق نہ ہوں۔ لہذا یہ موخرالذکر گروہ نہ صرف یہ کہ کوئی فضیلت نہیں رکھتا بلکہ اشد ترین عذاب لعنت کا مستحق ہو گا' کیونکہ جو لوگ منکرین توحید و رسالت ہیں وہ تو یہ کہ دیں گے کہ " الہی ہمیں تو یہ یقین ہی نہ تھا کہ کوئی پیغمبر بھی آ سکتا ہے۔ اس لئے ہم نے نہ کسی کی نبوت

کی شہادت دی اور نہ اس کی اطاعت کی۔"

اگرچہ ایسے لوگ بری الذمہ نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ جہاں اور بے شمار دنیاوی امور کو بطریق احسن انجام دے سکتے تھے وہاں اپنی پیدائش اور زمین و آسمان کی تخلیق پر کماحقہ' غور و تدبر کر کے اپنے اپنے خالق حقیقی کو بھی پہچان سکتے تھے۔ لیکن اگر پھر بھی وہ خدائے واحد کی ہستی کی تصدیق و اقرار نہ کر سکے تو کم از کم فطری اصول و اخلاقی امور کے معاملہ میں پوچھے جائیں گے اگر خوش اخلاق و نیک عمل ثابت ہو گئے تو شائد بخشے جائیں۔ بشرطیکہ وہ توحید باری کے قائل ہوں ورنہ ابدی جہنم کے مستحق ٹھہریں گے۔

مگر بخلاف اس کے معتقدین و بد عمل مدعیان ایمان کیا جواب دیں گے کہ کیوں خدا و رسول کی نافرمانی کرتے رہے' اس حقیقت کو اس مثال سے بخوبی ذہن نشین کیا جا سکتا ہے کہ فرض کیجئے ایک بکر نامی شخص کے دو دوست ہیں ایک کا نام زید اور دوسرے کا نام عمرو ہے۔ بکر کسی دور دراز ملک میں جا ٹھہرتا ہے' اور اسے کسی ایسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے جو اسی ملک سے دستیاب ہو سکتی ہے جہاں زید و عمرو رہتے ہیں۔ وہ ان دونوں دوستوں کے لئے ایک قاصد کے ہاتھوں دستی خط بھیجتا ہے کہ برائے مہربانی فلاں چیز حامل رقعہ کو عنایت کر کے مشکور فرمایئے۔ وہ قاصد اول زید کے پاس آ کر وہ خط پیش کر دیتا ہے زید وہ خط دیکھ کر گومگو خیالات میں مستغرق ہو کر سخت پریشان ہو جاتا ہے' اور دل میں کہتا ہے کہ مجھے یقین نہیں آتا کہ یہ دستی رقعہ میرے دوست بکر کا ہے' اس لئے وہ اس خط کو جعلی سمجھ کر یہ جواب دے دیتا ہے کہ "اے قاصد! مجھے آپ پر یقین نہیں کہ آپ میرے دوست کے قاصد ہوں اس لئے میں اس خط کی تعمیل نہیں کر سکتا۔" پس قاصد صاحب یہاں سے مایوس ہو کر عمرو کے پاس آتے ہیں اور خط پیش کر کے تعمیل کا مطالبہ کرتے ہیں' عمرو نے خط لے کر پڑھا اور اس کے الفاظ و معانی پر خوب غور و فکر کرتے ہوئے سردھنا اور پھر اس خط کے ذریعہ قاصد صاحب کو بھی پہچان لیا' نہ صرف یہی بلکہ ایک حد تک اس کی تعظیم و تکریم اور مدح و ستائش بھی جابجا کی اور خوب خوشیاں منائیں کہ میرے فلاں رفیق صادق کا خط مبارک فلاں قاصد صاحب لے کر آئے ہیں۔ مگر جب قاصد صاحب دوست کی مطلوبہ شے کا مطالبہ کرتے ہیں تو یہ صاحب لیت و لعل و حیلے و بہانے شروع کر دیتے ہیں۔ آخر کار یہ صاحب باوجود

قدرت و استطاعت کے قاصد صاحب کو بے نیل و مرام واپس کر دیتے ہیں۔ وہ مایوس ہو کر واپس پہنچتے ہیں تو ان دوستوں کے حالات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

عالی جاہ! آپ کا پیام میں نے ہر دو اصحاب کی خدمت میں پیش کیا' زید صاحب کو تو یہ یقین ہی نہ آیا کہ یہ خط آپ کا ارسال کردہ ہے اور میں آپ کا قاصد ہوں اس لئے انہوں نے اس کو جعلی اور مجھے جھوٹا قاصد سمجھ کر جھٹلا دیا اور پھر میں نے ان سے کوئی مزید گفتگو وغیرہ نہ کی۔ زاں بعد میں عمرو کے پاس آیا انہوں نے مبارک نامہ دیکھتے ہی آپ کو بھی پہچان لیا اور مجھے بھی آپ کا قاصد سمجھ لیا۔ کسی حد تک خاطر و تواضع کی لیکن جب میں نے تعمیل خط کا مطالبہ کیا تو صاف جواب تو نہ دے سکے مگر حیلے بہانے کر کے مجھے بے نیل و مرام یونہی ٹال دیا۔ اور میں آپ کی خدمت میں آ گیا۔ گویا زید کی نافرمانی جہل و نادانی پر مبنی ہے اور عمر کی علم و شعور اور تعمد پر۔

اس واقعہ کے متعلق اہل عدل و انصاف سے گذارش ہے کہ وہ خود ہی فرما دیں کہ حضرت بکر صاحب ان دونوں دوستوں میں سے کس سے زیادہ ناراض ہوں گے اور بے وفائی کا سچا الزام و بے وفا صاحب عمرو ہیں نہ کہ زید۔ کیونکہ زید جاننے سے عاجز و قاصر رہے اور عمرو نے جان بوجھ کر یعنی باوجود علم و عرفان کے نافرمانی کی۔ اس لئے زیادہ رنجش و ناراضگی عمرو سے ہو گی نہ کہ زید سے۔

بعینہ یہی حال منکرین رسالت اور مدعیان ایمان کا ہے۔ گو حضرت بکر صاحب کو مطلوبہ شے کے بر وقت نہ ملنے اور فوت ہونے پر دونوں سے نقصان پہنچا لیکن عمرو سے بوقت ملاقات سخت احتساب ہو گا بہ نسبت دوسرے کے۔

گلہ جفائے وفا نما' جو حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو صنم بھی کہدیں ہری ہری

پس بالکل اسی طرح سخت بے وفائی کے باعث اشد ترین عذاب کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعمدا جان بوجھ کر یعنی علم و عرفان کے باوجود نافرمانی کر رہے ہیں اور وہ اکثر نام نہاد مسلمان ہیں۔ جن کو فاسقین یا مارقین اسلام کہا جاتا ہے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو قرآنی اصطلاح میں مغضوب علیہم کہا جاتا ہے۔

مغضوب علیہم وہ لوگ ہیں جو حق کو جان کر اس کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ پس جو کوئی جان بوجھ کر کتاب و سنت کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے ذوق اور ہوائے نفس کی پیروی کرے گا تو وہ مغضوب علیہم میں سے ہو جائے گا۔(۱۶) اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے راستے سے بچنے کے لئے ہم شب و روز نماز میں خدا کی پناہ مانگتے رہتے ہیں۔ (اس کی تشریح اس کتاب کے چوتھے حصے میں ملے گی۔)

اسی حقیقت کو خود رسول کریمؐ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ

قیامت کے روز اشد ترین عذاب اس عالم کو ہو گا جس کو اپنا علم فائدہ نہ دے (یعنی کم از کم جو اپنے علم کے مطابق بھی عمل نہ کرے)(۱۷)

ہم اس فرمان نبوی سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ غیر مسلم اقوام اسلام اور اس کی اخلاقی خوبیوں سے جاہل ہیں اور بد عمل ۔ مسلمان عالم و عارف ہیں اس لئے بہ نسبت ان کے ان کو سخت عذاب ہو گا۔

اگرچہ اس قسم کی حدیثیں محدثین کے نزدیک ضعف و سقم سے خالی نہیں ہوتیں کیونکہ یہ قرآنی و عقلی حقیقت کی ترجمان ہوتی ہیں۔ مگر پھر بھی دوسرے شواہد بکثرت مل سکتے ہیں کہ ایسے لوگ زیادہ سخت عذاب کے مستحق ہوں گے مثلاً ایک گناہ کا مرتکب دس سالہ بچہ بھی ہوتا ہے اور ۲۵ سالہ جوان بھی تو تمام مذاہب عالم کے نزدیک لعنت و سزا کا مستحق بڑا ہو گا۔ کیونکہ اس کی عقل قوی اور معلومات وسیع ہیں بہ نسبت بچے کے۔ اسی طرح یہ اصول ہر عالم و جاہل کے معاملہ میں جاری و نافذ ہو سکتا ہے۔

اور دوسری صحیح حدیث نبوی ہے جس کو حضرت ابی سعید خدری روایت کرتے ہیں کہ

جس سال غزوہ تبوک پیش ہوا اسی سال رسول کریم (ایک روز) اپنی سواری پر پیٹھ لگائے ہوئے خطبہ فرما رہے تھے کہ سنو خبردار ہو جاؤ کہ تمہیں بہترین اور بدترین لوگوں کی خبر سناتا ہوں .... اور بے شک (بدترین و) شریر ترین لوگوں میں سے وہ شخص ہے جو فاجر ہے کتاب اللہ پڑھتا ہے اور اس میں سے کسی امر کی رعایت (یعنی تعمیل) نہیں کرتا(۱۸)

اس میں غور و فکر کرنی چاہیے کہ حضور نے یہ نہیں فرمایا کہ مسلمانوں میں سے بدتر یا

شریر شخص وہ ہے جو قرآن مجید پڑھتا ہے مگر عمل نہیں کرتا' بلکہ یہ فرمایا کہ تمام لوگوں میں سے بدتر وہ ہے الخ اور یہ معلوم ہے کہ لوگوں میں یہودی بھی ہیں نصرانی بھی' دہریہ بھی ہیں اور مجوسی بھی مشرک ہیں اور آتش پرست بھی' اور مسلمان بھی تو ان سب میں بدتر و شریر تر ان کو کہا گیا جو محل قرآن خواں اور حافظ و قاری اور عالم و فاضل ہیں۔ غرض یہ کہ جو بھی اس کو یونہی پڑھتے اور رٹتے رہیں۔ دوم یہ کہ مدعیان اسلام کے سوا دوسری کوئی امت بھی اس حدیث کی مصداق نہیں ہو سکتی کیونکہ جتنا گہرا تعلق ان کا ہے کسی دوسری امت کا نہیں۔ اس لیے اسی امت مسلمہ کے جو لوگ یونہی قرآن دانی و قرآن خوانی پر مست ہیں وہ تمام یہود و نصاریٰ اور دہریہ و ملحدین وغیرہ وغیرہ میں بدترین ہیں اور انہی کو سخت عذاب ہو گا۔ کیونکہ غیروں کی بے رخی و بدعملی غفلت و جہالت اور قرآنی حقائق سے ناشناسی پر مبنی ہے اور مدعیان اسلام کی سرکشی و تمرد اور بدعملی و نافرمانی علم و عرفان اور تعمد و آشنائی پر ہے۔ گویا غیر مسلم اقوام کا حکم زید کی ناشناسی دوستی کا سا ہے۔ اور مدعیان اسلام کا عمرو کی تعمداً بے وفائی و غداری کا سا ہے۔

یہی وہ اصول ہے جس کے پیش نظر منافقین کو سخت ترین عذاب دائمی کی بشارت سنائی گئی ہے۔ کیونکہ منافقین بہ نسبت کفار و مشرکین کے زیادہ اسلام کی حمایت کا دم بھرتے ہوئے قرآن خوانی و قرآن دانی کے حامل ہوتے ہیں(۱۹) مگر اس پر پوری طرح عمل نہیں کرتے اسی واسطے انہیں بسا اوقات کافر بھی کہا گیا' اور فاسق بھی اور منافق بھی اور اسلامی نسبت کی وجہ سے انہیں تمام مخلوقات عالم کے کفار و ملحدین وغیرہ سے سخت ترین عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد حق تعالیٰ ہے کہ

> بے شک منافق (صفت لوگ) دوزخ کے سب سے نیچے کے درجے میں ہوں گے اور (اے پیغمبر!) آپ کسی کو بھی ان کا مددگار نہ پائیں گے (جو شفاعت وغیرہ کر کے چھڑا لے جائیں) مگر (ان میں سے) جن لوگوں کے (برے اعمال و افعال قبیحہ سے صحیح معنوں میں) توبہ کر لی' اور اپنی حالت کی (نیک عملی سے) اصلاح کر لی' اور اللہ تعالیٰ کا سہارا پکڑ لیا' اور اپنے دین کو خدا کے واسطے خالص کر لیا تو لوگ (ایسے حالات میں) مسلمانوں کے ساتھ (شامل اور بہشت میں) ہوں گے۔ اور اللہ

تعالیٰ مسلمانوں کو بہت بڑے اجر یعنی بدلے) دے گا۔

(قرآن پارہ ۵ سورۃ النساء رکوع ۲۱)

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ مار آستین کا حکم رکھتے ہیں جس قدر ان کی وجہ سے اسلام کو نقصان اور دھوکہ مل سکتا ہے اس قدر غیروں کے ہاتھوں میں نہیں مل سکتا مثلاً مشہور ہے کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے سو یہ بالکل یہی ہوتے ہیں' یا یوں سمجھنا چاہیے کہ جتنا یہ لوگ باآسانی مستفید و متمتع ہو سکتے ہیں اتنا دوسرے نہیں ہو سکتے' مگر پھر بھی یہ بجائے ہدایت حاصل کرنے کے الٹا سرکشی و نفس پرستی کرنے پر تل جاتے ہیں اس لیے ان کو بدترین خلائق گردان کر سخت تر عذاب کا مستوجب قرار دیا جاتا ہے۔

اسی زریں اصول فطرت کے پیش نظر ازواج النبیؐ کو یہ دھمکی دی گئی کہ

اے نبی کی بیبیو! تم میں سے جو کوئی کسی کھلی ہوئی ناشائستہ حرکت کی مرتکب ہو گی' اس کو زیادہ (دوہری) سزا دی جائے گی' اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک یہ (ایک بہت) سہل (سی بات) اور جو کوئی تم میں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اور نیک عمل کرے گی اس کو ہم اس کا اجر (بھی) دوہرا دیں گے' اور ہم نے اسکے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے

(قرآن پارہ ۲۱۔ ۲۲ سورۃ الاحزاب رکوع ۴)

چونکہ یہ اہل بیت ہونے کی حیثیت میں دوسروں کی نسبت زیادہ آسانی کے ساتھ معرفت حقیقت حاصل کر کے تزکیہ نفس و اصلاح اعمال و اخلاق کر سکتی تھیں' اس لیے اگر انہوں نے بھی خدا و رسول کی اطاعت و انقیاد کے بجائے نفس و ہوا کی پیروی شروع کر دی تو دگنے عذاب الخلد کی مستحق ٹھہریں گی۔ کیونکہ جس شرف و فضیلت کی حامل یہ ہیں دوسرا کوئی نہیں اس لیے اگر باوجود اس کے بھی یہ حق عبودیت ادا نہ کریں تو اور کون کرے گا۔ پس یہی وجہ عذاب الیم ہے۔

اور یہ تو مشہور و معروف ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین' عام لوگوں کی نیکیاں مقربین کے حق میں خطائیں شمار ہوتی ہیں' کیونکہ یہ جہاں اور جس عالی مرتبہ پر پہنچ کر افضل ترین خلائق ہو جاتے ہیں وہاں ان کی ذمہ داریاں بھی بڑھ جاتی ہیں لہٰذا انہیں کماحقہ' ہوشیار

و چوکنا رہنا چاہیے تاکہ اپنے منصب و فضیلت کے پیش نظر کوئی ایسی نازیبا حرکت نہ ہو جائے جو ان کی شایان شان نہ ہو۔

غرض یہ کہ جو قرآن و اسلام کے قریب جتنی نسبت رکھے گا اس کو بد عملی کی وجہ سے اتنی ہی سخت سزا ملنی ہو گی۔ لہذا چونکہ غیر مسلم اقوام قرآن و حامل قرآن سے قربت و شناسائی کے لحاظ سے بہ نسبت مدعیان اسلام کے بہت پیچھے اور دور ہیں اس لیے اگر وہ حقائق فطرت و اصول و اعمال سے جاہل و بے بہرے ہوتے ہوئے جس فسق و معصیت کے مرتکب ہوں تو ان کو فطری عقل و شعور سے کام نہ لینے کے باعث اسی گناہ کے مطابق سزا ملنی چاہیے۔ لیکن اگر اسی گناہ کے مرتکب مدعیان اسلام و ٹھیکیداران تہذیب و اخلاق ہو جائیں تو انہیں ان سے زیادہ اور سخت سزا ملنی چاہیے۔ کہ یہی عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔

من از بیگانہ گلہ ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہرچہ کردار آشنا کرد

پس یہ غلط اور سرتاپا باطل زعم ہے کہ جن کے عقائد اچھے ہیں وہ اگرچہ زیادہ بد اخلاق و بد چلن ہیں لیکن ان لوگوں سے زیادہ عفو و درگزر کے لائق ہیں جو سرے سے کافر ہیں ہمارے نزدیک مذکورہ بالا عقلی و نقلی دلائل و براہین کے رو سے زیادہ سخت عقوبت کے سزا وار ہیں اسی طرح ان کا یہ کہنا بھی حقیقت ایمان کے خلاف ہے کہ "فساق و فجار" اور مارقین اسلام جب انسانیت سوز افعال خبیثہ سے (جی بھر کر کرنے کے بعد فارغ ہو کر) الگ ہو جاتے ہیں تو ان کا ایمان ان میں پھر داخل ہو جاتا ہے" کیونکہ یہ لوگ جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکے۔ کیونکہ جب ایمان پھر واپس آ داخل ہوتا ہے تو اس کے جو اثرات و نتائج اور صحیح علامات ہیں وہ خود بخود بتا دیتی ہیں کہ ہاں اس میں ایمان پھر داخل ہو گیا ہے یعنی وہ اس گناہ کی تلافی کرنے کے لیے اپنے آپ اس کا شرعی کفارہ ادا کرنے روتے چلاتے ہوئے حاضر عدالت اسلامیہ ہو جاتے ہیں جیسا کہ صحابہ کرامؓ نے اپنے اعمال سے ثابت کر دیا تھا کہ ایمان کیونکر واپس داخل ہوتا ہے۔

اس آخری مسئلہ کی حقیقت ہم نے حقیقت زنا میں مفصل بدلائل پیش کر دی ہے اہل تحقیق کو چاہیے کہ وہ کتاب کے تیسرے حصہ میں دیکھ کر راہ نجات تلاش کر لیں۔

فیصلہ کے طور پر سمجھ لیجئے گا خواہ عقائد سطحی ہوں یا حقیقی خدا و رسول کے نزدیک کچھ حقیقت نہیں رکھتے جب ان کو عملی و اخلاقی جامہ نہ پہنایا جائے۔ کیونکہ مقصود اسلام قرآن و حدیث کی روشنی میں اعمال و اخلاق و اتباع حق ہے اور بس اللہ اعلم بالصواب۔

غودالی المقصود

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے یہ ایک فرضی صورت قائم کرنے سے متعلق تھا' لیکن ہمارا خیال ہی نہیں بلکہ یقین یہ ہے کہ جس شخص کے عقائد و یقینیات جس قدر پختہ و کامل اور حقیقی ہوں گے جس کے دل میں جس قدر صحیح طور سے ایمان مستحکم و مرکوز ہو گا وہ اسی قدر مضبوطی و استحکام کے ساتھ اعمال و اخلاق کا پیکر ہو گا کیونکہ کفرایک تاریکی و فساد انگیز شے ہے اور ایمان ایک نور اور خیر وصلاح کا سرچشمہ ہے' لہٰذا ان میں سے جو چیز بھی جس کے قلب و جگر پر قابض و حاکم ہو گی' تو جسم کی ساری کائنات اس کی مطیع و منقاد ہو جائے گی۔ اس کی ایک خاص و ناقابل شکست دلیل یہ ہے کہ دل تمام کائنات و مملکت جسم کا ایک مطلق العنان سلطان و شہنشاہ ہے' اگر دل میں کفرداخل ہو چکا ہے تو تمام اعضاء و قوی کافرانہ و فاسقانہ اعمال و افعال میں سرگرم ہوں گے گویا وہ شخص کافرو فاسق اور منافق ہو گا اور اگر برعکس اس کے قلب و دماغ میں نور ایمان داخل ہو گیا ہے تو اس کی ساری مملکت و رعایا (یعنی اجزائے جسم) پر اسلامی آفتاب طلوع ہو کر ضیاء افگن ہو گا اور اس کا سارا جسم دارالاسلام بن جائے گا۔ پھر جس میں قوانین الہیہ کا نفاذ و شیوع ہوتا رہے گا گویا جس دل میں ایمان واضح ہو گیا وہ من کل الوجوہ یعنی اس کا ہر ہر عضو خدا و رسول کا فرمانبردار ہو جائے گا۔ اور وہ صاحب دل مومن و مسلم کہلانے کا حق دار ہو گا۔ چنانچہ بانی اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک بھی اسی حقیقت کبریٰ پر دال ہے کہ

> اور بے شک بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ اصلاح پذیر ہو جائے گا۔ تو سارا بدن اصلاح یاب ہو جائے گا اور جب اس میں فساد برپا ہو گیا تو سارے جسم میں فساد پھیل جائے گا۔ خبردار ہو جاؤ کہ وہ دل ہے۔(۲۰)

دل کے بگاڑ ہی سے بگڑتا ہے آدمی
جس نے اسے سنبھال لیا وہ سنبھل گیا

اس حدیث نبوی سے معلوم و ثابت ہوا کہ جس جسم کے اعضاء و قویٰ اطاعت حق کے سوا نفس و خواہشات کے اتمام میں مصروف ہیں اس میں ایمان داخل نہیں ہوا۔ کیونکہ ایمان سرتاپا اطاعت و انقیاد کا سرچشمہ ہے اور کفر نافرمانی و بداخلاقی کل۔ اللہ اعلم۔

کیونکہ جن لوگوں کے دلوں میں ایمان داخل ہو جاتا ہے وہ پھر صرف حق کے بندے و فرمانبردار رہتے ہیں۔ چنانچہ جن ارواح مقدسہ و نفوس قدسی کی شان میں یہ ارشاد ہے کہ

یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں (اللہ تعالیٰ نے) ایمان نقش کر دیا ہے (یعنی ایمان اپنی جملہ خوبیوں کے ساتھ ان کے دلوں میں داخل ہو گیا ہے)

(قرآن پارہ ۲۸ سورۃ المجادلۃ رکوع ۳)

وہ صحابہ کرام تھے جن کی للہیت و حق پرستی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنے خالق حقیقی و معبود برحق کی رضا کے لیے تمام خونی رشتوں کو جو راہ حق میں مانع تھے مطلق چھوڑ دیا۔ نہیں نہیں بلکہ ان کو اپنے ہاتھوں خنجر اسلام سے اس لیے قتل کر دیا کہ وہ دین فطرت کے پابند نہ تھے۔ اور یہ کہ وہ خدائے واحد کی پرستش کو چھوڑ کر خواہشات کے پوجاری ہو چکے تھے' چنانچہ جن حضرات جاں نثاران اسلام نے اپنی کفر شکنی و حق پرستی کا ثبوت اپنے موقع و محل پر دیا ان کے اسمائے گرامی اور جامع کارنامے یہ ہیں۔

چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ سے اس آیت کے متعلق مروی ہے کہ ابو عبیدہ بن الجراح نے اپنے باپ جراح کو قتل کر ڈالا۔ حضرت صدیقؓ نے بدر کے دن اپنے بیٹے کو آنے کے واسطے بلایا حضرت مصعب بن عمیر نے احد کے دن اپنے بھائی عبید کو قتل کر ڈالا حضرت عمر فاروق نے بدر کے دن اپنے ماموں عاصی کو قتل کیا اور حضرت علی و حضرت حمزہ و حضرت عبیدہؓ نے بدر کے دن اپنے بنی عم عتبہ و شیبہ فرزندان ربیعہ کو اور ولید بن عتبہ کو قتل کر ڈالا۔(۲۱)

یہ ہے دل میں ایمان داخل ہونے کی صحیح و لائق اعتبار تعریف جس کو اس واقعہ نے واضح کر دیا' اگر حقیقت حال ہی ایسی نہیں تو ایمان دل میں قطعاً داخل نہیں ہوا' اور نہ اس

کو دین اسلام میں کسی قسم کی کوئی وقعت حاصل ہے۔

حواشی و حوالہ جات

(۱) رواہ مسلم ماخوذ از مشکوۃ جلد ا باب الاعتصام فصل اول۔
(۲) جامع ترمذی جلد ۲ ابواب الفتن باب ماجاء فی تغیر المنکر بالید عن طارق بن شہاب مطبع فیض ص ۹۸
(۳) ابو داؤد جلد ۲ کتاب الحدود باب فی رجم الیہودیین مجتبائی پریس ص ۲۴۳
(۴) جامع ترمذی جلد ۲ ابواب تفسیر القرآن تفسیر سورۂ بنی اسرائیل آیت مذکورہ مطبع فیض ص ۳۸۹ و ابی داؤد طیالسی الجزء الخامس عن صفوان مطبع دائرۃ المعارف ص ۱۴۰
(۵) بخاری جلد اول باب کیف کان بدء الوحی کرزن پریس ص ۴۔۵
(۶) بخاری مع شرح فتح الباری پارہ ۱۹ کتاب التفسیر، سورۃ القصص آیت انک لا تہدی من احببت" مطبع انصاری ص ۲۹۱
(۷) ایضاً
(۸) تفسیر جامع البیان سورت المدثر مطبع فاروقی ص ۴۹۴
(۹) انوار اللغت الملقب بہ وحید اللغات۔ پارہ ۲۲ حرف الکاف یعنی کذب مطبع فیض عام بنگلور ص ۳۲
(۱۰) بخاری جلد ۲ کتاب الاستیذان باب (فی الجوارح دون الفرج عن ابی ہریرہ، کرزن پریس ص ۹۲۳
(۱۱) صحیح مسلم جلد ۲ کتاب القدر باب قدر علی ابن آدم حظ من الزنا وغیرہ عن ابی ہریرہ، مطبع علیمی ص ۳۳۶
(۱۲) سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ باب نہی عن اتیان الحائض عن ابی ہریرۃ مطبع نظامی ص ۴۷ و سنن دارمی کتاب الصلوۃ باب من اتی امراۃ فی و برہا عن مطبع نظامی ص ۱۳۵
(۱۳) تفسیر موضح القرآن آیت مذکورہ علیمی پرنٹنگ پریس ص ۴۸۶
(۱۴) تفسیر ترجمان القران بلطائف البیان جلد ۲۱ سورۃ الیل تفسیر آیت مذکورہ مطبع صدیقی ص ۳۲۵

(۱۵) رواہ اصبہانی عن انس ماخوذ از الترغیب و الترہیب جلد ا بالترہیب من ان یخالف فعلہ قولہ مطبوعہ مصر ص ۷۸

(۱۶) مغضوب کا ترجمہ از امام ابن تیمیہ مطبع ص ۲۹

(۱۷) المعجم الصغیر الطبرانی الجز الخامس باب الطامن اسمہ طاہر عن ابی ہریرہ مطبع انصاری ص ۱۰۳

(۱۸) سنن نسائی جلد ۲ کتاب الجہاد باب فضل من عمل فی سبیل اللہ علیٰ قدمہ مکتبہ رحیمیہ ص ۴۴ و المستدرک حاکم جلد ۲ کتاب الجہاد باب اول عن ابی سعید مطبع دائرۃ المعارف ص ۶۸

(۱۹) اس کی تشریح اسی کتاب کے چوتھے حصے حقیقت انقطاع میں ملے گی۔

(۲۰) بخاری جلد اول کتاب الایمان باب فضل من استبرا الدینہ عن النعمان بن بشیر کرزن پریس ص ۱۲ و مسلم جلد ۲ کتاب المساقات و المزارعۃ باب اخذ الحلال و ترک الشبہات عن مطبع علیمی ص ۶۸

(۲۱) ماخوذ از تفسیر ترجمان القرآن جلد ۲۶ آیت مذکورہ مطبع صدیقی ص ۲۱۰

فصل چہارم

مومن و کافر کی واضح پہچان

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ ایمان کا منبع قلب ہے اور اس کی واضح پہچان اعضاء و جوارح سے اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ کو انجام دینا ہے۔ ورنہ وہ ایمان نہیں بلکہ نفس و شیطان کا نامحسوس دھوکا ہے۔ جس کے باعث یقین غیر راسخ و سطحی اعتقاد کا نام ایمان رکھ دیا گیا ہے اس لیئے اب ضروری ہے کہ قرآن و جماعت اسلامیہ کے نزدیک جو مومن ہے اس کے متعلق قرآنی دلائل پیش کیے جائیں کہ آیا مومن صرف اعتقاد کے مدعی و حامل کو کہتے ہیں یا اس کو جس کے اعمال و افعال بالکل قانون الٰہی کے ماتحت ہوں؟ لہٰذا ارشاد ربانی ہے کہ

> صرف یہی نیکی (و ایمان) نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ پھیر لیا کرو' و لیکن دراصل نیکی (و ایمان) وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت اور فرشتوں اور کتاب الٰہی اور تمام پیغمبروں پر (کماحقہ) ایمان لائے اور پھر اپنی محبت کے باوجود (محبوب) مال رشتہ داروں اور یتیموں اور مساکین اور مسافروں اور سوال کرنے والوں اور غلام آزاد کرنے پر خیرات کرے اور علاوہ ازیں نماز قائم کرے اور زکوۃ ادا کیا کرے اور جب وعدہ کرے تو اس کو بہر کیف پورا کرے۔ اور دکھ درد و مصیبت اور تنگ دستی اور عین جہاد کے موقع پر صبر و برداشت سے کام لے۔ بس ایسے ہی لوگ اپنے دعوائے ایمان میں سچے' اور یہی لوگ متقی و پرہیز گار ہیں۔

(قرآن پارہ ۲ سورۃ البقرہ رکوع ۲۲)

آیت مذکورہ کی شان نزول

تفسیر موضح القرآن میں لکھا ہے کہ جب اس آیت سے پہلی آیت نازل ہوئی تو

یہود و نصاریٰ نے بڑے فخر سے کہا کہ ہم تو اس کے مصداق نہیں (یعنی دور و دراز کے خلاف میں نہیں ہیں) کیونکہ ہم نماز "پڑھا کرتے ہیں (اور نماز سب سے بڑی نیکی ہے) تو ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ نیکی صرف نماز پڑھ لینا نہیں بلکہ یہ اوصاف ہونے چاہیں۔(۱)

ابو العالیہ نے کہا کہ یہود کا قبلہ مغرب تھا اور نصاریٰ کا مشرق تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کچھ بات نہیں بلکہ حقیقت ایمان و عمل وہ ہے جو آیہ مذکورہ میں ہے۔ ایسا ہی حسن و ربیع نے بھی کہا۔ اور امام ثوری نے کہا کہ بریعنی نیکی کے سارے انواع یہی ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں۔(۲)

حضرت ابن عباس نے کہا کہ نیکی یہ نہیں کہ تم صرف نماز پڑھ لیا کرو اور عمل نہ کرو۔(۳)

ابن ابی حاتم نے کہا کہ اس آیت میں بڑے بڑے جملے اور عام قاعدے اور مضبوط عقائد و صراط مستقیم کی تعلیم ہے۔ جب حضرت ابوذرؓ نے رسول مقبول صلعم سے دریافت کیا کہ حضور ایمان کیا چیز ہے؟ تو حضور نے اس آیت کی تلاوت فرمائی انہوں نے پھر سوال کیا تو آپ نے پھر بھی اسی کی تلاوت فرمائی۔ سہ بارہ پھر یہی سوال کیا تو فرمایا اے ابوذر! سن لیجئے کہ نیکی سے محبت اور برائی سے عداوت ایمان ہے۔

ابن مردویہ نے کہا کہ حضرت ابوذر سے کسی نے سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ تو آپ نے یہی آیت تلاوت فرما دی۔ اس نے کہا کہ حضرت میں آپ سے نیکی اور بھلائی کے بارے میں سوال نہیں کر رہا ہوں میرا سوال تو ایمان کے بارے میں ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ سن یہی سوال ایک دفعہ حضور پر نور سے کسی نے کیا تھا تو حضور نے بھی یہی آیت تلاوت فرما دی۔ وہ بھی جب تیرے طرح راضی نہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مومن جب نیک کام کرتا ہے تو اس کا جی خوش ہو جاتا ہے اور ثواب کی امید رکھتا ہے۔ اور جب گناہ کرتا ہے تو دل غمگین ہو جاتا ہے اور اس کے عذاب سے ڈرتا ہے۔(۴)

خیر اگر مذکورہ بالا روایتیں اس لیے منقطع ہیں کہ ان کے فن و معیار سے گر گئی ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ ایسا ہو گا مگر معیار قرآن پر تو صحیح اترتی ہیں کیونکہ وہ آیت کریمہ بذات خود صحیح و غیر منقطع ہے اور سوال ایمان کی آپ ہی مفصل و مکمل جوابی تفسیر ہے اور کسی طرح بھی روایت اور راوی کے سوال وغیرہ کی محتاج نہیں۔ اور پھر حضرت ابن کثیر فرماتے ہیں کہ۔

حق تو یہ ہے کہ جس نے اس آیت پر عمل کر لیا اس نے کامل اسلام لے لیا۔ اور دنیا بھر کی بھلائی اس نے سمیٹ لی۔(۵)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ (ایمان) بھلائی یہ ہے کہ اطاعت کا مادہ دل میں پیدا ہو جائے' فرائض پابندی کے ساتھ ادا ہوں' اور تمام نیکیوں کا عامل ہو۔(۶)

الغرض قرآن کے اس جملہ ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر الخ سے ثابت ہوا کہ نیکی اور ایمان ایک شے ہے اور ایمان کی صحیح تعریف و تفسیر آیت مذکورہ میں موجود ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

بے شک مومن لوگ فلاں پا گئے' وہ یہ لوگ ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع (یعنی خوف خدا) کرتے ہیں' اور مومن وہ لوگ ہیں جو لغویات سے بچتے ہیں' اور مومن وہ لوگ ہیں جو زکوۃ ادا کرتے ہیں' اور وہ لوگ ہیں جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں' مگر اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے بارہ میں وہ ملامت کے لائق نہیں ہیں' پس جو ان (دو رخصتوں) کے سوا اور کوئی ذریعہ شہوت رانی تلاش کرے تو وہ حد سے گزرنے والا ہے' اور مومن وہ لوگ ہیں جو اپنی امانتوں اور اپنی وعدوں کی رعایت' (یعنی نگہداشت) کرتے ہیں' اور وہ لوگ ہیں جو اپنی نمازوں کی کامل حفاظت کرتے ہیں' یہی لوگ (خلافت ارضی کے سچے) وارث ہیں' اور یہی لوگ جنت الفردوس کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ تک رہیں گے۔

(قرآن پارہ ۱۸ سورۃ المومنون رکوع اول)

اس سے قبل آیت میں پانچ چیزوں پر ایمان لانے کو فرمایا پھر چھ مصارف مال و زر کے

خیرات کرنے کے بتائے جو زکوۃ کے علاوہ ہیں ذان بعد نماز' زکوۃ عہد' صبر کا ذکر ہوا' پھر صبر و برداشت کے تین مقامات بیان کیے' یہ کل مقامات صبر وغیرہ اٹھارہ اوصاف ہوتے ہیں جو مومن کے لیے نہایت ضروری ہیں جن کے بغیر کوئی شخص مومن کہلانے کا مستحق نہیں۔

حضرت واحدی فرماتے ہیں کہ جو اوصاف بیان ہوئے وہ اس امر پر دال ہیں کہ جس میں وہ سب کے سب مجموعی حیثیت سے پائے جائیں تو اس نے وصف بر (ایمان و نیکی) حاصل کرلی' اور اگر ان میں سے کوئی ایک صفت کا حاصل ہو تو وہ اس کا مستحق نہ ہو گا۔(۷)

اور دوسری آیت میں سات اوصاف بیان ہوئے جن میں سے بعض پہلی آیت کے اوصاف سے ملتے جلتے ہیں۔ بہر کیف مومن وہی ہے جو تمام کے تمام کا حامل ہو۔ اور جنت کے مستحق بھی ایسے ہی لوگ ہوں گے جن کا ذکر ہوا۔ ورنہ نہیں پھر ارشاد ہوتا ہے۔

> اور مومن مرد اور مومنہ عورتیں باہم ایک دوسرے کے دوست و مددگار ہیں۔ (خود نیکی پر عمل کرتے ہوئے) لوگوں کو بھلائی کا حکم کر کے برائیوں سے روکتے رہتے ہیں۔ اور نماز پر مداومت کر کے زکوۃ بھی ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی (کامل) اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ تعالیٰ رحم کرے گا۔
>
> (قرآن پارہ ١٠ سورۃ التوبہ رکوع ۹)

اس میں بھی بعض پہلی باتیں اور بعض دوسرے امور مومن کے لیے شرط ٹھہرا دیے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ:

> سوائے اس کے دوسری بات نہیں کہ صرف مومن وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کانپ جاتے ہیں اور جب ان پر آیات الٰہی کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کا ایمان اطاعت و محبت حق کے باعث بڑھ جاتا ہے' اور وہ صرف اپنے پروردگار ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور وہ لوگ نماز قائم رکھتے ہوئے اس مال میں سے جو ہم نے انھیں دے رکھا ہے نہایت کشادہ دلی سے خرچ کرتے ہیں' پس درحقیقت یہی لوگ سچے مومن ہیں انھیں کے واسطے ان کے رب کے ہاں درجات و بخشش اور بہترین رزق ہے۔

(قرآن پارہ ۹ سورۃ الانفال رکوع اول)

اس آیت میں لفظ انما نے فیصلہ کر دیا کہ مومن سوائے مذکورہ اوصاف حمیدہ کے کوئی نہیں ہو سکتا۔ گویا ہوتے ہی وہ لوگ ہیں جن میں تمام صفات حمیدہ مکمل طور سے پائی جائیں۔ دوسری صفت یہ بتائی گئی کہ ان پر خصوصی طور سے خشیت الٰہی طاری ہوتی ہے۔ اور باقی اوصاف بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ بس یہی لوگ سچے مومن ہیں' اور یہی نجات و درجات کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ مومن کے لیے جامع و مانع طور پر دو چیزیں خاص طور سے ضروری ہیں۔ ایک خوف اور خشیت الٰہی۔ دوسری امید رحمت و طمانیت قلب پہلی کا بیان آیہ مذکورہ میں ہے اور دوسری کا یہ ہے کہ:

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کے قلوب ذکر الٰہی سے اطمینان پکڑتے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ طمانیت قلب صرف ذکر خدا سے ہی ہو سکتی ہے۔

(قرآن پارہ ۱۳ سورۃ الرعد رکوع ۴)

یہاں بظاہر دو متضاد امر بیان ہوئے ہیں۔ مگر حقیقت میں کوئی تضاد نہیں یہ تو محض امید و وہم کی تفسیر ہے کہ الایمان بین الخوف والرجاء یعنی ایمان خوف و امید میں ہے۔ جب خدا کی جباریت و قہاریت اور قدرت و حکمت کا تصور کیا جائے تو اپنی کمزوریوں کو دیکھ کر سخت خوف پیدا ہو جاتا ہے اور جب اس کی گوناگوں رحمتوں کا خیال کیا جائے تو امید پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا ایک ہی ذکر سے دو حالتیں نفس انسانی پر طاری ہو جاتی ہیں۔ جس کا نام شریعت اسلامی میں کامل ایمان ہے۔ اور یہی مقصود و مطلوب حق ہے۔

دوسرا امر جو قابل ذکر و عبرت ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس میں اولئک ھم المومنون حقا کن لوگوں کے لئے استعمال ہوا ہے؟ آیا صرف اعتقاد والوں کے لئے یا زبردست عمل و قربانی وغیرہ کرنے والوں کے لئے؟ یہ تو وہ جملہ ہے جو سارے قرآن میں صرف دوبار استعمال ہوا ہے۔ دوسرے مقام پر یوں ہے کہ

اور وہ لوگ جو مومن ہیں اور جو راہ خدا میں ہجرت و جہاد کر چکے ہیں اور جنہوں نے مہاجرین کو رہنے کی جگہ اور ہر طرح کی مدد دی تو یہی درحقیقت سچے مومن ہیں۔ انہیں کے واسطے بخشش و رزق پاکیزہ ہے۔

(قرآن پارہ ۱۰ سورۃ الانفال رکوع ۱۰)

اب تو بالکل واضح و ثابت ہو گیا کہ مومن وہی لوگ ہیں جن کا اعمال صالحہ لباس اور زہد و تقویٰ زیب و زینت اور ہجرت و جہاد' ایثار و فدویت طرۂ امتیاز ہے۔ پھر ارشاد الٰہی ہوتا ہے کہ

سوائے اس کے نہیں کہ مومن تو صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق پر صحیح ایمان لائیں اور پھر دل میں کسی قسم کا شک و تردد نہ کریں۔ اور اپنے مال و اسباب اور جانوں کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کرتے رہیں۔ تو یہی لوگ (اپنے دعویٰ ایمان و اسلام میں) صادق ہیں (یعنی یہی سچ کرنے اور سچ بولنے والے ہیں۔

(قرآن پارہ ۲۶ سورۃ الحجرات رکوع ۲)

یہاں حقیقت مومن اور بھی واضح ہو گئی' مگر حیرانی ہے کہ ایمان کو صرف فعل قلب قرار دیکر امت مسلمہ کو گمراہ کرنے کی کیوں ٹھان رکھی ہے۔ اور کیوں کھینچا تانی کر کے فعال و خلیق خیرالامتہ کو شیطان لعین کے ہم رتبہ کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں؟ کہ محض اعتقادات ہی کا نام ایمان ہے تو پھر شیطان لعین کو کیوں مومن نہ کہا جائے جبکہ اس کے تمام عقیدے بالکل صحیح ہیں۔ مگر حق تو یہ ہے کہ حقیقت ایمان وہی ہے جو ہم بار بار بیان کرتے چلے آرہے ہیں اور یہی حضور اکرم صلعم نے فرمایا ہے۔ مثلاً

ایک دفعہ حارث بن مالک انصاری آپؐ کے پاس سے گذرے تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تمہاری صبح کس حال میں ہوئی؟ تو جواب دیا کہ سچے مومن ہونے کی حالت میں۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے سمجھ لو کیا کہہ رہے ہو؟ ہر چیز کی حقیقت ہوا کرتی ہے تم جانتے ہو۔ حقیقت ایمان کیا ہے؟ جواب دیا کہ یارسول اللہ میں نے اپنی خواہشیں دنیا سے الگ کر لیں' راتیں یاد خدا میں جاگ کر۔ اور دن راہ خدا میں بھوکے پیاسے رہ کر گذارتا ہوں' اور گویا کہ عرش خدا کو اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھتا ہوں' اور گویا میں اہل جنت کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ آپس میں ہنسی خوشی ایک دوسرے سے مل جل کر رہ رہے ہیں' اور گویا کہ میں اہل دوزخ کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ دوزخ میں جل بھلس رہے ہیں۔" آپ نے تین مرتبہ فرمایا کہ اے حارث! بیشک تو نے حقیقت ایمان جان لی بس اسی حال پر ہیشگی کرنا۔(۸)

اس حدیث پر غور و فکر کرتا ہے کہ آیا جس کا آئینہ دل اس قدر صیقل ہو کہ ہر وقت دیدہ دل سے مشاہدات خدائے ذوالجلال کا نظارہ کر رہا ہو' وہ عملی قوت اور اخلاقی ملکات سے محروم رہ کر محض اعتقاد کے چکر میں رہے گا' یا سرتاپا عمل و صلاح و مجسمہ زہد و تقوی و پیکر اطاعت و انقیاد ہو گا؟ کیا وہ دنیا و مافیہا کی آلائشوں سے پاک و منزہ ہو کر تمام مشتبہات و ناجائز علاقات اعزہ و اقربا کی زنجیریں توڑ پھوڑ کر مطیع حق و مجموعہ اخلاق الہٰی نہ ہو جائیگا؟ ضرور ہو جائے گا۔ کیونکہ یہی علامت ہے دل میں ایمان کامل کے پیدا ہونے کی مثلاً ارشاد ہے کہ

اے محمدا صلعم تو اس قوم کو جو مومن باللہ والقیامت ہے اس حال میں نہ پائیگا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خلاف ورزی کرنے والوں سے رافت و محبت سے پیش آئے۔ اگرچہ ان میں ان کے باپ اور بیٹے اور سگے بھائی اور رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دل میں (اللہ تعالیٰ نے) ایمان رکھ دیا ہے (اس لئے جس دل میں خدا اور اس کے احکام کی وقعت ہو' وہاں نفس کی ناجائز خواہشات نہیں ہو سکتیں)

(قرآن پارہ ۲۸ سورۃ المجادلہ رکوع ۲)

حضرت ابن مسعودؓ سے اس آیت کی بابت مروی ہے کہ ابوعبیدہؓ بن الجراح نے اپنے باپ جراح کو قتل کر ڈالا۔ حضرت صدیقؓ نے بدر کے دن اپنے بیٹے کو میدان میں آنے کے واسطے بلایا' حضرت مصعبؓ بن عمیر نے احد کے دن اپنے بھائی عبید کو قتل کر ڈالا۔ حضرت فاروقؓ نے بدر کے دن اپنے ماموں عاصی کو قتل کیا۔ اور حضرت علی و حضرت حمزہ و حضرت عبیدؓ نے بدر کے دن اپنے بنی عم عتبہ و شیبہ و فرزندان ربیع اور ولید بن عتبہ کو قتل کر ڈالا۔(۹)

محبت محبت تو کرتے ہیں سب
محبت کو مرد خدا چاہیے

حقیقت یہ ہے کہ ساری بیماریوں اور ناجائز خواہشوں اور غیر اللہ سے محبت و اطاعت کا واحد و کامل علاج صحیح ایمان باللہ ہے۔

یہ۔ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

بشرطیکہ وہ سجدہ ریا و نام نمود سے خالی ہو اور اخلاص و خشوع پر مبنی ہو جیسے صحابہ کرام نے کر دکھایا۔

اعتقادی بھلا یہ کیا سمجھیں
قلبی ایمان کی شان عالی کو
یہ مجانین شیر نوش ہیں سب
جانسپاری عشق کیا جانیں

یہاں سے دل میں ایمان پیدا ہونے کی حقیقت عمل کا علم راسخ ہو گیا کہ وہ کیا نور و مشعل ہدایت ہے۔ اور اس کے نتائج و ثمرات کیا ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ

حضرت ابوامامہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے آکر دریافت کیا یارسول اللہ ایمان کیا ہے؟ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جب تجھے اپنا نیک عمل (راحت و) مسرت پہنچائے' اور جب تجھے کوئی برا فعل متردد و پریشان خاطر کر دے۔ تو پھر تو مومن ہے۔ پوچھا گناہ کیا ہے؟ فرمایا جب تیرے جی میں کوئی امر تردد پیدا کرے تو اس کو ترک کر دے۔(۱۰)

اس سے ثابت ہوا کہ ایمان ایک نور حق اور قوت برقی ہے' جس سے مومن امتیاز خیر و شر کرنے کے بعد اس پر عمل پیرا اس لئے ہو جاتا ہے کہ اس کے دل میں "جو درحقیقت دل ہی شہنشاہ کائنات جسم و جان ہے" پیوست ہو جاتا ہے۔ تو وہ اطاعت و اختیار حق' و ترک نافرمانی باطل پر مجبور کر دیتا ہے۔ پس یہی معنی ہیں دل میں ایمان کے پیدا ہونے کے۔ اور اگر واقعات و حالات اس کے برعکس ہوں تو یہ فیصلہ دینا پڑے گا کہ نور ایمان "جو قوت برقی سے بھی کہیں سخت و تیز تر اثر انداز شے ہے" اس کے دل میں پیدا نہیں ہوا' بلکہ محض فریب نفس کو ایمان قرار دے رکھا ہے

درحقیقت ہے یہ ایماں نور حق ظلمات میں
جس سے کر لیتا ہے مومن امتیاز خیر و شر
لذت ایماں فزاید در عمل
مردہ آں ایماں کہ ناید در عمل

مگر افسوس ہے ان نماز کے پابند مدعیان اسلام پر جو ہر رکعت نماز میں مغضوب

علیھم یعنی غضب شدہ لوگوں سے بچنے اور صراط مستقیم پر چلنے کی دعا کرتے کرتے عمریں گزار دیں۔ لیکن ایک روز بھی یہ خیال نہ کیا کہ آخر اس دعا کو پڑھنے کا مطلب کیا ہے' اور یہ کہ گمراہوں سے بچنے کی صورت عمل کیا ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر افسوس ان لوگوں کی حالت پر ہے جو ہر شب کو نماز وتر پڑھتے ہوئے بارگاہ رب العزت میں کھڑے ہو کر خدائے احکم الحاکمین سے عہد و پیان باندھتے ہیں۔ کہ و نخلع و نترک من یفجرک اور اے اللہ! ہم علیحدگی اختیار کرتے ہیں اور ان لوگوں کو چھوڑتے ہیں جو تیری نافرمانی کرتے ہیں۔ مگر اقدام عمل کرنے سے اس لئے اجتناب کرتے ہیں کہ ایک خدائے معبود کی خاطر سب کو چھوڑیں تو کیوں چھوڑیں۔ ایک کی دشمنی اچھی ہے یا سب کی۔ یہی تو مشرکین نے کہا تھا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک خدا کی خاطر سب خداؤں کو چھوڑ دیا جائے؟(۱۱)

سو یہی حقیقت ان کی ہے جو روزمرہ اقرار کرتے ہوئے ذرا نہیں شرماتے اور پھر حاضر ہو کر یہی کہہ آتے ہیں' گویا سامنے خدائے قادر و برحق نہیں ہوتا بلکہ مٹی اور چونے کی دیوار ہوتی ہے۔ جس سے وعدہ کر کے نکل آتے ہیں جیسے بچوں کو بہلا کر دھوکہ دے کر باپ گھر سے نکل جاتا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ نہ ان لوگوں کو خدا کی قدرت و قیامت پر یقین راسخ ہے اور نہ اس سے کچھ خوف ہے اور نہ اس کی کتاب اور رسول پر ایمان۔ ورنہ ضرور کبھی تو خدا کے نافرمان بندوں سے بائیکاٹ کرتے' لیکن پھر حقیقت یہ ہے کہ جب خود ہی نافرمان و سرکش ہیں تو قطع علائق کس سے اور ایمان کس پر؟ کیونکہ حق تعالٰی کا ارشاد ہے کہ

اور اگر وہ (درحقیقت خدائے واحد اور اس کے نبی برحق' اور اس کی طرف نازل شدہ (کتاب فرقان حمید) پر ایمان لائے ہوتے تو ہرگز ایسے (فاجر اور نافرمان حق) لوگوں سے دوستانہ تعلقات نہ رکھتے۔ لیکن اصلیت یہ ہے کہ ان کے اکثر لوگ خود ہی فاسق و فاجر ہیں۔ (قرآن پارہ ٦ سورۃ المائدہ رکوع ۱۱)

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکے تو وہ لہو کیا ہے

یہ ہے وہ حقیقت ایمان جس کو ایک طرف خدائے قادر و ذوالجلال نے اعمال صالحہ و

اخلاق فاضلہ کی تعریف میں پیش کیا۔ اور دوسری طرف علماء ہیں کہ انہوں نے اعمال و اخلاق کو علیحدہ کر کے محض فعل قلب قرار دے کر اور پھر وہ بھی زبانی شہادت میں محدود کر دیا۔ اب ہر شخص کا اپنا دین و ایمان ہے کہ وہ خدائے احکم الحاکمین کے کلام پر ایمان و ایقان رکھتا ہے یا علماء کے فتوے پر۔

خلاصہ کے طور پر یوں سمجھنا چاہئے کہ ایمان نہ محض یقین و اعتقاد کا نام ہے ورنہ شیطان ابلیس و علماء یہود مومن ہوتے۔ کیونکہ ان کا اسلام کے متعلق عقیدہ ہے کہ اسلام سچا مذہب ہے۔ اور نہ صرف ظاہر اعمال و اخلاق کا ورنہ بعض ملحدین کو بھی مومن کہنا پڑے گا' کیونکہ بعضے وہ بھی فطرتاً" صالح اور بااخلاق ہوتے ہیں۔ بلکہ قرآن و جماعت اسلامیہ کے نزدیک یقین کامل و اعمال صالحہ کے مجموعہ و اتحاد کا نام ایمان ہے اور بس

زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل؟

بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے

آخر میں ایک حدیث نبوی پیش کرتے ہیں جس سے جامع طور پر یہ معلوم ہو جائے گا کہ مسلمان وہ ہے جس سے ہر شخص کو راحت و اطمینان حاصل ہوتا رہے اور کسی وقت بھی ضرر و نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔ چنانچہ ارشاد پاک ہے کہ

مسلمان وہ شخص ہے جس کی زبان و ہاتھ (وغیرہ کے جملہ شروں اور نقصانات) سے دوسرے مسلمان (ہر طرح سے محفوظ و) سلامت رہیں۔ (۲)

پس جو شخص جامع طور پر ایسا نہیں جیسا کہ اس حدیث نبوی میں مذکور ہے وہ مسلمان نہیں گو ہزار کلمہ گو اور صوم و صلوۃ کا پابند ہو۔ لہذا آج ہر ایک کو اس کسوٹی پر پرکھنا چاہیے کہ وہ اپنے دعوے ایمان میں سچا ہے یا جھوٹا۔ اگر سچا ہے تو مسلمان ورنہ صریح کافر و جہنمی ہے۔

اس موضوع پر روشنی ڈالنے کے لئے بہت سی آیات و احادیث ہیں۔ جن سے ستر سے اوپر ایمان کی شاخیں ثابت ہوتی ہیں' مگر فی الحال طوالت کے خوف سے مجبوراً قلم روکا جاتا ہے۔ کیونکہ خاص حقیقت ایمان پر ایک علیحدہ کتاب لکھنے کا ارادہ ہے' اگر خدائے ذوالجلال والاکرام نے چاہا۔ اور اس کی توفیق کامل بخشی تو تمام مباحث و دلائل وہاں پیش کئے جائیں گے۔ واللہ اعلم

دکھاوں گا تماشا دی اگر فرصت زمانے نے
مرا ہر داغ اک تخم ہے سرو چراغاں کا

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب○

حواشی حوالہ جات

(۱) تفسیر موضح القرآن ص ۲۶ علمی پرنٹنگ پریس
(۲) تفسیر ترجمان القرآن بلطائف لبیان جلد اول مطبع صدیقی ص ۲۱ تفسیر آیہ مذکورہ
(۳) ترجمہ تفسیر ابن کثیر پارہ دوم ص ۲۱ جید برقی پریس دہلی
(۴) ابن کثیر ان روایتوں کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ منقطع ہیں۔
(۵) ترجمہ تفسیر ابن کثیر آیہ مذکورہ ص ۲۰
(۶) ایضاً ص ۲۱
(۷) تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان جلد اول سورۃ البقرہ پارہ ۲ آیہ مذکورہ مطبع صدیقی ص ۲۴۳
(۸) راوہ طبرانی ماخوذ از ترجمہ تفسیر ابن کثیر پارہ ۹ سورۃ الانفال رکوع ا ص ۵۶
(۹) ماخوذ از تفسیر ترجمان جلد ۲ آیہ مذکورہ مطبع صدیقی ص ۲۶۰
(۱۰) رواہ احمد ماخوذ از تقویۃ الایمان بشرح حدیث حلاوۃ الایمان مطبع مفید عالم آگرہ ص ۹
(۱۱) دیکھو قرآن پارہ ۸ سورۃ الاعراف رکوع ۲ و پارہ ۲۳ سورۃ ص رکوع اول
(۱۲) بخاری جلد اول کتاب الایمان باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ عن عبد اللہ بن عمرو کرزن پریس ص ۶ مسلم جلد ا کتاب الایمان باب تفاضل الاسلام عن جابر مطبع علیمی ص ۴۸۔ والمستدرک حاکم جلد ا کتاب الایمان باب صفۃ المسلم و المومن عن ابی ہریرہ مطبع دائرۃ المعارف ص ۱۰ و جامع ترمذی جلد ۲ ابواب الایمان باب ماجاء المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ عن ابی ہریرہ مطبع فیض ص ۲۳۳

فصل پنجم

حقیقت کفر

جس طرح اور بے شمار حقیقتوں کو اول بدل کر کے کچھ سے کچھ پیش کیا گیا ہے اسی طرح ان میں ایک حقیقت کفر و ضلالت بھی ہے۔ جس کی اصلیت کو بالکل بدل دیا گیا۔ حتی کہ ایسا ماحول پیدا کیا جا چکا ہے کہ اگر کوئی شخص کفر و شرک کی بحث پڑھتا ہے تو فوراً یہود و نصاری اور اہل ہنود و مجوس کا تصور باندھ لیتا ہے۔ گویا کافر و مشرک ہونے کے لئے ایک خاص قوم و مذہب کا ہونا ضروری ہے' بالفاظ دیگر کفر ایک موروثی شے ہے جو نسلاً بعد نسلاً ورثہ میں چلا آ رہا ہے۔ العیاذ باللہ۔

یا جو لوگ اپنے کو محقق و علامہ کہلاتے ہیں۔ انہوں نے بہت زور مارا تو یہی ثابت کیا کہ کفر ایک ایسی چیز ہے جس کا سارا کا سارا تعلق فعل قلب و عقائد سے ہے اور بس۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ سہی۔ لیکن اگر قرآنی حقائق و اسلامی اصول اس کے خلاف ہوں تو اس کا جواب کیا ہے؟ یہاں آ کر بجائے اس کے کہ کفر کے لغوی و قرآنی اصطلاحی معنی تلاش کئے جائیں فوراً کورانہ تقلیدی جذبات کو مشتعل کر کے اقوال و آرای بشری سے استدلال کر کے یہ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں فلاں ائمہ دین نے یہ معنی بیان کئے ہیں۔ گویا احکم الحاکمین و سید المرسلین کے ارشادات عالیہ کا رد علماء دین کے تاویل زدہ و تحریف شدہ فتاوی سے کیا جاتا ہے۔ جو بذات خود بحکم "اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللّٰہ" صریح شرک ہے۔

صاف بات یہ ہے کہ کفر کوئی نسلی و موروثی عقیدہ نہیں بلکہ اس کا صحیح اطلاق اعمال خبیثہ و افعال انسانیت سوز پر ہوتا ہے۔

اور اس کے "لغوی معنی چھپانے کے ہیں۔ اور محاورہ میں کسی کے کام یا احسان پر پردہ ڈالنے اور زبان و دل سے اس کے اقرار اور عمل سے اظہار نہ کرنے کے

ہیں۔ یہی کفر وہ لفظ ہے جس سے زیادہ کوئی برا لفظ اسلام کے لغت میں نہیں۔ اللہ پاک کے احسانوں' اور انعاموں کو بھلا کر دل سے اس کا احسان مند نہ بننا زبان سے اس کا اقرار اور عمل سے اس کی اطاعت شعاری اور فرمانبرداری ظاہر نہ کرنا" "کفر" ہے جس کے مرتکب کا نام کافر ہے۔(۱)

پہلی دلیل

باوجود اس کے کہ کفر کا اطلاق بعض اوقات دل کی بد عملی یعنی بد اعتقادی پر بھی ہوتا ہے۔ مگر قرآن مجید میں اکثر بار صحیح الاعتقادی کے باوجود محض بد عملی پر ہوا ہے جیسا کہ ہم دلائل و شواہد پیش کریں گے مثلاً قرآن میں ارشاد باری ہے کہ

> اور یاد کرو جب کہ تیرے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں خمیر(یعنی سڑے ہوئے گارے) کی ہوئی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں۔ پس میں اس کو بنا کر درست کر لوں اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سربسجود گر پڑنا' پس (وقت پر) سب فرشتے اس کے آگے سربسجود ہو گئے۔ مگر ابلیس نے انکار کرتے ہوئے سجدہ کرنے والوں میں شمولیت نہ کی۔
>
> (قرآن پارہ ۱۴ سورۃ الحجر رکوع ۳)

اس تاریخی حقیقت سے صرف یہ ثابت کرتا ہے کہ شیطان لعین کا جو انکار تھا وہ اعتقادی انکار نہ تھا بلکہ عملی تھا' کیونکہ قرآن پاک نے اس کے اعتقادات پر مطلق بحث نہیں کی' بلکہ اس کے تکبر و انانیت اور عملی انکار کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کا کفر ثابت کیا' جیسا کہ ارشاد حق ہے کہ

> پس سب فرشتوں نے سجدہ کر دیا۔ مگر شیطان ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا' جس کے باعث وہ کافر بن بیٹھا۔
>
> (قرآن پارہ اول سورۃ البقرہ رکوع ۴)

اگر عملی نافرمانی (صحیح الاعتقادی کے باوجود) حد کفر تک نہ پہنچتی تو سب سے بہترین

مسلمان شیطان ہوتا' کیونکہ اس کے عقائد اس لیے درست تھے کہ وہ اپنے زہد و تقویٰ کی بنا پر فرشتوں میں شامل بلکہ شمار ہونے لگا تھا' ورنہ اصلاً وہ فرشتہ نہ تھا' بلکہ جن تھا۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ

وہ نسلاً جن تھا پس اپنے رب کے حکم سے نکل گیا اس لیے وہ فاسق ٹھہرا۔
(قرآن پارہ ۱۵ سورۃ الکہف رکوع ۷)

صحیح مسلم میں ہے کہ فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور ابلیس شعلے مارنے والی آگ سے (۲)

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ ابلیس شریف فرشتوں میں سے ایک بزرگ قبیلہ میں سے تھا' جنات کا داروغہ اور آسمان دنیا کا بادشاہ تھا' علاوہ ازیں زمین کا بھی سلطان تھا' اس (عہدہ جلیلہ) سے اس کے دل میں گھمنڈ آگیا تھا کہ میں تمام اہل آسمان سے شریف ہوں۔ پس اس کے اظہار کے لیے حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تو اس کا گھمنڈ ظاہر ہو گیا اور پھر ازروئے تکبر صاف انکار کر دیا۔ اور کافروں میں جا ملا۔(۳)

حضرت ابن عباس کے قول کے یہ معنی نہیں کہ ابلیس خالصاً" فرشتہ تھا بلکہ یہ معنی ہیں کہ "یہ جنات کی ایک قسم تھی فرشتوں کی جو تیز آگ سے پیدا کیے گئے تھے۔

بہرکیف بحث اس سے نہیں کہ شیطان اصلاً کون تھا' بلکہ اس سے ہے کہ وہ کافر و فاسق کیونکر ہوا تو ازروئے قرآن و حدیث یہ ثابت ہوا کہ وہ کافر محض عملی نافرمانی سے ہوا نہ کہ اعتقادی سے۔

رہی یہ بات کہ کفر کی کتنی قسمیں ہیں تو ہم انشاء اللہ العزیز الحکیم اسی بحث کے خاتمہ پر بیان کریں گے۔

دوسری دلیل

دوسرے مقام پر کفر طاغوت اور ایمان باللہ کو اسلام کہا ہے' اگر کفر باللہ کے معنی بقول علمائے کرام محض اللہ تعالیٰ کی ہستی وجود سے انکار کرنے کے ہوتے (اور بقول ہمارے عملی

انکار ہی کفر ہے صحیح نہ ہوتا) یا یوں سمجھئے کہ اگر کفر کے معنی کسی کے وجود سے اعتقادی انکار کرنے کے ہوتے تو پھر خدائے احکم الحاکمین یوں کیوں ارشاد فرماتا ہے کہ

پس جس نے کفر (و انکار) کیا طاغوت (یعنی شیطان) کا اور ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر تو بے شک اس نے اسلام کی ایسی مضبوط رسی پکڑلی کہ جو ٹوٹنے والی نہیں۔

(قرآن پارہ ۳ سورۃ البقرہ رکوع ۳۴)

حالانکہ جو شخص شیطان کے وجود و ہستی کا انکار کردے وہ بالاتفاق کافر و ملحد ہے۔ کیونکہ شیطان کی پوری تاریخ قرآن مجید میں موجود ہے' گویا شیطان کے وجود کا انکار کرنا قرآن کے اکثر حصے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا جھٹلانا ہے جو بذآت خود ایک صریح کفر عظیم ہے پھر غور تعقل کا مقام ہے کہ یہاں کفر طاغوت اور ایمان باللہ کے حقیقی معنی اور صحیح مراد حق کیا ہے؟ اگر کسی کے پہلو میں دل ہے اور دل بھی اندھا نہیں بلکہ دانا' بینا اور صاحب بصیرت و عقل و دماغ ہے تو وہ صاف سمجھ سکتا ہے کہ اس آیت سے شیطان کے وجود کا انکار مراد نہیں ہے بلکہ اس کی پیروی اور اطاعت سے انکار مقصود و مطلوب ہے۔ بالفاظ دیگر غیر اللہ سے رشتہ محبت و انقیاد کی زنجیر توڑ کر محبوب حقیقی و خالق ارض و سماء سے سلسلہ عبودیت و تسلیم و رضا استوار کر کے جبین نیاز خم کرتے ہوئے پوری مسلمانی و عشق و الفت صادقہ کا عملی ثبوت دینا ہے اور بس

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
می بردہر جاکہ خاطر خواہ اوست

یہ ہے کفر طاغوت اور ایمان حق کی صحیح تفسیر اور اگر ایمان باللہ کے معنی محض حق تعالیٰ کے وجود کو تسلیم کرنا ہے جس سے اعمال صالحہ کا الحاق و اتصال نہیں' یعنی ایمان ایک اعتقادی شے ہے تو اسی کے یہ معنی ہوئے کفر بالطاغوت سے مراد شیطان کے وجود سے انکار کرنا ہے۔ گویا کفر اعتقادی چیز ہے۔ اور اگر ایسا نہیں بلکہ ازروئے قرآن و نزد جماعت اسلامیہ کفر اعتقاد کے باوجود عملی انکار سے بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ آیت مذکورہ سے ثابت ہے تو یہ بھی یاد کرنا پڑے گا کہ حقیقت ایمان میں عمل کا پوری طرح دخل ہے بلکہ ایمان و عمل ایک شے ہے۔ اور اگر محض اعتقاد ہے اور عمل نہیں تو یہ کفر ہے ایمان نہیں۔

تیسری دلیل

خدائے تعالیٰ نے چند احکام بنی اسرائیل پر نازل فرما کر ان سے عہد و پیان لیا کہ تم اس پر عمل کرنا۔ تو انہوں نے بعض پر عمل کیا اور بعض پر نہ کیا تو اس فعل کو اعتقادی ایمان کے باوجود کفر سے تعبیر کر کے سخت سزائے جہنم کا موجب قرار دیا' چنانچہ وہ آیات کریمہ یہ ہیں۔ گویا ایک مکمل رکوع میں اس حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ارشاد ہے کہ۔

اور (یاد کرو وہ وقت) جب کہ ہم نے اگلے بنی اسرائیل سے پکا قول کیا تھا کہ تم سوائے خدائے واحد کے کسی کی اطاعت نہ کرنا۔ اور والدین و اقرباء اور یتامیٰ و مساکین کے ساتھ حسن سلوک کرنا' اور لوگوں سے اچھی طرح سے (یعنی خوش خلقی سے) کلام کیا کرنا اور۔ نماز قائم رکھتے ہوئے زکوۃ ادا کرتے رہا کرنا۔ لیکن پھر تم میں سے بہت کم فرمانبردار ثابت ہوئے باقی سب پھر گئے۔ اور تم بہت ہی بے پروہ ہو چکے ہو' اور وہ وقت بھی یاد کرو جب کہ ہم نے تم (یعنی تمہارے آباؤ اجداد) سے مضبوط اقرار لیا تھا کہ آپس میں خونریزی نہ کرنا اور نہ ہی (اپنے محتاج) لوگوں کو جلا وطن کرنا پھر تم (یعنی تمہارے بزرگوں) نے تعمیل احکام کا اقرار کر لیا اور تم بھی گواہ ہو کہ ہاں ایسا ہی عہد و پیان ہوا تھا' پھر تم ہی وہ لوگ ہو جو اپنوں کو قتل کرتے ہوئے باقی ماندوں میں سے ایک جماعت کو گھر سے بے گھر کرنے کے لیے غیروں کی ظلم و عدوان پر حمایت و مدد کرتے ہو۔ اور اگر کہیں وہی لوگ قیدی بن کر تمہارے پاس امداد چاہنے کے لیے آ جائیں تو پھر تم (ریا کارانہ حامی بن کر) انہیں (اس قید و بند سے بسر قیمت) چھڑا بھی لیتے ہو۔ حالانکہ سرے سے ان کو جلا وطن کرنا ہی تم پر حرام تھا (مگر کیا حقیقت ایسی نہیں) کہ تم بعض احکام الٰہی پر (ایمان لاتے یعنی) عمل کرتے ہو اور بعض سے کفر (یعنی سرتابی و اعراض کرتے ہو پس (یاد رہے کہ) جو لوگ ایسا کریں گے (کہ بعض امور کی پابندی اور بعض کی نافرمانی کریں) تو ان کا بدلہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اس دنیاوی زندگی میں ذلیل و خوار ہوں' اور قیامت کے روز سخت عذاب

کی طرف لوٹائے جائیں (جو ناقابل برداشت ہو گا) اور یاد رکھو کہ خدائے علام الغیوب تمہارے اعمال و افعال سے بے خبر نہیں' یہی تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے اس دنیائے (دوں) کو خرید رکھا ہے۔ پس جس عذاب میں یہ مبتلا ہوں گے وہ ان پر ہلکا ہی نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ ہی وہ کسی قسم کی (سفارش وغیرہ سے) مدد دیئے جائیں گے' (جو اس سے نجات و فلاح حاصل کر سکیں)

(قرآن پارہ اول سورۃ البقرہ رکوع ۱۰)

یہ کل چار آیتیں ہیں پہلی دو آیات میں دس احکام دیئے گئے ہیں جن پر عمل کرنا ضروری تھا اور پھر باقی دو آیات میں ان کی سرکشی و نافرمانی یا بد عہدی کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے حلال و حرام کو اعتقاد سمجھ بوجھ کر باہمی قتل و مقاتلہ اور معصیت و زیادتی شروع کر دی۔ جو ان کے شایان شان نہ تھا۔ پھر اس امر کو یعنی اطاعت و خلاف ورزی کو ایمان و کفر سے تعبیر کر کے ان کی دینوی و اخروی سزا بتلا دی کہ وہ کس عذاب کے لائق ہیں۔

مذکورہ بالا حقائق سے ایک سلیم الفطرت انسان بلا تامل سمجھ سکتا ہے کہ ایمان' اعتقاد و عمل کا نام ہے اور کفر نافرمانی کا۔ خواہ اعتقاد کیسے ہی ہوں۔

علاوہ ازیں جو بات خاص اور قابل عبرت ہے وہ یہ ہے کہ آخر ایسی سخت سزائے دنیا و آخرت کن جرائم و معاصی کے باعث انہیں مل رہی ہے کہ جن میں نہ تخفیف ہو گی اور نہ نجات وغیرہ؟ اور یہ کہ کتنے گناہ ہیں جو اس عبرتناک عذاب کے موجب ہوئے؟ تو جواب نہایت صاف ہے کہ اس رکوع میں دس احکام معلوم ہوتے ہیں۔ گویا پہلی آیت میں آٹھ احکام مذکور ہیں جن کے پابند بہت کم لوگ تھے اور نافرمان زیادہ اور دوسری آیت میں دو حکم اور دیئے جو سب مل کر دس ہوتے ہیں۔ مگر نافرمانی کی فہرست میں بالتصریح صرف دو گناہ نظر آتے ہیں جن کا تذکرہ خود حق تعالیٰ نے یوں کر دیا ہے کہ "پھر تم ہی وہ لوگ ہو۔ جو آپس میں قتل و مقاتلہ کرتے ہوئے ایک دوسرے کو شہربدر بھی کر دیا کرتے ہو"

گو دوسری نافرمانی کا بعد میں ازالہ یا تلافی کر دیتے تھے مگر تاہم اولاً مرتکب ضرور ہوتے تھے اور بس اور یہی وہ دو گناہ کبیرہ ہیں جنہوں نے دیگر حسنات کو کھا کر مرتکبین کو کافر و ابدی جہنم کا مستوجب ٹھہرا دیا۔ العیاذ باللہ گویا بعض حسنات کبیرہ کی کثرت گناہوں کو کھا جاتی

ہے۔ اور بعض کبائر جیسے یہاں مذکور ہوئے اکثر حسنات کو مٹا دیتے ہیں۔ اور بعض وہ امور ہیں جو اس درجہ سے کم ہیں ان کی اطاعت و نافرمانی کے لیے میزان قائم کی جائے گی۔ اگر نیکیاں زیادہ ہوں گی تو جنت ملے گی ورنہ بصورت دیگر ابدی جہنم۔ جیسا کہ خدائے عادل کا فیصلہ ہے کہ ۔

پس جن کی میزان (نیکیوں کے باعث زیادہ اور) اور وزنی ہو گی' پس وہ لوگ فلاح پا جائیں گے اور جن کی میزان (بد کرداریوں سے بوجھل اور حسنات سے) ہلکی ہو گی تو یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا' اور وہ جہنم میں ہمیشہ تک (پڑے جلتے) رہیں گے۔

(قرآن پارہ ۱۸ سورۃ المومنون رکوع ۶)

چوتھی دلیل

علاوہ ازیں ایک اور آیت کریمہ اسی نوعیت کی اور بھی وضاحت کے ساتھ بتا رہی ہے کہ اگر اعتقادات کے مطابق اعمال نہ ہوں تو اس کو ایمان کے ساتھ تعبیر نہیں کیا جا سکتا' بلکہ ایمان کی نفی کر کے کفر ثابت کیا جائے گا۔ اور وہ بھی اس قدر سخت کہ ان سے قتل و مقاتلہ جائز ہو گا۔ نہیں نہیں بلکہ فرض ہو گا۔ مثلاً ارشاد باری ہے کہ۔

(اے مسلمانو!) اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے ساتھ لڑو اور مقاتلہ کرو جو خدائے برحق پر ایمان نہیں لاتے اور نہ یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ وہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی حرام کردہ چیزوں کو (عملاً) حرام سمجھتے ہیں اور نہ ہی دین حق کو اپنا دین بناتے ہیں۔ یہاں تک (ان سے جہاد و مقاتلہ کرو) کہ ذلیل و رسوا ہو کر اپنے ہاتھوں (مملوکیت کا) جزیہ ادا کریں۔

(قرآن پارہ ۱۰ سورہ التوبہ رکوع ۴)

یہ آیت کریمہ نہایت غور و تعمق اور فکر و اجتہاد کا سرچشمہ ہے کیونکہ ایک طرف مجرمین کو اہل کتاب بتایا جا رہا ہے جو بذات خود اس امر کی بین شہادت ہے کہ وہ کتاب پر اعتقاد رکھ کر خدائے واحد و برحق اور یوم جزا و سزا پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ ورنہ انہیں اہل

کتاب کہنا ہی لا یعنی ہو گا' دوسری جانب منکرین حق تعالٰی و قیامت کہا جا رہا ہے یعنی وہ حقیقتاً" نہ خدائے احکم الحاکمین پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز محشر پر کیونکہ ایمان نام ہے اعتقاد و یقین کے مطابق عملی شہادت دینے کا' چونکہ وہ نہ احکام الٰہی کی تعمیل کرتے تھے اور نہ قیامت کی ہولناکیوں اور سزا و جزا کے تصور میں جرائم و معاصی سے باز آتے تھے' اس لیے انہیں واجب القتل قرار دیا گیا' پھر ساتھ ہی ایک اور حقیقت بھی واضح کر دی گئی جو دراصل پہلی شے کی تفسیر ہے کہ وہ اہل کتاب ہونے کی حیثیت میں حلال و حرام پر تو ضرور یقین رکھتے تھے مگر نفسانی خواہشات کے زیر اثر ہر قسم کے فسق و فجور اور حرام کردہ امور کا ارتکاب کر لیا کرتے تھے اسی لیے انہیں حلال و حرام اور حرام کو (عملی صورت میں مجتنب نہ رہنے کی وجہ سے) حلال کرنے والا کہا گیا' اور یہ کہ وہ دین حق کو جو مجسمہ اخلاق و پیکر اعمال حسنہ ہے' عملاً تسلیم نہیں کرتے تھے' کیونکہ پھر تمام بدکرداریوں سے بیک جنبش باز آ کر بندہ حق اور نفس کش بننا تھا۔

یہی حکم جہاد و قتال ان مدعیان اسلام و ایمان کے لیے بھی جو احکام رب العزۃ کا وعظ و تبلیغ تو کرتے ہیں۔ مگر خود عمل کرنے سے پرہیز و اعراض کرتے ہیں اور اصل شریعت کی موجودگی میں نفسانی بدعات و شیطانی مخترعات و مزعومات کی پیروی کرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ۔

> مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کو اللہ نے اس کی امت میں مبعوث کیا ہو اور اس کے مددگار دوست و غم خوار پیدا نہ ہوئے ہوں یعنی ضرور پیدا ہوئے جو اس کی سنت کو مضبوط پکڑ کر اس کے احکام کی پیروی کرتے رہے' مگر پھر ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوتے ہیں جو ایسی باتیں کرتے ہیں' جن پر خود عمل نہیں کرتے اور ایسے کام ایجاد کر کے عمل کرتے ہیں جن کا انہیں کوئی حکم نہیں دیا جاتا پس جو شخص ان کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جہاد کرے تو وہ مومن ہے اور جو اپنی زبان سے ان کے ساتھ جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور جو اپنے دل سے ان کے ساتھ جہاد کرے (جو بائیکاٹ و ترک علائق کی صورت میں ہے) وہ بھی مومن ہے' بس ان تین درجوں کے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان

نہیں(۴)

دوسری حدیث جو اس بدعملی کی حقیقت اور اس کے انجام کو واضح کرتی ہے یہ ہے کہ ایک قوم باوجود قرآن خوانی کے واجب القتل ٹھہری چنانچہ ارشاد مبارک ہے

(ایک) شخص کی نسل سے ایک قوم نکلے گی جو کتاب اللہ کو مزے سے پڑھے گی (حالانکہ وہ کتاب) ان کے گلوں کے نیچے نہیں اترے گی دین سے یوں خارج ہو جائیں گے جیسا کہ تیر کمان سے پار نکل جاتا ہے (پھر راوی کہتا ہے کہ) میں گمان کرتا ہوں کہ آپ نے یہ بھی کہا کہ اگر وہ قوم مجھے ملے تو انہیں قوم ثمود کی طرح قتل کروں۔(۵)

ان دو حدیثوں کو غور سے دیکھا جائے تو بلا تامل یہی ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ کتاب اللہ پر اعتقاد رکھتے ہیں بلکہ اپنے دین و مذہب کی کتاب برحق پر یقین کرتے ہیں اور شب و روز نہایت جوش و خروش کے ساتھ تلاوت بھی کرتے رہتے ہیں گویا حافظ بن جاتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے تو وہ بلا شک و ریب دولت ایمان سے محروم ہیں بلکہ اس لائق ہیں کہ انہیں قتل کر دیا جائے جیسا کہ خود بانی اسلام خاتم الانبیاء علیہ الصلوۃ و السلام نے فرما دیا کہ اگر قتل کی اجازت صرف آپؐ کی ذات پاک کے لیے ہے بلکہ آپ نے اپنی امت کو بھی ایسی ہی تلقین فرما دی جیسے کہ اس سے پہلی حدیث اور مندرجہ ذیل ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہا ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں۔

ایک دن رسول خدا صلعم مال (زکوۃ تقسیم فرما رہے تھے کہ عبد اللہ ذوالخویصرہ تمیمی نے آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ انصاف و عدل سے تقسیم کیجئے! آپ نے فرمایا خرابی ہو تجھ کو جب میں انصاف نہ کروں گا تو اور کون کرے گا؟ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کی کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماروں' آپ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو کیونکہ اس کے ساتھ ایسے لوگ ہیں جن کی نماز کے آگے تم اپنی نماز اور ان کے روزوں کے آگے تم اپنے روزے حقیر سمجھو گے' یہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح کمان سے تیر نکل جاتا ہے۔(۶)

اس کے علاوہ ایک اور حدیث ہے جس میں صاف طور سے ایسے لوگوں کا قتل ثابت ہوتا ہے مثلاً

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب ایک قوم آخری زمانہ میں نو عمر و بیوقوف لوگوں کی پیدا ہوگی جن کی باتیں تو بہت اچھی ہوں گی (مگر عمل نہ ہونے کے باعث) ان کا ایمان ان کے حلق سے آگے نہیں اترے گا یہ لوگ دین سے اس طرح خارج ہو جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے تو تم جہاں ان لوگوں کو پاؤ وہیں قتل کر دینا کیونکہ ان کے قتل میں قتل کرنے والوں کے واسطے قیامت کے دن ثواب ہو گا۔(۷)

علاوہ ازیں ایک اور حدیث نبوی ہے جس میں کافی وضاحت کے ساتھ بد عمل زاہد اور فاسق حافظ قرآن کی بے ایمان و الحاد کی حقیقت کو بے نقاب کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ۔

میری امت میں ایک ایسی قوم ظاہر ہو گی' جو قرآن ایسا پڑھے گی کہ تمہاری قرات ان کی قرات کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہ رکھے گی۔ اور نہ ہی تمہاری نمازیں ان کی نمازوں کے آگے۔ اور نہ تمہارے روزے ان کے روزوں کے آگے کچھ حقیقت رکھیں گے۔ وہ قرآن مجید اس خیال سے پڑھیں گے کہ انہیں کچھ ثواب مل رہا ہے' حالانکہ ان پر (اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے)عذاب ہو گا۔ اور نہ ان کی نمازیں ان کے حلق سے نیچے اتریں گی (کیونکہ محض نماز پڑھنا کوئی شے نہیں جب تک اس کے جملہ حقوق و احکام کا عملاً لحاظ نہ کیا جائے اس لیے) وہ اسلام سے یوں خارج ہو جائیں گے جیسے تیر کمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ پس جو لوگ ان (مدعیان دین و ایمان) سے جنگ کرنے والے ہوں گے اگر ان کو اس جہاد کی فضیلت معلوم ہو جائے جو (ایسے کلمہ کو کفار و منافقین سے جہاد کرنے کی صورت میں) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی معرفت اس بارے میں فرمائی ہے۔ تو وہ (مجاہدین) دیگر سب اعمال چھوڑ دیں اور صرف اسی ضروری جہاد میں شریک ہو کر اجر عظیم کما لیں جو باقی اعمال کا نعم البدل ثابت ہو جائے۔ (۸)

یہ اور اس نوعیت کی جس قدر احادیث صحیحہ ہیں ان سب کا مطلب یہی ہے کہ وہ لوگ قرآن خوانی و پابندی صوم و صلوۃ کے باوجود دولت ایمان سے محروم ہوں گے۔ کیونکہ ایمان عبارت ہے تمام اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ سے' اگر محض صوم و صلوۃ ہے اور دیگر احکام الہی کی پرواہ نہیں تو شریعت محمدیہ و جماعت اسلامیہ و دین الہیہ کے نزدیک اسلامی لباس میں کفر صریح کی پرورش ہو رہی ہے لہٰذا وہ اس قابل ہیں کہ ان کا بہر نوع انہدام و استیصال کیا جاوے اور وہ آیت یہ ہے۔

قتل کر دو ان لوگوں کو تاکہ کوئی فتنہ (کفر و شرک وغیرہ باقی) نہ رہے اور صرف دین (الہی کا بول بالا) ہو جائے۔

(قرآن پارہ ۲ سورۃ البقرہ رکوع ۲۴)

کے مصداق و مستحق اولین ہیں۔ چنانچہ اسی حقیقت کبری و مستور کا انکشاف خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بایں الفاظ کر دیا کہ۔

عنقریب لوگوں پر ایک ایسا وقت آنے والا ہے جس میں اسلام صرف نام و نمود کے لیے رہ جائے گا (اور حقیقت مفقود ہو جائے گی) اور قرآن باقی نہ رہے گا۔ لیکن صرف رسم تلاوت رہ جائے گی (یعنی اس پر عمل باقی نہ رہے گا۔ مسجدیں ان کی آباد ہوں گی ظاہر میں اور حقیقت میں وہ ہدایت و صلاح سے خالی و ویران ہوں گی (یعنی راہ راست پر چلنے والا کوئی باقی نہ رہے گا) ان کے علماء بدترین خلائق زیر آسمان ہوں گے انہی کے پاس سے فتنے اٹھیں گے اور انہی میں واپس لوٹ جائیں گے۔(۹)

اسی قسم کی ایک دوسری صحیح حدیث نبوی ہے کہ

لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ وہ اپنے تئیں مسلمان سمجھ کر مسجدوں میں جمع ہوا کریں گے (تاکہ برائے نام دینی امور وغیرہ انجام دیں مگر خدا و رسول کے نزدیک) ان میں کوئی بھی مومن (و مسلم) نہ ہو گا۔(۱۰)

اگر کسی کے پہلو میں دل اور اس میں بصیرت ہے تو وہ باآسانی سمجھ سکتا ہے کہ موجودہ دور کے اکثر مدعیان اسلام کس درجہ کے مومن ہیں اور یہ حدیث ان پر کس طرح صحیح

صادق آتی ہے۔

دوسری حدیث نبوی یہ ہے۔

حضرت زیاد بن لبید کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ایسا وقت ہو گا اس میں علم چلا جائے گا۔ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ علم کیسے چلا جائے گا۔ جب کہ ہم قرآن پڑھیں گے اور اپنے بیٹوں کو بھی اسی طرح پڑھاتے رہے گے اور ہمارے بیٹے اپنے بیٹوں کو پڑھاتے رہا کریں گے یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ حضور نے فرمایا' اے زیاد! تیری ماں تجھے پیٹے میں تجھے سارے مدینہ میں بہت سمجھ دار شمار کرتا تھا (مگر تو نہ سمجھا کہ علم کیسے جاتا ہے) کیا یہ یہود و نصاریٰ تورات و انجیل کو پڑھتے پڑھاتے نہیں؟ مگر وہ عمل نہیں کرتے ان احکام پر جو ان میں ہیں (بس یہی دلیل ان کے بے ایمان و کفر پر کافی ہے(۱۱)

چنانچہ ایک اور مقام پر حضور نے یہاں تک فرما دیا کہ۔

تو قرآن پڑھ جب تک وہ تجھے بری باتوں سے منع کرتا رہے اور اگر تجھ کو وہ منع نہ کرے تو تو اس کو نہیں پڑھتا (یعنی حق تلاوت ادا نہ کیا۔ کیونکہ جب قرآن کی تاثیر دل پر نہ ہو اور جن باتوں سے قرآن میں ممانعت ہے' ان سے باز نہ رہے تو صرف لفظوں کا رٹنا کچھ فائدہ نہ دے گا۔)(۱۲)

پھر آپ کا ارشاد مبارک ہے کہ

ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جو لوگوں کو تو بھلائی کی باتیں سکھاتی ہیں مگر خود کو بھولے ہوئے ہیں جیسے چراغ کہ لوگوں کو اپنی ضیا سے روشنی دیتا ہے مگر اپنے آپ کو جلاتا رہتا ہے۔ (۱۳)

چنانچہ آپ نے ایک ایسی حدیث فرمائی جس میں علمائے سوء کے برے حشر اور بد انجامی کا نقشہ قبل از قیامت دکھا دیا۔ مثلاً ارشاد ہے کہ

جنت کے بعض لوگ اہل دوزخ کے پاس جا کر پوچھیں گے کہ تم کس سبب سے جہنم میں داخل ہوئے؟ پس قسم اللہ تعالیٰ کی کہ ہم تو صرف انہیں باتوں سے جنت

میں داخل ہوئے ہیں۔ جو ہم نے تم سے سیکھی تھیں؟ پھر وہ جواب دیں گے ہم
کہتے تھے اور عمل نہیں کرتے تھے(۱۴)

اس سلسلہ کی ایک آخری اور فیصلہ کن حدیث نبوی یہ ہے کہ

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلعم کا ارشاد گرامی ہے کہ
انسان اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل اس کی زبان کے
موافق اور زبان دل کے مطابق ہو جائے اور یہ کہ اس کا عمل اس کے قول کے
برابر نہ ہو جائے اور اس کا ہمسایہ اس سے مطمئن نہ ہو جائے۔(۱۵)

یہ ہیں وہ حقائق اسلام جن کو دین الہی نے پیش کر کے تعلیم دی ہے کہ اسلام و ایمان اعتقادات و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے باقی جو ہے وہ کفر اور اشتراک باللہ ہے جس سے قرآن و جماعت اسلامیہ کا کوئی سروکار نہیں۔ اور وہ اس قابل ہے کہ اسے ملیامیٹ کیا جائے۔

حواشی و حوالہ جات

(۱) سیرت النبی جلد پنجم باب شکر مطبع معارف تقطیع خورد ص ۴۷۷

(۲) از ترجمان القرآن بلطائف البیان جلد ۷ ص ۲۴۲ تفسیر سورۃ الکہف رکوع ۷ آیت مذکورہ

(۳) ماخوذ از ترجمہ تفسیر ابن کثیر پارہ ۱۵ سورۃ الکہف رکوع ۷ آیت مذکورہ

(۴) مسلم جلد اول کتاب الایمان باب کون النہی عن المنکر عن ابن مسعود مطبع علیمی ص ۵۲ و مسند ابی عوانہ جلد اول بیان نفی الایمان عن الذی باب اصحاب النبی مطبع دائرۃ المعارف ص ۳۶

(۵) صحیح بخاری جلد دوم کتاب المغازی باب بعث علی بن ابی طالب عن ابو سعید خدری ص ۶۲۴ کرزن پریس و باختلاف الفاظ ابو داؤد جلد ۲ کتاب السنتہ باب فی قتل الخوارج عن ابی سعید مجتبائی پریس ص ۳۰۸

(۶) بخاری جلد دوم کتاب استتابتہ المعاندین و المرتدین باب من ترک قتل الخوارج کرزن پریس ص ۱۰۲۴ و باختلاف الالفاظ سنن ابن ماجہ باب فی ذکر الخوارج مطبع نظامی ص ۱۶

(۷) ابو داؤد کتاب السنتہ باب فی قتل الخوارج عن علی مجتبائی پریس ص ۳۰۸ و بخاری جلد ۲ کتاب الاستتابتہ المعاندین و المرتدین باب قتل الخوارج کرزن پریس ص ۱۰۲۴ و ابن ماجہ باب فی ذکر الخوارج عن ابن مسعود مطبع نظامی ص ۱۵ و المعجم الصغیر للطبرانی الجزء الثانی عشر باب اسمہ محمد مطبع انصاری ص ۲۱۷

(۸) ابو داؤد جلد ۲ کتاب السنتہ باب فی قتل الخوارج مجتبائی پریس ص ۳۰۸

(۹) رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن علی ماخوذ از مشکوۃ کتاب العلم فصل ۳

(۱۰) المستدرک حاکم جلد ۴ کتاب الفتن الملاحم باب یاتی علی الناس زمان یجتمعون فی المساجد میں فیہم مومن' عن عبداللہ بن عمرو مطبع دائرۃ المعارف ص ۴۴

(۱۱) سنن ابن ماجہ ابواب الفتن باب ذہاب القرآن و العلم عن زیاد بن لبید مطبع نظامی ص ۳۰۴ و باختلاف الفاظ سنن دارمی کتاب الاول باب من قال العلم الخشیتہ و تقویٰ اللہ

عن ابی الدرداء مطبع نظامی ص ۴۸ و باختلاف الفاظ جامع ترمذی جلد ۲ ابواب العلم باب ماجاء
فی ذہاب العلم عن ابی الدرداء مطبع فیض ص ۲۴۰
(۱۲) رواہ الطبرانی کبیر عن عبداللہ بن عمرو ماخوذ از تسہیل القاری ترجمہ صحیح بخاری مع شرح
فتح الباری جلد ۱ مطبع صدیقی ص ۳۵۶
(۱۳) رواہ الطبرانی فی الکبیر عن جندب بن عبداللہ ماخوذ از الترغیب و الترہیب جلد اول کتاب
العلم باب الترہیب من ان یعلم ولا یعمل بعملہ و یقول ولا یفعلہ مطبوعہ مصر ص ۷۷
(۱۴) رواہ الطبرانی عن ولید بن عقبہ از ترغیب و الترہیب جلد اول کتاب العلم
(۱۵) رواہ اصفہانی عن انس بن مالک ماخوذ از تسہیل القاری مع شرح فتح الباری جلد اول مطبع
صدیقی ص ۳۵۷

فصل ششم

اقسام کفر اور اس کے ذرائع

قبل اس کے کہ اقسام کفر پر گفتگو کی جائے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ کفر و شرک کہاں سے پیدا ہوتا ہے اور ان کے حاصل کرنے کے ذرائع کیا کیا ہیں چنانچہ قرآن مجید نے پانچ راستے بتائے ہیں پہلا اکثریت یا اکابر پرستی دوسرا آباء پرستی تیسرا شیطان پرستی۔ چوتھا نفس پرستی۔ پانچواں جہل پرستی۔ ان میں سے پہلے دو کا تعلق ہیر پھیر کر ایک ثابت کیا جا سکتا ہے اور اسی طرح تیسرے اور چوتھے کو بھی باہم ملحق کر کے ایک کہا جا سکتا ہے مگر جب ان کا تجزیہ کیا جائے تو ان کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ پہلے راستے کے متعلق زبان الٰہی یوں مترنم ہوتی ہے۔

> اور اگر آپ نے اہل زمین میں سے اکثر لوگوں کی پیروی کرنی شروع کر دی (تو یاد رکھئے کہ) وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں گمراہ کر دیں گے۔ کیونکہ وہ محض اپنے ظن اور (انکل پچو یعنی) (خیال خام) کی پیروی کرتے ہیں (حق پرست تو بہت کم ہوتے ہیں)
>
> (قرآن پارہ ۸ سورۃ الانعام رکوع ۱۴)

اسی واسطے قبل از وقت متنبہ کر دیا گیا ہے۔

> اور اے مسلمانو! تم ان لوگوں کی طرف (باہمی دوستی و عزت کی صورت میں) مت جھکو جو (اطاعت حق سے پھر کر) ظلم و عدوان کی زندگی بسر کر رہے ہیں ورنہ تمہیں آتش جہنم میں جلنا پڑے گا۔ اور پھر خدا کے سوا کوئی مددگار نہ ہو گا' اور پھر تمہاری کسی طرح مدد بھی نہ کی جائے گی۔
>
> (قرآن پارہ ۱۲ سورۃ ہود رکوع ۱۰)

لہٰذا

> تم صرف اس کی تابعداری کرو جو تمہارے پالنہار کی طرف سے تم پر

(قوانین فطرت) نازل ہوئے ہیں اور اس کے سوا (اپنے بنائے ہوئے) کار سازوں
کی پیروی نہ کرو، مگر حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ بہت کم نصیحت آموز ہوتے ہو۔
(قرآن پارہ ۸ سورۃ الاعراف رکوع اول)

اب احکام الٰہی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جن لوگوں نے اہل ثروت و دولت کی فرمانبرداری اس لیے کی کہ وہ زمانہ سازو بار سوخ تھے۔ اور پھر انجام کار دنیاوی مال و متاع یا عزت وغیرہ کے پیش نظر اپنی دائمی زندگی کو برباد کر دیا تو یوں کف افسوس ملتے ہوئے آرزو کرتے ہیں۔

(قیامت کے روز یوں کہیں گے) اے ہمارے رب! بے شک ہم نے اپنے سردارو
اور اپنے بڑوں کی تابعداری کی تھی پس انہوں نے ہم کو سیدھی راہ سے گمراہ کر
دیا اے ہمارے رب! ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر لعنت کر لعنت بڑی۔
(قرآن پارہ ۲۲ سورۃ الاحزاب رکوع ۸)

اس سے اکابر پرستوں کے برے انجام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ قیامت کے روز کیونکر محشور کیے جائیں گے ایک دوسرے موقعہ پر ان کی ترجمانی یوں کی گئی ہے

اور کہیں گے اے ہمارے رب! جنوں اور انسانوں میں سے جن لوگوں نے ہمیں
گمراہ کیا ہے ذرا انہیں لا کر ہمیں دکھا تو دے کہ ہم ان کو اپنے قدموں کے نیچے
پائمال کریں۔ تاکہ وہ بھی (ہماری طرح) ذلیل و خوار ہوں۔
(قرآن پارہ ۲۴ سورۃ حم السجدہ رکوع ۴)

اور (اے مخاطب) کاش تو دیکھے کہ جب یہ ظالم لوگ اپنے رب العزت کے
حضور میں جواب دہی کے لیے کھڑے ہوں گے تو ایک کی بات دوسرا رد کر رہا ہو
گا، اور (عاجزو) ادنیٰ درجہ کے لوگ اعلیٰ درجہ کے متکبرین سے کہیں گے کہ اگر تم
(دنیا میں) نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن (و مسلم) ہوتے، پھر متکبرین عاجزوں کو
جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تم کو ہدایت حق سے روکا تھا۔ جب کہ تمہارے
پاس آئی تھی؟ بلکہ تم خود ہی (اکابر پرستی کے) مجرم ہو۔
(قرآن پارہ ۲۲ سورۃ السبا رکوع ۴)

مذکورہ بالا آیات میں اکابر پرستی کا مختصر سا خاکہ بتا دیا گیا۔ اب اس جرم عظیم کی دوسری حیثیت پیش کی جاتی ہے' جس کو علماء پرستی یا تقلید پرستی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے' یا یوں سمجھئے کہ اس کی حقیقت پر کلام الہٰی کا فیصلہ کن فتویٰ صادر ہوتا ہے' چنانچہ ارشاد ہے کہ۔

انہوں (یعنی یہود و نصاریٰ) نے سوائے خدا کے اپنے علماء اور درویشوں کو اپنا رب بنا لیا۔

(قرآن پارہ ۱۰ سورۃ التوبہ رکوع ۵)

حاتم طائی کے بیٹے عدی کہتے ہیں کہ جب اسلام کی خبر پا کر حضور اکرم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت میری گردن میں چاندی کی صلیب لٹک رہی تھی تو آپ آیت اتخذوا احبار ھم الخ پڑھ رہے تھے تو میں نے کہا کہ انہوں نے تو اپنے علماء و زہاد کی عبادت نہیں کی اور نہ ہی رب بنایا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ۔

ہاں بے شک وہ ان کی عبادت تو نہ کرتے تھے لیکن جب وہ کوئی چیز ان کے لیے حلال قرار دے دیتے تھے تو وہ بھی حلال سمجھ لیتے تھے اور جب کسی شے کو ان پر حرام کر دیتے تھے تو وہ بھی (بغیر دلیل و حجت کے) اسے حرام سمجھنے لگتے تھے (بس یہی ان کی عبادت تھی جو ان کے لیے وہ کرتے تھے اور یہی خدا تعالیٰ کے سوا علماء فقرا کو دوسرا رب یعنی پروردگار مقرر کرنا تھا جو درحقیقت شرک ہے۔(۱)

آیت کریمہ کے معنی یہ ہوئے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے عالموں اور درویشوں کی اوامر و نواہی میں اس حد تک اطاعت کی کہ وہ اطاعت بمنزلہ اس کے ہوئی کہ ان کو اپنا ارباب ٹھہرا لیا ربیع کہتے ہیں میں نے اپنے باپ سے کہا کہ یہ ربوبیت کس طرح پر تھی انہوں نے کہا کہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وہ لوگ کتاب اللہ میں اپنے احبار و رہبان کے قول کے خلاف کوئی بات دیکھ لیتے تھے تو وہ کتاب اللہ کے حکم کو چھوڑ کر ان کے اقوال قبول کر لیتے تھے۔(۲)

اس سے ثابت ہوا کہ جب کسی بزرگ کا کوئی قول یا فتویٰ قرآن و حدیث کے خلاف معلوم ہو جائے تو بلا تامل اس کو رد کر کے خدا و رسول کی پیروی کی جائے ورنہ بصورت دیگر شرک کا ارتکاب ہو جائے گا۔ جس کی مطلق نجات و بخشش نہ ہو سکے گی۔ مگر آج کل اکثر مدعیان اسلام کورانہ تقلید میں مبتلا ہو کر خدا و رسول کے احکام یہودیوں کی طرح پس پشت

ڈال رہے ہیں۔ اور جب انہیں آیات و احادیث سنائی جاتی ہیں تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ کیا ہمارے امام صاحب نے یونہی فرما دیا ہے تو ضرور کوئی دلیل ہو گی لہذا ہم تو امام صاحب ہی کی پیروی کریں گے پس قرآن و جماعت اسلامیہ کے نزدیک یہی صریح شرک و موجب ہلاکت ہے۔

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خود کشی
رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

رہی اکثریت پرستی سو یہ بھی حقیقت ربانی کے بالکل خلاف ہے اکثر جہلاں کا یہ قول ہے کہ جس طرف اکثریت ہو اس پر عمل کرنا چاہیے گویا یہ حق و صداقت کو اپنی اصلی صورت میں نہیں دیکھتے بلکہ اکثریت کی عینک لگا کر دیکھتے ہیں پس جس مسلک کو اکثر لوگوں نے اختیار کر رکھا ہو اس کو بغیر دلیل و حجت کے قبول کیا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ درحقیقت سراپا گمراہی و ضلالت ہو۔ اور جس حق و صداقت کے پرستار کم اور بے سرو سلمان ہوں وہ قبول نہیں کی جاتی۔ سو یہ قرآن و حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا کہ۔

اور اگر تم نے اہل زمین میں سے اکثر لوگوں کی اطاعت و فرمانبرداری کر لی تو یاد رکھو کہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے گمراہ کر دیں گے۔

(قرآن پارہ ۸ سورۃ الانعام رکوع ۱۴)

دوسرے مقام پر کچھ وضاحت کے ساتھ یوں ارشاد ہے کہ

(اے نبی برحق) آپ یہ فرما دیجئے کہ (اے لوگو!) تم زمین پر چلو پھرو' اور پھر دیکھو کہ جو لوگ (تم سے) پہلے گزر چکے ہیں ان کا (ان کی بد اعمالیوں کے باعث) کیسا انجام (بد) ہوا۔ (حقیقت یہ ہے کہ) ان میں اکثریت مشرکین کی تھی۔

(قرآن پارہ ۲۱ سورۃ الروم رکوع ۵)

اس سے ثابت ہوا کہ دنیا میں ہمیشہ سے مشرکوں' سرکشوں اور بے دینوں کی اکثریت اور مومنین و مخلصین اور صادقین کی اقلیت رہی ہے اور رہے گی۔ علاوہ اس کے کئی ایک مقامات پر صاف طور سے ارشاد الٰہی موجود ہے کہ " بے شک اس (حقیقی روایت و تذکرہ) میں بہت سی نشانیاں ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ ایماندار نہ تھے۔

(قرآن پارہ ۱۹ سورۃ الشعراء کے اکثر رکوع)

اور ایک دوسرے مقام پر یوں وارد ہوا ہے کہ

اور میرے (عملی) شکر گذار بندے تو (دنیا میں) بہت تھوڑے ہوا کرتے ہیں

(قرآن پارہ ۲۲ سورۃ السبا رکوع ۲)

چنانچہ اسی حقیقت کبری کو اظہر من الشمس کرنے کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالبداہت فرما دیا کہ۔

بے شک دین اسلام کی ابتدا غربت (و بے کسی) میں ہوئی اور پھر بھی ان ہی غربا میں لوٹ جائے گا پس مبارک ہو ان غربا کو جو اصلاح کریں گے اس بات میں جس کو لوگوں نے میرے بعد میری سنت میں سے خراب کر دیا ہو۔(۳)

دوسری حدیث میں اس سے بھی زیادہ وضاحت ہے کہ جب آپ نے فرمایا کہ خوشی اور مبارکی ہو غرباء کے لئے۔ تو ہم (صحابہ) نے کہا کہ وہ غربا کون ہیں؟ تو فرمایا کہ وہ ایک قوم ہے جو بہت تھوڑی اور صالح ہے بہت سے برے لوگوں میں سے۔(۴)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی پروانے اور جانباز غریب الوطن اور مصائب زدہ لوگ تھے اور پھر آخری زمانہ میں اسی طرح اکثر برے لوگوں میں سے چند ایک لوگ ہوں گے جو حق پرستی و یک جہتی کے باعث گویا ایک قوم ہوں گے اور وہ صلاح و تقویٰ اور اصول و قواعد کے لحاظ سے نہایت ہی بہتر اور صالح ہوں گے یہی وجہ ہے جو ان کو قوم صالحوں قلیل کے نادر خطاب سے سرفراز کیا گیا' اور یہ یہی قلیل التعداد لوگ بانی اسلام کے نزدیک برسر حق اور نجات یافتہ ہوں گے۔ گویا لوگ قرآن و سنت کی راہ چھوڑ دیں گے' ظلم و فساد اور بدعات و منکرات کا دور دورہ ہو گا۔ حق پر چلنے والے اور قرآن و سنت کی سچی اور خالص پیروی کرنے والے بوجہ قلت و بیچارگی کے ایسے ہو جائیں گے جیسے پردیسی غریب الوطن اور بے یار و مدد گار اور فسق و فجور کی کثرت و حکومت کے آگے حق ظاہری صورت میں مغلوب ہو جائے گا تو ایسے پرفتن و معمورہ مصائب و آلام وقت میں جو لوگ قرآن و سنت کی تابعداری کریں گے وہ بہر کیف تھوڑے ہوں گے نہ کہ زیادہ۔ چنانچہ ایک اور مقام پر ارشاد حق ہے کہ

اے نبیؐ! تو اعلان کر دے کے خباثت اور طہارت برابر نہیں ہو سکتی اگرچہ
تجھے خباثت کی کثرت بھلی ہی کیوں نہ لگے

(قرآن پارہ ۷ سورۃ المائدہ رکوع ۱۳)

اس سے ثابت ہوا کہ اسلام نے پاکیزگی اخلاق و اعمال کو پسند کیا ہے اگرچہ تعداد و مقدار میں وہ بہت قلیل ہو۔ لیکن بخلاف اس کے خباثت یعنی بد عملی و بد خلقی کے علم برداروں کی اکثریت ہی کیوں نہ ہو۔ وہ اسلام کے حق میں مضر ہے' ایسی اکثریت سے اگر کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے تو وہ طاغوتی حکومت و ابلیسی فوج کو نہ کہ اسلام کو۔ کیونکہ اسلام کو نہایت قلیل فوج ہی پسند ہے بشرطیکہ وہ اخلاق و اعمال کی حامل ہو۔

پس یہاں تک گمراہی کے پہلے راستہ کا نقشہ دکھا دیا گیا جو اکثریت پرستی یا اکابر پرستی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

سواد اعظم کی حقیقت

اس مقام پر ایک عام غلط فہمی یہ پھیلائی گئی ہے کہ شریعت نے سواد اعظم کی پیروی کا حکم دیا ہے جس کے معنی وہ یہ کرتے ہیں کہ جس طرف مسلمانوں کی اکثریت ہو اسی فرقہ کی اطاعت کرنی چاہیے کہ یہی سواد اعظم ہے۔

مگر ہم کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے شاید ہی کوئی امر شریعت اپنی جگہ پر صحیح چھوڑ رکھا ہو' ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک حقیقت اسلام میں تحریف و تاویل سے کام لیا گیا ہے۔ بے شک حدیث میں آیا ہے کہ سواد اعظم کا اتباع کرنا لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اکثر لوگوں کی پیروی کرو۔ اگرچہ وہ سب کے سب فاسق و فجار اور مارقین اسلام ہی کیوں نہ ہوں؟

اگر "اعظم" کے معنی اکثریت یعنی تعدد و تکاثر کے کئے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نعوذ باللہ منہا خدائے واحد بھی اپنے وجود میں بہتایت و تکاثر رکھتا ہے حالانکہ ایسا اعتقاد کرنا صریح اشراک باللہ سبحان اللہ عما یشرکون کیونکہ قرآن مجید میں حق تعالیٰ کے متعلق یہ الفاظ پاک ہیں کہ۔ (اے پیغمبر) تو اپنے عظیم رب کے اسم (پاک) کی تسبیح کیا کر۔

(قرآن پارہ ۲۷ سورۃ الواقعہ رکوع ۲)

پس یہاں عظیم کے معنی عظمت یعنی عالی مرتبہ کے ہیں' اسی طرح اعظم کے معنی بھی فضیلت و بزرگی کے ہیں' غالباً قرآن مجید میں تین مقامات پر لفظ اعظم آیا ہے' اور تینوں مقام پر بزرگی و فضیلت کے معنوں میں آیا ہے۔ مثلاً پہلے مقام پر مجاہدین اسلام کے متعلق آیا ہے کہ۔

اعظم درجة عندالله یعنی وہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑے درجے والے ہیں۔

(قرآن پارہ ۱۰ سورۃ التوبہ رکوع ۳)

دوسرے مقام پر یوں آیا ہے کہ

جو لوگ تم میں سے فتح (مکہ) سے پہلے (اپنا مال و اسباب راہ حق میں خرچ یعنی) انفاق کر چکے ہیں' اور دشمنوں سے قتال کیا ہے وہ (دوسرے مسلمانوں کے) برابر نہیں ہو سکتے (کیونکہ اولیک اعظم درجة یہ لوگ درجہ (فضیلت و عظمت) کے لحاظ سے ان لوگوں سے بڑھ کر ہیں جنھوں نے فتح (مکہ) کے بعد انفاق و قتال کیا ہے (حالانکہ وہ تعداد میں تھوڑے تھے)

(قرآن پارہ ۲۷ سورۃ الحدید رکوع ۱)

تیسرے مقام پر یوں آیا ہے کہ

اور جو نیکی تو اپنے لئے پہلے سے (قیامت کے لئے) بھیجو گے' اس کو اللہ کے ہاں (موجود) پاؤ گے کہ وہ بہت خیر لو اعظم اجر بہتر ہے اور اس کا اجر بھی بہت بڑا ہے

(قرآن پارہ ۲۹ سورۃ المزمل رکوع ۲)

اس سے ثابت ہو گیا کہ اعظم کی حقیقت عظمت و فضیلت اور بزرگی و درجہ کی ہے نہ کہ اکثریت و تعدد اور بھاریت کی جیسا کہ عام مشہور ہے پس اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جس جماعت میں زہاد و اتقیا' اور صلحا ہوں اس کی پیروی کرو نہ کہ جہلا و فساق کی کثرت کی۔

اور یہ بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ زہد و تقویٰ اور خشیت الٰہی اسی جماعت میں پیدا ہو سکتی ہے جس کے نزدیک اعمال و اخلاق ایمان کے ارکان اعظم ہو' ورنہ شاذ ہی کوئی متقی و

صالح انسان پیدا ہو گا۔ چنانچہ صحابہ کرام کے نزدیک ایمان و عمل میں کوئی تفریق نہ تھی۔ اس لئے ان میں اکثریت اتقیاء و صلحا کی تھی۔ اور جب بدعت مرجیت کو نشوونما ہوئی تو ایمان و عمل میں مغائرت پیدا ہو گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امت میں اکثریت فساق و مارقین اسلام کی ہو گئی۔ لہذا اس اکثریت سے کٹ کر صرف عباد اللہ الصالحین سے دینی رشتہ قائم کرنا چاہیے کہ یہی حقیقت و مقصد اسلام ہے۔ اگرچہ وہ گنتی کے لحاظ سے بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہوں۔ بشرط یہ کہ وہ منفردانہ زندگی بسر نہ کر رہے ہوں بلکہ نظام جماعت ان میں قائم و جاری ہو۔

اہل حق را زندگی از قوت است
قوت ہر ملت از جمعیت است

اس موضوع کو مفصل و مدلل طور پر اسی کتاب کے چوتھے حصہ میں بیان کیا گیا ہے۔

گمراہی کا دوسرا راستہ

کفر و گمراہی کا دوسرا راستہ آباو اجداد پرستی ہے یعنی جب کوئی حکم الہی نازل ہوتا ہے تو یہ کمبخت اور گمراہ حقیقت لوگ صرف یہ کہہ کر ٹالدیتے ہیں کہ ہم تو اسی پر عمل کریں گے جس پر ہمارے باپ دادا کرتے رہے۔ یا یہ کہتے ہیں کہ کیا آج نئی ہدایت آگئی ہے۔ اور کیا ہمارے بڑے جس کام کو کرتے رہے وہ صحیح نہ تھا' اور وہ گمراہ تھے' یا وہ بیوقوف تھے آج تمہیں ہدایت یافتہ ہو کر ہمیں پرانے راستہ سے بہکاتے ہو؟ وغیرہ وغیرہ پرانی ہزلیات کہہ کر احکام رب العالمین کو پس پشت ڈالدیتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو ہدایت یافتہ و ناجی بھی خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ اس ضلالت و لعنت کا تذکرہ قرآن پاک نے یوں کیا ہے کہ

اور جب انھیں کہا جاتا ہے کہ تم اس حکم کی پیروی کرو جو اللہ تعالی نے نازل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں بلکہ ہم تو اس کی تابعداری کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا تھا چاہے شیطان انھیں عذاب جہنم کی طرف ہی کیوں نہ بلا رہا ہو۔

(قرآن پارہ ۲۱ سورۃ لقمان رکوع ۳)

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ

بلکہ انھوں نے کہا ہم نے اپنے آبا کو ایک طریقہ پر چلتے ہوئے پایا اس لئے ہم ان کے قدم بقدم چلتے ہوئے ہدایت یافتہ ہیں۔ اور (اے نبی) ہم نے تجھ سے پہلے جو رسول بھی کسی بستی میں عذاب سے ڈرانے والا بھیجا تو وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے آباو اجداد کو ایک طریقہ پر دیکھا۔ لہذا ہم بھی انہیں کی نقش قدم کی اقتداء کر رہے ہیں۔ (اس پر اس رسول برحق نے) کہا کہ جس بات پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا اگر میں اس سے کہیں زیادہ ہدایت کا راستہ لے کر آوں تب بھی تم اسی راہ کی پیروی کرو گے) تو انھوں نے کہا کہ ہاں بے شک جس شے کو تم لے کر آئے ہو ہم اس کے انکاری ہیں۔ (اور اس پر عمل نہ کریں گے) پس آخر کار ہم نے بھی ان سے (اس آبا پرستی کا خوب) انتقام لیا۔ پس تو ایسے(راہ حق و صداقت کے) جھٹلانے والوں کا انجام دیکھ کیا ہوا؟ (سو یہی حال ان کا ہو گا)
(قرآن پارہ ۲۵ سورۃ الزخرف رکوع ۲)

کفرو گمراہی کا تیسرا راستہ

کفرو ضلالت کو رواج دینے کا سب سے بڑا اور بے مثل ٹھیکہ شیطان لعین نے لیا ہوا ہے' اس نے جب حکم الہٰی کا عملی انکار کرتے ہوئے حضرت آدم کے آگے سجدہ نہ کیا تو خدائے احکم الحاکمین نے فرمایا کہ۔

پس نکل (بہشت سے) کہ تو راندہ درگاہ ہے۔ اور تجھ پر قیامت تک لعنت برستی رہا کرے گی ○ شیطان نے کہا کہ اے میرے رب مجھے بعثت کے دن (حشر کے روز) تک مہلت دے۔ فرمایا خدا تعالیٰ نے کہ جا تجھے مکمل مہلت ہے ایک وقت معلوم تک ○ پھر شیطان نے کہا کہ اے میرے رب بسبب اس کے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں بھی زمین میں ساز و سامان فراہم کر کے ان سب کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا مگر جو تیرے مخلص بندے ہوں گے وہ مجھ سے بچ رہیں گے ○ پھر فرمایا حق تعالیٰ نے کہ یہی ایک سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچتا ہے ○ ہاں

بے شک جو میرے خالص بندے ہیں ان پر تیرا کوئی داؤ اور زور نہ چل سکے گا۔ سوائے ان کے جو تیری پیروی کرتے ہوئے گمراہ ہوں گے ○ اور بے شک جہنم کا ان سب کے لئے وعدہ ہے ○ اور اس جہنم کے سات دروازے ہوں گے ہر دروازے میں سے داخل ہونے کے لئے اہل دوزخ کی الگ الگ تقسیم شدہ ٹولیاں ہوں گی ○

(قرآن پارہ ۱۴ سورۃ الحجر رکوع ۳)

اس تذکرہ سے ثابت ہوا کہ شیطان لعین کو کافی مہلت دے دی گئی جس سے کہ وہ مخلوق الٰہی کو گمراہ کرنے کی جان توڑ کوشش کرتا رہے گا۔ دوسری بات جو نہایت اہم ہے وہ یہ ہے کہ مخلوقات الٰہی میں سے جو لوگ صحیح مسلمان ہوں گے وہ شیطانی پنجہ سے آزاد رہیں گے اور وہ کبھی اطاعت حق سے برگشتہ و گمراہ نہ ہوں گے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ

بے شک اس (شیطان) کا زور ان لوگوں پر نہیں چل سکے گا جو مومن ہیں اور جو اپنے رب پر توکل کرتے ہیں ○ سوائے اس کے نہیں کہ (شیطان) کا زور فریب صرف ان پر چلتا ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں' اور ان پر چلتا ہے جو خدا کے ساتھ شرک کرتے ہیں ○

(قرآن پارہ نمبر ۱۴ سورۃ النحل رکوع ۱۳)

گویا اطاعت ابلیس محض وہی لوگ کرتے ہیں جو مسلمان نہیں' یعنی جو شیطان کے دوست اور مشرک باللہ ہیں وہی ابلیسی وساوس کے شکار اور گوناگوں فسق و فجور اور ظلم و عدوان کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ مگر جو قرآن و سنت کے نزدیک صحیح مسلمان ہیں وہ ہرگز شیطان کی تابعداری وغیرہ کرتے ہوئے نظر نہ آئیں گے' ہاں بتقاضائے بشریت ضرور غلطی ہو گی۔ مگر اصرار نہ کیا کریں گے ورنہ مسلمان نہ رہیں گے اور یہی شیطانی پیروی ہے جس کا اوپر فیصلہ ہو گیا۔ اسی حقیقت اطاعت شیطان کو دوسرے مقام پر یوں بیان کیا گیا ہے کہ

بے شک ہم نے شیاطین کو ان ہی لوگوں کا یار (ہمدم) بنایا ہے جو ایمان سے محروم ہیں۔

(قرآن پارہ ۸ سورۃ الاعراف رکوع ۳)

اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کا شیطان اور اس کے افعال ناکردنی سے مطلق واسطہ نہیں۔ ہاں انہی لوگوں کا ہے جو بے ایمان و کافر و مشرک ہیں۔ مگر غضب یہ ہے کہ اسی کفر و ضلالت کو وہ ہدایت سمجھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد حق ہے کہ۔

بے شک ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر شیاطین کو (اپنا) دوست بنا رکھا ہے' اور (بایں ہمہ) وہ یہ گمان کیے بیٹھے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں۔

(قرآن پارہ ۸ سورۃ الاعراف رکوع ۳)

اولیاء الشیطان کو اپنی گمراہی و ضلالت پر ہدایت و فلاح کا .... زعم باطل اس صورت میں لاحق ہو چکا ہے وہ گوناگوں معاصی و سیہ کاریوں میں مبتلا رہتے ہیں تو یہ کہہ کر دل کو تسلی دے دیتے ہیں کہ کیا کریں آخر شیطان لگا ہوا ہے' اس لیے ہم مجبور و مقہور ہو جاتے ہیں۔ اور خدائے علام الغیوب ہماری کمزوریوں کو خوب دیکھ رہا ہے لہٰذا وہ غفور الرحیم ہوتے ہوئے کسی کی شفاعت کے طفیل بخش ہی دے گا۔

بندہ نوازیوں پہ خدائے رحیم تھا
کرتا نہ میں گناہ تو گناہ عظیم تھا

یہ اور اس قسم کی بیہود تاویلیں ہیں جو گمراہی میں مبتلا ہو کر بھی اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے ہوئے جنت کے خواب دیکھتے رہتے ہیں۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ وہ مومن و مسلم ہی کیسا جو ہر موقع و محل پر شیطان سے پچھڑے ہوئے فسق و فجور کا مرتکب ہوتا رہتا ہے۔ دراصل اس کو ایمان و اسلام کے سمجھنے میں زبردست غلطی لگ چکی ہے۔ کیونکہ جو شخص مسلمان ہو گا تو وہ ہر وقت و ہر آن غالب و حاکم ہو گا۔ خواہ وہ روحانی طور پر شیاطین پر ہو کہ جسمانی طور پر کفار و مشرکین پر۔ اگر مسلمانوں کی تعداد کفار کے نصف تک ہے تو وہ لا محالہ حاکم و اعلیٰ ہے اور کم ہونے کی حیثیت میں اگر جسمانی حکومت سے محروم ہے تو روحانی غلبہ و استیلا سے کسی وقت بھی محروم نہ ہو گا۔ یعنی جب شیطانی و سواس نفسانی لذات کا حملہ ہو گا تو وہ احترام شرع کے لیے ہرگز محکوم و مغلوب نہ ہو سکے گا۔ بلکہ لڑ جھگڑ کر غالب ہی رہے گا۔ اور اگر کوئی ایسا نہیں تو بلا

شک و ریب وہ بے ایمان و کافر ہے۔

چنانچہ مسلمان کے شیطانی اطاعت و طاقت سے محفوظ و مصئون رہنے کی شہادت خود رسول کریم نے بھی دے دی جیسا کہ ارشاد ہے کہ

مومن اپنے شیطان پر اس طرح قابو پالیتا ہے۔ جیسے وہ شخص جو کسی جانور کو لگام چڑھائے ہوئے ہو۔(۵)

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان نہ صرف شیطانی اطاعت سے آزاد ہو جاتا ہے بلکہ یہ شیطان اس کے ایسے تابع رہتا ہے جیسے مال مویشی' سو جو شخص اپنی زندگی کا اکثر حصہ اطاعت ابلیس میں بسر کر دے وہ مسلمان نہیں۔ اسی واسطے خدائے ہادی نے ہمیں نہایت پراثر و ہمدردانہ طریقے سے تلقین فرمائی کہ

بے شک شیطان تمہارا صریح دشمن ہے۔ پس تم بھی اس کو اپنا دشمن سمجھتے رہو۔ وہ اپنے گروہ کو صرف اس غرض کے لیے بلاتا ہے کہ انہیں اہل دوزخ میں شامل کر دے۔

(قرآن پارہ ۲۲ سورۃ فاطر رکوع ۱)

پھر دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ

اے مسلمانو! تم شیطان کی تابعداری مت کرو۔ کیونکہ جو شخص شیطان کے نقش قدم پر چلتا ہے تو بے شک شیطان اس کو نہایت فحش اور منکرات (و فسق و فجور) کا (مشورہ دے کر) حکم کرتا رہتا ہے۔

(قرآن پارہ ۱۸ سورۃ النور رکوع ۳)

پھر فرمایا کہ

یہ شیطان راہ حق میں خرچ کرنے کے مقابلہ میں تمہیں بخل سکھاتا ہے اور علاوہ ازیں فواحش (و منکرات) کا (تلقینی) حکم کرتا رہتا ہے۔

(قرآن پارہ ۳ سورۃ البقرہ رکوع ۳۷)

شیطان لعین کے کفر و ضلالت پھیلانے کے لا تعداد ذرائع ہیں جو لوگ جاہل اور تعلیم قرآن سے ناآشنا ہیں انہیں تو براہ راست مشتہیات نفس کی عارضی لذات کی تلقین کر کے

۵۰

گمراہ در گمراہ کرتا ہے اور جو لوگ زمرہ علماء میں شامل ہیں انہیں احکام شریعت اسلامیہ میں تاویلات باطلہ کرانے پر مجبور کر کے نفس و ہوا کی ناجائز لطف اندوزی کراتے ہوئے اپنا الوسیدھا کر کے انہیں چاہ ضلالت میں غرق کر دیتا ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم

گمراہ کرنے کے اس کے پاس بے شمار اسباب و علل کے علاوہ ایک یہ طاقت بھی موجود ہے کہ انسان کی خونی رگوں میں بھی پھرتا رہتا ہے۔ جیسے حضور انور نے فرمایا ہے کہ

بے شک شیطان لعین انسان کے خون جاری ہونے کی جگہوں میں پھرتا رہتا ہے۔(٦)

دوسری حدیث میں یوں آیا ہے کہ

شیطان اپنا ہاتھ انسان کے دل پر رکھے ہوئے ہے۔ اگر انسان ذکر الٰہی (یا تصور الٰہی) میں مشغول ہو جائے تو اس کا دست ستم ہٹ جاتا ہے اور اگر ذکر خدا سے غافل ہو جائے تو وہ ملعون اس کے دل پر مکمل قبضہ کر لیتا ہے (پھر جو چاہے کرا سکتا ہے) یہی وسواس الخناس ہے (جس کا ذکر قرآن میں موجود ہے)(٧)

اور یہ بھی یاد رہے کہ شیاطین کی دو قسمیں ہیں ایک شیطان الانس ہے۔ دوسرا شیطان الجن۔ جیسا کہ ارشاد ہے

شیاطین الانس اور شیاطین الجن دونوں ایک دوسرے کو چکنی چپڑی باتیں پھونکتے رہتے ہیں۔ تاکہ لوگوں کو دھوکا و فریب دیتے رہے۔

(قرآن پارہ ٨ سورۃ الانعام رکوع ١٤)

ایسا ہی حضور اکرم نے ابوذرؓ کو فرمایا کہ اے ابوذر پناہ مانگ شیاطین الجن والانس سے۔ انہوں نے عرض کی کہ یارسول اللہ! کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔(٨)

ان دونوں کے گمراہ کرنے کی کیفیات بے شمار اور مختلف ہیں۔ شیطان الجن تو اکثر دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے اور شیطان الانس بشری لباس میں دوستوں کی شکل میں ہوتا ہے جو وقت پر اپنے دوست کو گناہ پر آمادہ کرتا رہتا ہے کبھی چوری کروائی' کبھی لواطت و زنا کا مرتکب بنا

دیا کبھی جھوٹی شہادت دلوا کر گوناگوں مظالم و فسادات کا ارتکاب کرا دیا۔ اور اگر ذرالیت و لعل کی تو دوستی کے حقوق یاد دلا دیئے وغیرہ وغیرہ۔ اسی واسطے حق تعالیٰ نے اس سے پناہ مانگنے پر زور دیا۔ اور ایک مکمل سورۃ نازل فرمائی کہ

اے مخاطب! تو کہہ دے کہ میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے رب کی مدد کے ساتھ۔ لوگوں کے مالک کی مدد کے ساتھ ○ لوگوں کے معبود برحق کی مدد کے ساتھ ○ ان وسلوس کے شر سے جو وسوسے خناس ○ ایک جنوں میں سے دوسرا انسان میں سے دلوں میں ڈالتا رہتا ہے۔

(قرآن پارہ ۳۰ سورۃ الناس)

علاوہ ازیں شیطان سے پناہ مانگنے کے لیے ایک روحانی اور زبردست ہتھیار آیتہ الکرسی کا پڑھ کر اپنے اوپر پھونکنا ہے جس کی تعریف میں بہت احادیث صحیحہ وارد ہیں۔

بہر کیف کفر و ضلالت ان ہی شیطانوں کے ذریعہ رواج پاتی ہے اگر انسان نے عقل و خرد سے کام لے کر خدائے قہار کا خوف محسوس کر لیا تو بچ گیا ورنہ گمراہی کا شکار ہو گیا۔ چنانچہ جب روز محشر میں حساب دینے اور اپنے کیے کا پھل پانے کے لیے کھڑے ہوں گے تو ارشاد ربانی ہو گا کہ

او مجرمو! (الٰہی اطاعت سے) الگ ہو جاؤ ○ کیا ہم نے تمہیں تاکید نہیں کر دی تھی کہ شیطان کی عبادت (پیروی) نہ کرنا کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ○ اور کیا یہ نہیں کہا تھا کہ تم میری عبادت (اطاعت) کرتے رہنا کہ یہ سیدھی راہ (جنت) ہے ○ اور البتہ بے شک (باینہمہ وجوہ) اس نے تم میں سے اکثر لوگوں کو گمراہ کر دیا گیا پس تم عقل نہیں رکھتے تھے ○؟ یہ ہے وہ دوزخ جس کا تم سے وعدہ کیا جا چکا تھا آج اس میں داخل ہو جاؤ سبب اس کے کہ تم کفر (نافرمانی) کرتے تھے ○

(قرآن پارہ ۲۳ سورۃ یٰسین رکوع ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ عبادت کے محض یہ معنی نہیں کہ وضو کر کے روبہ قبلہ کھڑے ہو کر دو چار ٹکریں مار لیں' کیونکہ کسی بڑے کافر نے بھی ایسی عبادت شیطان کی نہیں کی۔

مگر خدائے حکیم نے پھر کیوں مجرم انسان کو یہ کہا کہ تم نے شیطان کی عبادت کی اور میری نہ کی۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ شیطان کی پیروی کرتے تھے یعنی اس کی فریب وہ اور ملمع شدہ باتوں میں آکر احکام الٰہی کی فرضیت کا زبانی اقرار کرنے کے باوجود پرواہ نہ کرتے تھے پس یہی عملی نافرمانی خدائے معبود کے نزدیک صریح اور شیطانی عبادت ہے جس کے مرتکب کو کافر و مشرک کہہ دینا اسرار شریعت و حقائق قرآنی اور نکات اسلام کی من و عن صحیح ترجمانی کر کے اسلامی فرائض و خدمات کو انجام دینا ہے جیسا کہ مندرجہ بالا آخری آیات میں خدائے حکیم و عادل کا فیصلہ ہے۔ مگر ان نکات حقیقی کو سمجھنے کے لیے علم ہدایت و قلب سلیم کی ضرورت ہے۔ نہ کہ محض علم دنیاوی و قلب سقیم کی۔

چوں شو واز رنج و علت دل سلیم
طعم صدق و کذب رابا شد علیم

کفر و گمراہی کا چوتھا راستہ

چوتھا راستہ نفس پرستی ہے' یعنی ایک شے ہے جس کے کرنے نہ کرنے کا حکم احکم الحاکمین نے دے رکھا ہے۔ مگر نفس امارہ یا خواہش نفس کا یہ مشورہ ہے کہ اس کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنا چاہیے خدائے خالق نے جو پیدا کیا تو استعمال کے لیے یا یہ کہ اگر اس کا استعمال ہی برا تھا تو آخر پیدا کیوں ہوئی اس سے بڑھ کر گمراہی یہ ہے کہ ایک وہ انسان جو چھوٹی سی کھوپری رکھتا ہے وہ بھی بسا اوقات نہایت بے باکانہ کہہ اٹھتا ہے کہ اس شے کی حلت و حرمت کی فلاسفی میرے دماغ میں نہیں آتی کہ یہ کیوں حرام کر دی گئی ہے حالانکہ اس میں یہ اور وہ فائدے مضمر ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ایسے بدبخت شیطانی ایجنٹ کو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ایک انسان ہوں اور اپنے جیسے انسانوں کی لاکھوں ایجادیں اور سائنس و فلسفہ کے بے شمار نظریات و تجربات جن کو ہر شخص سمجھنے سے قاصر و عاجز ہے حالانکہ وہ بھی انسان' میں بھی انسان جیسی بول چال اسی کی ہے ویسی میری ہے جس طرح وہ کھاتا پیتا ہے بالکل اسی طرح میں بھی کھاتا پیتا ہوں جیسے

جسمانی و بدنی ساخت' دل و دماغ' ہاتھ پاؤں' آنکھیں اور کان اس کے ہیں بالکل اسی طرح میرے بھی ہیں۔ مگر باوجود اس فطری مساوات کے اکثر کملات و ایجادات انسانی کو جب نہیں سمجھ سکتا تو کیا یہ مناسب ہے کہ یوں کہہ دوں کہ رب العالمین کی یہ مصلحت چونکہ میرے معلومات و تجربات اور عقل و شعور میں نہیں آتی اس لیے میں نہیں مانتا' یا اس کو یوں ہونا چاہیے تھا۔ یا ایسا اور ویسا۔

یہ اور اس قسم کی تمام دیگر گمراہیاں نفس و ہوا کے ناجائز مطالبات اور شیطان لعین کی گمراہ کن تائیدات و سلاوس کا نتیجہ ہیں۔ جس کا انجام کار کفرو ضلالت یا بالفاظ صحیح خود انسانی ہلاکت و خسران ہے۔ جیسا کہ ارشاد خلاق ارض و سماء ہے کہ۔

> اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو بغیر ہدایت الٰہی کے محض اپنے نفس و ہوا کی پیروی کرتا ہے۔ بے شک ایسے ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں کیا کرتا ○
>
> (قرآن پارہ ۲۰ سورۃ القصص رکوع ۵)

قرآن مجید نے اسی اتباع نفس کو اتخاذ معبود غیر اللہ (یعنی خدا کے سوا دوسرا خدا پکڑنا) سے بھی تعبیر کیا ہے' جو صریح شرک ہے مثلاً ارشاد ہے کہ

> آیا تو نے اس کو دیکھا جس نے اپنی خواہش (نفسانی) کو خدا بنا رکھا ہے۔ کیا پس تو اس کا نگراں ہے ○ (کہ وہ گمراہ نہ ہو) یا یہ خیال کرتا ہے کہ ان میں اکثر سنتے اور سمجھتے ہیں۔ یہ تو بس محض جانوروں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی گئے گذرے گمراہ ہیں (جو عقل سے کام نہیں لیتے)
>
> (قرآن پارہ ۱۹ سورۃ الفرقان رکوع ۴)
>
> اسی حقیقت کو ایک دوسرے مقام پر یوں بیان کیا گیا ہے کہ اے مخاطب! کیا پس تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنے (حرص و) ہوا کو معبود ٹھہرا رکھا ہے۔ اور علم کے ہوتے ساتے اللہ نے اس کو گمراہ کر رکھا ہے۔ اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا رکھی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ پس اللہ کے بعد کون اسے ہدایت کرے گا۔

(قرآن پارہ ۲۵ سورۃ الجاثیہ رکوع ۳)

ان میں سے پچھلی دو آیات نہایت سبق اندوز و عبرتناک ہیں کہ اپنی من مانی باتوں پر عمل کرنے والوں کو غیر اللہ کی پرستش کرنے والا کہا ہے بالفاظ دیگر خدائے واحد کے ساتھ شرک کرنے والا ہے۔ جو شریعت اسلام کے نزدیک مشرک و غیر مستحق نجات ہوتا ہے۔

گویا کسی ہستی کو خدائے واحد مان لینا صرف یہ نہیں کہ زبان سے اللہ احد کا نعرہ لگا کر باوضوء روبہ قبلہ کھڑے ہو کر رسمی نماز ادا کرلی جائے۔ بلکہ خدا ماننے کے یہ معنی بھی ہیں کہ کسی ہستی کے احکام (بغیر اس کے زبان سے خدا کہہ دیا جائے) کی پیروی کی جائے! یا اس کی خدمات کو بدل و جان سرانجام دیا جائے خواہ وہ خدائے برحق ہو۔ یا شیطان لعین و نفسانی خواہشات کو اتمام تک پہنچانے کے لیے قسم کی جدوجہد کی جائے۔ اسی کا نام عبادت ہے۔ اور یہی عابد و معبود کے باہمی تعلقات کا بین ثبوت ہے۔ اگر ایسا تعلق خدائے واحد و برتر سے ہو تو یہ عین ایمان ہے۔ اور اگر نفس و ہوا کے مرغوبات و مشتہیات کو جائز و ناجائز وسائل سے حاصل کیا جائے جیسا کہ آج کل عام (اہل اسلام میں خصوصاً اور دیگر مذاہب میں عموماً) ہو رہا ہے تو یہ بالبداہتہ غیر خدا کی پرستش و شرک ہے۔ ورنہ خواہشات نفسانی کو خدا بنانے کے اور کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ یہ ہو نہیں سکتا کہ کسی نے اپنے نفس کو یہ کہا ہو کہ تو میرا رب یا معبود ہے اور میں تیرا اطاعت گزار بندہ ہوں۔ لہٰذا حقیقت اتخذ اربابا من دون اللہ وہی ہے جو ہم نے بیان کر دی ہے۔

زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے

کفر و گمراہی کا پانچواں راستہ جہل پرستی ہے

خلاق ارض و سماء نے اپنی مخلوقات کو مختلف اقسام و انواع میں پیدا کیا ہے جن کے باہمی مدارج و مراتب کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ مگر اکثر مخلوقات میں اشرف المخلوقات صرف انسان کی ذات ہے۔ جس کو عقل و دماغ جیسی بے مثال نعمت غیر مترقبہ عنایت فرمائی' پھر

اس کو ہر دو جہان کی نعمتوں سے جائز فائدے اٹھانے کے لاتعداد طریقے تعلیم کیے کہ ان کے ذریعہ اپنے منعم حقیقی کی نعیم گو ناگوں سے بطریق احسن بہریاب ہو کر اس کا شکر گزار و فرمانبردار بندہ بنا رہے۔ پھر ان تمام طریقوں سے اپنی مراد تک پہنچنے کے لیے کام لینے کا ایک ایسا آلہ دیا جس کی تعریف کرنے کے واسطے نہ ہمارے پاس زبان ہے اور نہ قلم اور وہ قلب و دماغ ہے جن کا فرض نیک و بد' مفید و مضر' حق و باطل و دوست و دشمن وغیرہ میں تمیز کر کے بہترین مشورہ دینا ہے اور بس۔

یہاں تک ہر فرد و بشر کے لیے یکساں طور پر رب العالمین نے بندوبست کر دیا ہے مگر عقل و شعور سے صحیح یا غلط نتائج حاصل کرنا خود انسان کا فرض ہے اگر اس کی تربیت علم و کمال کے گلستان میں ہوتی رہی تو اشرف المخلوقات ہونے کا ثبوت دے کر منعم حقیقی کے انعامات کا مستحق ہو جائے گا ورنہ بصورت دیگر یعنی اپنے قلب و دماغ کو گلشن علم و ہنر سے محروم کر کے غفلت و جاہلیت کی بیابانہ چراگاہوں میں جانورانہ نشو و نما دیتا رہا تو اپنے آپ کو ایک بولتا چالتا حیوان ثابت کر کے ان کی طرح غلام زندگی بسر کرتا ہوا ذلیل و خوار رہے گا اور درحقیقت اس اسفل ترین درجہ میں آنا ایک انسان کے لیے مناسب نہیں بلکہ بدترین بہیمیت و درندگی ہے کیونکہ یہ عقل و خرد کے باوجود انسان نما حیوان ہے' اور حیوان فطرتاً اس نعمت سے محروم ہے لہذا وہ اس لائق ہے کہ اس کو کمترین جانور کہہ دیا جائے۔ چنانچہ خلاق ارض و سماء نے اس کو ایسا ہی خطاب دیا کہ

> بے شک اللہ (برتر) کے نزدیک بدترین حیوانات وہ لوگ ہیں جو بہرے' گونگے' عقل سے کام نہ لینے والے ہیں۔

(قرآن پارہ ۹ سورۃ الانفال رکوع ۳)

اس آیت کریمہ کا یہ مطلب نہیں کہ جو لوگ ظاہری کانوں سے بہرے زبان سے گونگے' فاتر العقل ہیں دراصل وہی بدترین حیوانات ہیں۔ یہ تو ایک ظاہری بیماریاں ہیں۔ بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جن کے کان تو ہیں مگر گوش دل سے محروم ہیں' زبان تو ہے' لیکن شہادت علم و حق و صداقت کے دینے سے قاصر ہیں' قلب و دماغ میں فطری عقل تو موجود ہے' لیکن جوہر عقل انسانیت و عبودیت سے بے بہرہ ہے' گویا ایک جاہل و اجہل ہے کہ

ساری نعمتوں کے ہوتے ہوئے حیوان بنا ہوا ہے۔ جو بالفاظ ربانی

وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں۔ پس (ایسے لوگ کچھ) عقل سے کام نہیں لیتے ○

(قرآن پارہ ۲ سورۃ البقرہ رکوع ۲۱)

ایک اور مقام پر اسی جہالت و بربریت کی ترجمانی یوں کی گئی ہے کہ

ان کے (سینوں میں) دل تو ہیں مگر سمجھ بوجھ سے کورے ہیں۔ اور ان کی آنکھیں بھی ہیں لیکن (مشاہدات قدرت کو) دیکھ نہیں سکتیں۔ اور ان کے کان بھی ہیں مگر (گوش دل کی) سماعت سے محروم ہیں۔ گویا یہ لوگ چوپایوں کی مانند ہیں، بلکہ ان سے بھی بدتر گمراہ ہیں، کیونکہ یہ لوگ غفلت (و جہالت) میں سرشار ہیں ○

(قرآن پارہ ۹ سورۃ الاعراف رکوع ۲۲)

علم و حکمت اور معراج عقل و شعور تک پرواز کرنے کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہے اور وہ مکمل طور سے انسان کو ودیعت ہو چکی ہیں۔ پھر بھی اگر جاہل رہے تو یہ لاثانی بدبختی ہے۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں: سمع و بصر اور فواد یہی وہ نعمتیں ہیں کہ جن کے باعث رب العالمین اپنے بندوں کو خصوصی احسانات جتا رہا ہے۔ مثلاً

اور اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے باہر نکالا جبکہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، پھر اس نے تمہیں کان دیئے اور آنکھیں عنایت کیں۔ اور دل دیئے تاکہ تم اس کے شکر گزار بندے بنے رہو ○

(قرآن پارہ ۱۴ سورۃ النحل رکوع ۱۱)

یہی وہ چیزیں ہیں کہ جن کے متعلق قیامت کے روز خاص طور سے حساب لیا جائے گا، جیسا کہ ارشاد ہے کہ

بے شک کان اور آنکھیں اور دل ایسی چیزیں ہیں کہ ان سب سے (قیامت کے روز یہ) پوچھا جائے گا ○ (کہ ان کا استعمال کہاں کہاں اور کیسے کیسے ہوا)

(قرآن پارہ ۱۵ سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۴)

گویا دیگر اعمال و افعال کے علاوہ ان کا احتساب خاص ہوگا۔ کیونکہ یہ مدرکات خاصہ سمع

علم و حکمت ہیں اگر انہیں جائز طریقوں سے استعمال نہ کیا گیا تو لامحالہ ان کا حشر برا ہوگا۔ کیونکہ ایک تو انہوں نے کفران نعمت کا ارتکاب کیا جو ان سے صحیح فائدہ حاصل نہ کر سکے، دوسرا ظلم یہ کیا کہ ان کا استعمال اپنے موقع و محل پر نہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل جہنم کف افسوس ملتے ہوئے کہیں گے۔

اگر ہم نے (گوش دل سے) سنا ہوتا یا ہم نے عقل (و خرد) سے کام لیا ہوتا تو ہم (ہرگز) دوزخیوں میں نہ ہوتے ○

(قرآن پارہ ۲۹ سورۃ الملک رکوع ۱)

بہر کیف علم سے بے بہرہ لوگوں کا حشر جو ہوگا سو ہوگا۔ مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ اس وقت کیا ہو رہا ہے جو قوم اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہے وہ اس لائق ہے کہ صفحہ ہستی سے محو ہو جائے اور یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ آج جو قوم اس سے کوری ہے وہ عزت و شوکت کے لحاظ سے مٹ چکی ہے اور اگر وہ جسمانی طور پر زندہ بھی ہے تو محض محکومی و غلامی کے لیے یہی وجہ ہے کہ اسلام نے علم حاصل کرنے کی زبردست تلقین کی ہے۔ یہاں تک کہ نہ صرف مردوں کے لیے بلکہ عورتوں کے لیے بھی سخت ضرورت ہے جیسا کہ ارشاد ہے

علم و حکمت کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت کا فرض ہے(۹)

اس کا ثبوت ایک دوسری صورت میں یوں بھی دیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں ارشاد حق ہے کہ

اے مسلمانو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

(قرآن پارہ ۲۸ سورۃ التحریم رکوع ۱)

یہ جب ہو سکتا ہے کہ انسان سب سے قبل دوزخ سے بچنے کے اسباب و علل معلوم کرے، اور پھر مضرات سے بچے اور مفیدات پر عمل کرے اور انہی معلومات کے حاصل کرنے کا نام علم دین ہے۔ اور یہی فرض عین ہے۔

تحصیل علم و ترقی تجارت کا سب سے بڑا سبب سفر و سیاحت ہے چنانچہ قرآن مجید میں بھی جہالت کا ایک سبب یہی بتایا ہے کہ

کیا پس وہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں (اگر سیر کرتے تو) پس ان کے (ایسے)
دل ہوتے جو (نصیحت کی) بات سنتے۔ پس بے شک ان کی ظاہری آنکھیں تو
اندھی نہیں۔ لیکن ان کے دل اندھے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

(قرآن پارہ ۱۷ سورۃ الحج رکوع ۶)

اس سے معلوم ہوا کہ علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم دنیاوی دوسرا علم اخروی اور انسان کی زندگی کے بھی دو حصے ہیں۔ ایک موجودہ دنیائے فانی کا' دوسرا حیات جاودانی کا۔ پس کامل انسان وہی ہے جو دونوں زندگیوں کے لیے زاد راہ فراہم کرے۔ اگر محض دنیاوی علوم و فنون حاصل کرے گا تو اس جہان میں راحت حاصل کر کے آخرت برباد کر بیٹھے گا جو ہمیشہ کا گھر ہے۔ اور اگر صرف علوم اخروی کی تحصیل کرنے پر اکتفا کر لے گا تو وہ دنیا میں ذلت و رسوائی اور غلامی و محکومی کا شکار ہوتا رہے گا۔ اس لیے اسلام کا حکم یہ ہے کہ ہر دو جہان کے علوم و فنون حاصل کئے جائیں۔ اور یہی مقصد خدا اور رسول ہے جو انسانی کمال و شرف کا منتہائے نظر ہے۔

علم دنیاوی کا اصلی منبع سائنس اور اس کے تجربات ہیں۔ جس کی بنیادی تلقین قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ مثلاً ارشاد ہے کہ

(اللہ کے عقلمند بندے وہ ہیں) جو زمین و آسمان کی پیدائش پر غور و تدبر کرتے
ہوئے (تجارب حاصل کرنے کے بعد) یہ شہادت دیتے ہیں کہ اے ہمارے رب!
تو نے کوئی چیز بے فائدہ نہیں پیدا کی' پس پاکی ہے تجھ کو پس تو ہمیں دوزخ کی
آگ سے بچائیو ○

(قرآن پارہ ۴ سورۃ آل عمران رکوع ۲۰)

گویا اسلام اس سائنس کی تعلیم دیتا ہے کہ دنیا و مافیہا سے فائدہ اٹھانے کے بعد خدائے واحد کی خالقیت و ربوبیت کا اقرار کر کے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کی جائے۔ دوسرے مقام پر ان لوگوں کو کافر کہا گیا جو زمین و آسمان کی کسی چیز کو بے سود کہہ دیں اور یہ جب ہوتا ہے کہ جو لوگ سائنس کے منکر ہوتے ہیں ان کے نزدیک تو اکثر چیزیں زبان حال سے محض بیکار ہیں' اس لیے شہادت ہو عینی ہو۔ جو تجربہ سے متعلق ہے۔ مثلاً حکیم مطلق کا

ارشاد ہے کہ

اور ہم نے زمین و آسمان (و مافیہا) کو یوں ہی بے کار نہیں پیدا کیا (بلکہ اس میں زبردست حکمتیں ہیں) یہ گمان تو ان کا ہے جو قدرت حق کے منکر ہیں۔

(قرآن پارہ ۲۳ سورۃ ص رکوع ۲)

آج دیکھئے کون سی قومیں ایسی ہیں جو خدا کی ہر چیز سے فائدہ اٹھا کر یہ شہادت دیتی ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے کوئی چیز بے سود پیدا نہیں کی اور وہ کون ہیں جو جہالت و غفلت کے گڑھے میں سسکتے ہوئے ہر چیز کو یونہی تماشا سمجھ کر بے کار ضائع کر رہے ہیں۔ بس ایسی ہی جہالت وہ کفر ہے جس کا ذکر ابھی اوپر ہوا اس سے بچنے کے لیے موجودہ تمام علوم و فنون حاصل کر کے خدا کی ربوبیت کا شکریہ ادا کرنا چاہیے جو عین اسلام اور اس کا مقصد ہے۔

جس طرح علوم دنیا کے حاصل کئے بغیر کوئی شخص دنیاوی راحتوں اور مال و متاع کو حاصل کر کے لطف اندوز نہیں ہو سکتا اور نہ عزت و وقار کی زندگی بسر کر سکتا ہے بعینہٖ اس طرح جو شخص علوم اخروی سے ناآشنا ہوگا وہ وہاں کی زندگی کی آسائیوں اور کامرانیوں سے محروم ہوگا۔ نہیں نہیں بلکہ جس طرح اس دنیا میں جاہل اور بے علم قوم ذلت و خواری اور محکومی و غلامی کے نامرادانہ دن کاٹ کر نامراد موت سے ہم آغوش ہو جاتی ہے۔ اسی طرح علم دین سے بے بہرہ اور اس پر عمل نہ کرنے والی قوم گوناگوں عذابوں اور مختلف ذلتوں سے دو چار ہوتی رہے گی۔ اس لیے عقل مند انسان کو لازم ہے کہ جیسے عارضی حیات کے لیے تمام اسباب آسائش فراہم کرتا ہے ویسے ہی حیات دائمی کے لیے بھی زاد راہ و سامان راحت فراہم کرے۔ جس طرح دنیاوی علوم کی ترقی سائنس اور اس کے تجربات کی مرہون منت ہے اسی طرح اخروی علوم کا سرچشمہ قرآن مجید اور اس کی تمام ہدایات ہیں جو ان سے کماحقہ بہرہ یاب ہوگا وہ جہان فانی میں عموماً اور جہان باقی میں خصوصاً سرخرو و شاد کام ہوگا۔ یہ غلط ہے کہ قرآن موجودہ زندگی کا مانع ہے۔ بلکہ اس نے جہاں آئندہ زندگی کے اصول و قوانین وضع کئے ہیں، وہاں موجودہ کاروبار کے تمام مسائل اور ترقی کے بنیادی اصول بھی من و عن سمجھا دیئے، مگر افسوس کہ دنیا نے قرآن کو سرسری نگاہ سے دیکھا ہے اگر اس کا گہرا مطالعہ کر کے نہایت منصفانہ فیصلہ دیتی تو قرآنی علوم و اصول سے بہتر کوئی کتاب نہ پاتی۔ چنانچہ یہی شکوہ

خود قرآن مجید نے کر دیا ہے کہ

کیا یہ لوگ قرآن (کی حق و صداقت) پر غور و تدبر نہیں کرتے؟ یا کیا ان کے دلوں میں قفل ہیں ○ (جو سمجھنے سے قاصر ہیں؟)

(قرآن پارہ ۲۶ سورۃ محمد رکوع ۳)

اور ان میں سے بعض ان پڑھ (اور بے علم لوگ ہیں جو علم کتاب سے تو ناآشنا ہیں۔ مگر (وہم و گمان اور خیال و تک بندی ضرور کرتے ہیں یعنی یونہی) آرزوئیں کرتے ہیں اور ان کی حقیقت سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ اوہام و ظنون میں مبتلا ہیں ○

(قرآن پارہ ۱ سورۃ البقرہ رکوع ۹)

گویا بے علمی اور جہالت خواہ مخواہ ہوا پرستی کی دعوت دیتی ہے جو اسلام میں شرک و کفر سے کم نہیں اور اپنے خالق و معبود سے دور رکھنے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ اس لیے علم قران حاصل کر کے اپنے پروردگار کی ناراضگی سے بچنے اور اس کے خوف کے آداب و طرق اختیار کرنے چاہییے تاکہ کہیں جہالت کے باعث اس کی قانون شکنی و حکم عدولی کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ اور یہ جب ہوگا کہ عالم دین اسلام بن جائیں جیسا کہ ارشاد ہے کہ

بے شک خدا تعالٰی سے کماحقہ وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے عالم ہیں۔

(قرآن پارہ ۲۲ سورۃ فاطر رکوع ۳)

بات صاف ہے کہ ہر قانون کے پابند وہی لوگ ہوتے ہیں جو اس کی حقیقت جزا و سزا سے صحیح معنوں میں واقف و عالم ہوتے ہیں۔ حکم عدولی کے مرتکب وہی ہوتے ہیں جو یا تو جاہل محض ہوتے ہیں اور یا علم میں ناقص و خام ہوتے ہیں گو وہ بہت سی باتوں کو رٹ چکے ہوں۔ مگر درحقیقت وہ صحت علم کے نکتہ نگاہ سے جاہل ہی ہوتے ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ زیادہ باتوں کے جاننے کا نام علم نہیں۔ بلکہ علم نام ہے بکثرت خدائے ذوالجلال سے ڈرتے رہنے کا۔(۱۰)

دوسری بات یہ ہے کہ علم میراث نبوت ہے جیسا کہ خود حضور انورؐ کا ارشاد گرامی

ہے۔

عالم کی فضیلت (جاہل) عابد پر ایسی ہے' جیسے اور سیاروں پر چاند کی فضیلت اور بے شک علماء انبیاء کرامؑ کے وارث ہیں کیونکہ انبیاء کرام درہم ودینار ورثہ میں نہیں چھوڑ جاتے۔ بلکہ وہ تو علم اپنے ورثہ میں چھوڑ جاتے ہیں۔ پس جس نے علم حاصل کر لیا اس نے پورا حصہ لے لیا۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جہالت کفرو شیطنت کے میراث ہے جو آخر کار جنہم میں داخل کر دیتی ہے اور علم و حکمت نبوت کی میراث ہے گویا علم ایک نور الٰہی ہے جس کی ضیاء سے انسان اپنا صحیح راستہ تلاش کر سکتا ہے اور جہالت ایک تاریکی ہے جس میں روشنی علم کے بغیر چلنا دشوار بلکہ ناممکن ہے کیونکہ ٹھوکریں کھاتا ہوا کہیں قعرہلاکت میں گر کر فنا ہو جائے گا۔ اور یہ ایک حقیقت ثابتہ و امر مسلمہ ہے اور بس بقول حق تعالیٰ:

کیا وہ لوگ جو اہل علم ہیں اور وہ جو بے علم ہیں دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ایسی باتوں سے بے شک عبرت وہی پکڑتے ہیں جو عقل مند ہوں۔

(قرآن پارہ ۲۳ سورۃ الزمر رکوع ۱)

لیکن جو ارباب علم و ائمہ محض کتب و اسفار اور مختلف علوم و السنہ کے ماہر و علامہ ہیں' مگر عمل و صلاح اور اخلاقی فضائل و محاسن سے بے بہرہ اور محروم ہیں ان کی مثال ان گدھوں کی سی ہے جن پر بہت سی کتابوں کا پشتارہ لدا ہوا ہو۔ مگر کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھایا جا رہا ہو۔ چنانچہ ارشاد حق تعالیٰ ہے کہ

جن لوگوں (کی پیٹھوں) پر تورات لادی گئی پھر انہوں نے اس کو انگیز نہ کیا (یعنی اس پر کاربند و قائم نہ ہوئے) ان کی مثال گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہیں۔

(قرآن پارہ ۲۸ سورۃ الجمعہ رکوع ۱)

پھر اس پر ستم ظریفی یہ ہے کہ باوجود اس قدر بے عمل و خائن علم ہونے کے اس آرزو میں رہتے ہیں کہ لوگ ان کے علم کے آگے خواہ مخواہ سرنگوں ہو کر ان کی عبادت کرتے رہیں لیکن قرآن کا فیصلہ کچھ اور ہی ہے کہ

(اے نبی) آپ ان لوگوں کے متعلق ہرگز یہ خیال نہ کریں جو لوگ اپنے کئے سے خوش ہوتے ہیں۔ اور کیا کرایا تو کچھ نہیں (یعنی نیک اعمال و پابندی شرع تو نہیں اختیار کی' لیکن بدعات و منکرات کے خوب جی بھر کر مرتکب ہوتے رہے) اور اس پر چاہتے یہ ہیں کہ ان کی تعریف (وتعظیم) ہوتی رہا کرے" کہ یہ لوگ عذاب سے بچے رہیں گے بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

(قرآن پارہ ۴ سورۃ آل عمران رکوع ۱۹)

دراصل ان لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ نجات و فلاح کا دارو مدار صرف علم پر ہے' اس لئے انھوں نے علم ہی کو رواج دے کر اکثر مخلوقات خدا کو اپنے تہ خانہ علم کے آگے جھکا دیا' اور اپنی عزت و وقار کو برقرار رکھنے کے لئے محض علم ہی کا سکہ بٹھانے کی شب و روز کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس دام فریب میں بہت سی دنیا آ کر علم و ادب کی گرویدہ ہو کر انہی کی پرستار ہونے لگی اور خلیق و صاحب عمل و صلاح ارباب ایمان سے دلچسپی کم ہو گئی۔

لیکن قرآن نے ہمیشہ اہل تقویٰ و ارباب صلاح و اناب کی تعریف کی ہے' نہ صرف یہی بلکہ یہ بھی فرما دیا کہ ہدایت ونجات اور فلاح صرف متقین کے لئے ہو گی نہ کہ بے عمل علما کے لئے ورنہ ابلیس کو علم پر بڑا گھمنڈ تھا جسے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ پس تمام فائدے عملی کوششوں سے ہی ہوا کرتے ہیں جس کا دوسرا نام تقویٰ ہے۔ مثلاً ارشاد حق ہے کہ۔

یہ وہ کتاب ہے جس (کے کلام الہٰی ہونے) میں کچھ شک نہیں (اور صرف) پرہیز گاروں کی رہنما ہے۔

(قرآن پارہ اول سورۃ البقرہ رکوع اول)

اس سے معلوم و ثابت ہوا کہ ہدایت حق و فلاح ہر دو جہاں کے لئے صرف زہد و تقویٰ اور صلاح و اخلاق کی شرط ہے نہ کہ محض علم و ادب کی اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص ہوائی جہاز اور اٹن بم وغیرہ اعلیٰ قسم کے بنانے کے اصول و قواعد تو خوب جانتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ نے یہ توفیق نہیں دی کہ ان کو عملی شکل میں لا کر ظلم و کفر کے۔ ظلم آفریں و کفر ساز محلات اور قلعوں کو تباہ کر دکھائے۔ مگر دوسری طرف ایک شخص ایسے

اصول و قواعد تو نہیں جانتا۔ مگر تھوڑا بہت تجربہ رکھتے ہوئے ہمہ تن مصروف عمل ہو کر کسی حد تک جہاز اور بم تیار کر کے میدان عمل و ثبات اور معرکہ حق و باطل میں آ جاتا ہے۔

پس شریعت اسلامیہ میں اس موخر الذکر مرد مومن و منیب حق کی اطاعت کرنی فرض ہے ○ نہ کہ اول الذکر بے عمل انجنیئر و سائنس داں کی چنانچہ ارشاد حق ہے کہ

اور اس شخص کے راستے کی پیروی کر جو ہماری طرف کامل رجوع کرنے والا ہے۔

(قرآن پارہ ۲۱ سورۃ لقمان رکوع ۲)

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا متقی و منیب حق شخص ہی لائق تعظیم و تکریم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ

بیشک تم میں سے (سب سے) کریم (یعنی شریف و لائق تعظیم) اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہی ہے جو بہت پرہیز گار ہے۔

(قرآن پارہ ۲۶ سورۃ الحجرات رکوع ۲)

مختصر یہ کہ عالم باعمل شخص بہت افضل ہے بہ نسبت جاہل عابد کے لیکن بخلاف اس کے اگر محض علم ہی علم ہے اور تقویٰ نہیں تو پھر اس سے کہیں اعلیٰ و افضل وہ جاہل یا کم علم والا ہے جو متقی و خلیق اور صالح العمل ہے۔

علم را برتن زنی مارے شود
علم را بر جاں زنی یارے شود

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

جز محبت ہرچہ بردم سود در محشر نداشت
دین و دانش عرض کر دم کس چیزے برنداشت

حواشی و حوالہ جات

(۱) ترجمہ تفسیر ابن کثیر سورۃ التوبہ آیت مذکورہ بحوالہ مسند احمد و ابن جریر اور ترمذی جلد دوم کتاب التفسیر سورۃ التوبہ مطبع فیض ص ۳۷۲

(۲) تفسیر ترجمان القرآن بلطائف البیان جلد ۴ سورۃ التوبہ مطبع صدیقی ص ۳۴۴

(۳) جامع الترمذی جلد ۲ ابواب الایمان باب ماجاء ان الاسلام بدا غریباً ص ۲۳۴

(۴) رواہ احمد و الطبرانی ماخوذ از تذکرہ آزاد ص ۲۵۴

(۵) مسند احمد ماخوذ از تفسیر ابن کثیر پارہ ۱۵ سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۷

(۶) بخاری جلد اول کتاب بداء الخلق باب صفۃ ابلیس و جنودہ عن صفیہ بنت حی کرزن پریس ص ۴۴۴

(۷) تفسیر ابن کثیر جلد آخر سورۃ الناس بحوالہ ابو یعلی موصلی

(۸) سنن نسائی جلد ۲ باب الاستعاذۃ من شر شیاطین الانس جید پریس دہلی ص ۳۷۱

(۹) رواہ البیہقی ماخوذ از مشکوۃ باب العلم فصل ۲ عن انس ضعیف

(۱۰) تفسیر ابن کثیر آیت مذکورہ کی تفسیر پارہ ۲۲ سورہ فاطر

(۱۱) جامع ترمذی جلد ۲ کتاب العلم باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ عن کثیر ابن قیس مطبع فیض ص ۲۴۹ ابو داؤد جلد ۲ کتاب العلم باب فی فضل العالم عن کثیر بن قیس مجتبائی پریس ص ۱۵۷ و ابن ماجہ باب فضل العلماء و الحث علی طلب العلم عن کثیر ابن قیس مطبع نظامی ص ۲۰

فصل ہفتم

اقسام کفر

جس طرح ایمان و اسلام کے مدارج و مراتب ہیں بالکل اسی طرح کفرو نفاق اور فسق و الحاد کے بھی درجات د مناصب ہیں کوئی کم کوئی زیادہ اور کوئی متوسط ہے۔ لیکن سزا و عذاب کے دوام و بقا کا جہاں تک تعلق ہے وہ یکساں ہے۔ البتہ یہ فرق ضرور ہو گا کہ کفرابو طالب کی سزا۔ اور کفر ابو جہل وغیرہ کی سزا اور ہو گی یعنی کسی کو ہلکا عذاب دیا جائے گا اور کسی کو سخت یا سخت تر، مگر میعاد کے لحاظ سے سب برابر ہوں گے۔ واللہ اعلم

کفر و الحاد کی قسمیں یوں تو بہت سی ہو سکتی ہیں لیکن خصوصی طور سے جن کا شمار بنیادی طور پر ہو سکتا ہے وہ یہ ہیں۔

(ا) دہریت

یہ وہ ہے کہ اس کا مرتکب سرے سے زمین و آسمان د مافیہا کے خالق یا علت العلل کا ہی منکر ہوتا ہے اس کا خیال خام یہ ہوتا ہے کہ نظام عالم خود بخود چلتا ہوا بن اور بگڑ رہا ہے اس کا واحد مالک یا ڈرائیور کوئی نہیں جو اس کو اس طرح منظم طریقہ سے چلا رہا ہو۔ یہ کسی کی ماتحت نہیں ہے وغیرہ وغیرہ (العیاذ باللہ منہا) اسلام کے نزدیک اس سے بدتر کفرکوئی نہیں کیونکہ یہ پوری طرح کی حیوانیت ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ہے کہ وہ بھی اپنے مالک کو پہچانتے ہیں لیکن یہ فرقہ ضالہ ہی ہے جو اس قدر بڑے اور اہم و منظم نظام کے منتظم اعلیٰ و واحد کا منکر ہے۔

(۲) شرک

یہ اس سے کچھ کم ہے۔ مگر دوسری تمام اقسام سے بڑھ کر ہے۔ اس میں خدا کی ہستی و وجود کا تو قائل ہونا پڑتا ہے لیکن توحید کے خلاف دوسرے بہت سے ارباب اصاغر کا بھی گمراہانہ زعم لاحق ہو جاتا ہے اس کے مرتکب کہتے ہیں کہ جس طرح دنیاوی حکام و سلاطین

کے پاس رسائی حاصل کرنے کے لئے بہت سے ذرائع و وسائل اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ اور پھر جا کر بادشاہ وقت یا حاکم تک اپنے اغراض و مطالب پہنچاتے ہیں اسی طرح خدائے اکبر تک رسائی حاصل کرنے کے لئے وسیلوں کی ضرورت ہوتی ہے اور بغیر ان سفارشیوں کے مطلب براری اور کامیابی تقریباً نا ممکن ہوتی ہے گویا ان کے نزدیک جس طرح شاہان دنیا عالم الغیب نہ ہوتے ہوئے ہماری مرادوں کی سماعت سے محروم ہوتے ہیں اور پھر وسیلوں کے بعد ہماری فریاد رسی ہوتی ہے۔ اسی طرح خدائے اکبر بھی ہے (نعوذ باللہ منہا) کہ جب تک سفارشی نہ پکڑے جائیں اس وقت تک اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے وہ ہماری آرزوں اور فریادوں سے نا آشنا اور بے خبر ہے گویا وہ نہ علیم و خبیر ہے اور نہ ہی سمیع و بصیر ہے۔

اس کفر کا علاوہ دیگر مذاہب عالم کے خود توحید کے قائل کلمہ گو مسلمان در حقیقت نام نہاد مسلم بھی نہایت کثرت سے ارتکاب کر رہے ہیں۔ ہاں فرق اتنا ضرور ہے کہ وہ اسلامی لباس پہن کر اسلامی توحید کو خراب نہیں کر رہے بلکہ کھلم کھلا خدائے اکبر کے ساتھ چھوٹے خداؤں کے بت بنائے بیٹھے ہیں۔ اور یہ مسلمان لباس کفر پھینک کر اسلامی لباس میں ملبوس ہو کر توحید اسلام کو پارہ پارہ کر رہے ہیں بالفاظ دیگر مار آستیں بن کر ان اسلامی بنیادوں کو متزلزل کر رہے ہیں جو براہ راست کفار مطلق بھی نہ کر سکتے تھے۔ گھر کا بیدی لنکا ڈھائے کے مصداق ہو کر مشرکوں کو خدمات شرکیہ کو بطریق احسن انجام دے رہے ہیں۔ اور اپنا نام مسلمان رکھ کر کھلے شرک سے بچ کر چلنے میں توحید سمجھ رہے ہیں۔

گلہ جفائے وفا نما جو حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو صنم بھی کہہ دیں ہری ہری

حالانکہ اس شرک و کفر کے ادنٰی مرتکب کی بھی ہرگز نجات و بخشش نہ ہو گی گو ہزار کلمہ گو اور صوم و صلوۃ کے پابند ہی کیوں نہ ہوں۔ بہر کیف یہ سب لوگ مشرک و کافر ہیں۔

اس قسم دوم میں ایک یہ بھی ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس قدر بڑی دنیا کا نظام ایک ہستی کے بس کی بات نہیں لہٰذا خدائے اعظم کے مدد گار دوسرے ارباب بھی ضرور ہیں جو سب مل کر اس مشینری کو چلا رہے ہیں اس میں ایک خاص قسم یہ ہے کہ خدائے

واحد کے ساتھ جسمانی شراکت پیدا کی جائے۔ مثلاً اس کے بیٹے یا بیٹیاں یا بیوی وغیرہ ثابت کی جاوے العیاذ باللہ منہا جیسے یہود و نصاریٰ نے خدائے وحدہ لاشریک لہ کے بیٹے اور بیویاں خیال باطل سے بنا رکھی ہیں یہ اشراک باللہ ناقابل معافی گناہ اکبر ہے اس سے توبہ کرنی لازم ہے ورنہ ہلاکت ہے۔

(۳) نفاق

اس میں تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو خدائے واحد کی ہستی کا انکار کرتے ہوئے دنیاوی مصائب سے بچنے کی خاطر ظاہرا اقرار حق تعالیٰ کرتے ہیں۔ مگر ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو کسی مذہب کے اندر رہتے ہوئے خدا تعالیٰ پر کسی حد تک یقین تو رکھتے ہیں مگر شوکت اسلام سے مرعوب ہو کر اپنا آبائی مذہب چھپا کر مسلمان ہو جاتے ہیں جو بباطن کافر اسلام اور بظاہر مدعیان دین و ایمان ہوتے ہیں۔

اس قسم کے منافقین کا ظہور جب ہوتا ہے کہ اسلام اوج فلک پر سورج کی طرح چمکتا ہوا دنیا کو منور و مستفید کر رہا ہو' اور دیگر مذاہب ملیامیٹ ہو رہے ہوں۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو اسلامی اصول و عقائد کا سطحی اقرار کرتے ہوئے اپنے تئیں مسلمان خیال کرتے ہیں۔ لیکن وہ عموماً" سستی و کاہلی یا خواہش نفس و ماحول سے دبکر اکثر فرائض و واجبات اور ایثار و قربانی میں کام چور ہوتے ہیں یعنی اسلامی احکام کی پابندی کرنے میں لیت و لعل یا زبردستی جرم خیال کرتے ہیں۔ اس کا نام نفاق فی العمل اور اس سے پہلے کا نفاق فی العقائد ہے۔ بہر حال دونوں لعنتی اور مستحق عذاب الخلد ہیں۔ اس قسم کے عملی منافق ہمیشہ اور ہر وقت ہوتے ہیں ان کے وجود نامسعود کے لیے کسی خاص وقت یا عہد کی تخصیص کی ضرورت نہیں بلکہ قیامت تک ان کی اکثریت رہے گی جن سے مذہبی قطع تعلق کرنا فرض عین ہے۔ جس کی تشریح حصہ چہارم میں ملے گی۔

(۴) تکذیب یا تفریق بین الرسل

اس کفر کی تعریف یہ ہے کہ بعض انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو تسلیم کیا جاویں اور پھر صرف انہی کے مذہب میں رہ کر اس حد تک غلو کیا جاوے کہ بعض دوسرے حضرات

انبیاء کرام جو اس وقت کے ضروری اور نامناسب حالات کو سنوارنے کے لیے مبعوث ہوئے ہوں ان کی تکذیب کی جاوے یا تحقیق کرنی تو درکنار کہ ان کی حق و صداقت کی تعلیم اور اس کے مبلغین کو مختلف مظالم کا نشانہ بناتے ہوئے قتل و غارت تک کے منصوبے گھڑے جاوے جیسے کہ حضرت محمد رسول اللہ (جو خاتم الانبیاء) ہیں جن کے بعد کسی قسم کا ظلی و بروزی نبی نہیں آ سکتا کے ساتھ ہوا۔ یا اپنے وقت کے ہر رسول برحق کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ یعنی بعض کی تصدیق اور بعض کی تکذیب یا کسی کی توقیر اور کسی کی توہین کی جاوے۔ یہ کفر بھی بہت سخت ہے' لہذا تمام اہل جماعت اسلامیہ کو لازم ہے کہ وہ گذشتہ (جو رسول کریمؐ تک گزر چکے ہیں ان) انبیاء کرام کو برحق یقین کرتے ہوئے سب کا یکساں احترام کریں۔ کسی ایک پیغمبر کی محبت میں آ کر دوسرے حضرات کی شان میں کمی یا نقص وغیرہ ثابت کرنے کے لیے زبان درازی نہ کریں۔ لیکن جو فضیلت و شرف خدائے برتر کی طرف سے کسی رسولؐ یا نبیؐ میں ثابت ہو اس پر کماحقہ' ایمان رکھنا چاہیے۔

(۵) فسق

اس کفر کی بھی کئی قسمیں ہیں ایک یہ کہ مذکورہ بالا اقسام میں سے کسی کا مرتکب بھی ہو جاوے تو اس وقت بھی اس کا استعمال ہو سکتا ہے۔ دوم یہ کہ اعتقاداً تو اسلام کے جملہ اصول و احکام تسلیم کیے جاویں۔ مگر نفسانی خواہشات سے مغلوب ہو کر شرعی اوامر و نواہی کا عملی پاس نہ رہے' یعنی گاہے بگاہے ان کا ارتکاب ہوتا رہے۔ لیکن جو مسلمان باقتضائے بشریت کبھی کبھار ممنوعات شرع کا مرتکب ہو کر پھر صحیح معنوں میں توبہ کر کے آئندہ نیک عملی کا ثبوت دیتا رہے تو ایسا شخص واحد غفور الرحیم کی بخشش کا مستحق ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔ کیونکہ جو لوگ عموماً" منہیات شرع کا ارتکاب کر کے نفسانی جذبات کو فروغ دیتے ہوئے ارکان اسلام کو نہ صرف سست بلکہ منہدم کر رہے ہیں وہ قطعاً" جماعت اسلامیہ کے ممبر نہیں ہو سکتے بلکہ وہ ابدی جہنم کے مستحق ہوں گے اور ان کی کسی قسم کی شفاعت وغیرہ نہ ہو گی۔ اور نہ وہ اس قابل ہیں کہ انہیں مسلمان سمجھا جائے۔ کیونکہ وہ اہل ہوا و بدع ہیں اور مسلمان ہرگز ہوا پرست نہیں ہو سکتا وہ صرف خدا پرست ہی ہو گا۔

کفر مطیع نفس و خیال و اثام ہے
مومن فقط اوامر حق کا غلام ہے

سوال

اس مقام پر اگر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کی رو سے تو اس شخص کو بھی کافر نہیں کہہ سکتے جو صرف مسلمان کا سا سلام کیا کرے چہ جائے کہ صوم و صلوٰۃ کے پابند مسلمان کو محض کبائر کے بلااصرار مرتکب کو کافر یا خارج از اسلام سمجھا جائے اور وہ آیت یہ ہے۔

> اور تم اس شخص کو جو تمہاری طرف اسلام علیک کرے یہ نہ کہو کہ تو مومن (یا مسلمان نہیں)
>
> (قرآن پارہ ۵ سورۃ النساء رکوع ۱۴)

علاوہ ازیں ایک حدیث بھی ہے کہ کسی مسلمان کو محض بد عملی یا شرعی نافرمانی کے باعث کافر نہ کہا کرو اور وہ حدیث یہ ہے کہ :

> حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین چیزیں ایمان کی جڑ ہیں۔ ایک یہ کہ زبان کا بند رہنا اس شخص سے جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا ہو۔ اس کو کسی گناہ کے باعث کافر نہ کہنا۔ اور نہ اس کو کسی بد عملی سے اسلام سے خارج کرنا۔ دوم یہ کہ جہاد جاری رہنے والا ہے جیسے مجھے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا حتیٰ کہ اس امت کے آخری لوگ دجال سے جہاد کریں گے یعنی اس کو قتل کریں گے اس جہاد کو نہ ظالم کا ظلم موقوف کرے اور نہ عادل کا عدل اور سوم یہ کہ ایمان لانا ہے تمام تقدیروں پر(۱)

جواب

ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ آیت مذکورہ کی حقیقت کو نہ سمجھتے ہوئے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ صرف علیک سلیک کرنے والا بھی ہرگز خارج از اسلام نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح حدیث سے بھی غلط استدلال ہوا ہے پہلے ہم آیت کریمہ کی حقیقت کو واضح کرتے ہیں اس

کے بعد حدیث پر روشنی ڈالیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب کہ صحابہ کی ایک جماعت سریہ یعنی معمولی لڑائی سے واپس آ رہی تھی تو ایک شخص بکریوں کا ریوڑ چراتا ہوا ملا پھر جب اسکو مسلمان ملے تو اس نے دیکھ کر السلام علیکم کہا۔ انہوں نے اسے (منافق سمجھ کر) قتل کر دیا۔ اور پھر اس کا ریوڑ لے کر چل دیئے۔(۲)

دوسری روایت میں یہ ہے کہ وہ شخص قبیلہ بنی سلیم سے تھا۔ اور چند اصحاب رسول پر اس کا گزر ہوا اور اس کے پاس اس وقت اپنی بکریاں تھیں تو اس نے صحابہ کو سلام کیا صحابہ نے آپس میں کہا کہ یہ شخص دراصل کافر ہے۔ مگر سلام اس غرض سے کیا کہ اپنے آپ کو مسلمان ثابت کر کے پناہ لے لے۔ پس وہ کھڑے ہو گئے اور اسے قتل کر کے اس کی ساری بکریاں لے کر رسول کریم کے پاس لے آئے تو یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔

مذکورہ بالا دونوں احادیث نبوی آیت زیر بحث کی شان نزول ہیں اور یہ اصلیت واضح کر رہی ہیں کہ اس آیت میں صرف علیک سلیک کرنے والے کو مسلمان خیال کر کے قاتلانہ حملہ نہ کرنا حالت سفر مراد ہے۔ کیونکہ سفر میں جو مسافر راہ میں ملا ہے تو وہ صرف سلام کر کے آگے چل دیتا ہے تو ایسی حالت میں بلا تحقیق کیے کسی کو کافر یا خارج از اسلام قرار دینا غلط قدم ہے۔ مگر حالت حضر میں جب ایک شخص کے کافرانہ اعمال بخوبی معلوم ہوں اس کو مسلمان خیال کرنا کہاں کا انصاف اور کہاں کی قرآنی صداقت ہے۔ لہٰذا آیت کا پورا مطلب سمجھ کر استدلال کرنا چاہیے نہ کہ بغیر سمجھے بوجھے لیجئے اب پوری آیت نقل کی جاتی ہے۔ تاکہ شان نزول کے ساتھ ساتھ قرآنی الفاظ پر بھی غور و تدبر کر کے حقیقت تلاش کی جاوے۔ اور بس چنانچہ ارشاد باری ہے کہ

> اے مسلمانو! جب تم اللہ کی راہ میں (لڑنے کے لیے زمین پر) چلو (یعنی باہر نکلو) تو پہلے تحقیق کر لیا کرو (کہ کس سے قتل کرنا ہے) اور جو تم کو سلام کرے اس کو غیر مسلم نہ سمجھا کرو کیا (اس کو غیر مسلم قرار دے کر) دنیاوی مال و متاع حاصل کرنا چاہتے ہو؟ حالانکہ خدا کے ہاں بہت سی جائز نعمتیں موجود ہیں (وہ تلاش کرو) ہاں اس سے قبل تو تم بھی ایسے ہی تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر فضل و احسان کر

(کے خوش حال و مومن بنا دیا) پس (تکفیر یا قتل و جہاد کرتے وقت) پہلے اچھی طرح (معلومات و) تحقیقات کر لیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے ○

(قرآن پارہ ۵ سورۃ النساء رکوع ۱۴)

پس آیت کریمہ اور اس کی شان نزول والی احادیث پر غور و تدبر کرنے سے بلا تامل حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ کسی کو کافر یا مسلمان سمجھنے کے لیے سیاق و سباق قرآنی پر بھی نظر ڈال لینی چاہیے، اور پھر فیصلہ دینا چاہیے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ ہمارے مخالفین کا استدلال کہ "صرف سلام کرنے والے کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے" بالکل بے بنیاد اور فطرت اسلام و صداقت قرآن کے سراسر خلاف ہے۔ اس لیے اس کا رد کرنا خدام اسلام کا اولین فرض ہے۔

جواب دوم

رہی حضرت انس والی حدیث جس میں ہے کہ صرف لا الہ الا اللہ زبان سے کہنے والے کو کسی صورت میں بھی کافر نہیں کہنا چاہیے، خواہ وہ کتنا ہی فسق و فجور اور منہیات شریعت کا بالاصرار ارتکاب کرتا رہے۔ گویا محض زبان سے نصف کلمہ طیبہ (لا الہ الا اللہ) ادا کرنے والے کو ایسا ٹکٹ مل گیا ہے کہ اب وہ ساری عمر میں کوئی نیکی اور تقویٰ وغیرہ نہ کرے تو بھی وہ نہ کافر ہے نہ خارج از اسلام، اور نہ وہ ابدی جہنم کا مستوجب۔

تو اس میں یہ دیکھنا ہے کہ یہ حدیث کہاں تک عقل سلیمہ و علم ہدایت اسلام کے رو سے صحیح اور قابل حجت ہے کیونکہ اس میں اولاً یہ نہیں کہ جو پورا کلمہ طیبہ ادا کرے بلکہ نصف کلمہ ہے، تو اگر یہ حدیث، حدیث رسول ہے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ مخلوقات عالم میں جو لوگ خدا کی ہستی کے قائل ہیں وہ سب کے سب اسلام میں داخل ہیں اب وہ خواہ کتنی ہی نفس پرستی کرتے رہیں کافر نہیں ہو سکتے۔

دوم

یہ کہ اگر مخالفین یہ جواب دیں کہ اس حدیث میں جو صرف "لا الہ الا اللہ" آیا ہے۔

اس سے مراد پورا کلمہ طیبہ ہے۔ کیونکہ دوسری احادیث سے ثابت ہے کہ جو شخص خدا کی توحید اور محمد علیہ الصلوۃ والسلام کی رسالت کا قائل ہو وہ مسلمانی میں داخل ہو چکا ہے' اب ایسے شخص کو کبائر کے ارتکاب کے باعث کافر و مرتد کہنا ناجائز ہے۔

تو ہم کہتے ہیں کہ پھر ہم بھی دوسری احادیث صحیحہ کی روشنی میں اس کی تحقیق کریں گے کہ آیا حضور اکرمؐ نے کسی کلمہ گو مسلمان کو کسی جرم کی پاداش میں کبھی اپنی زبان پاک سے خارج از اسلام و کافر بے دین کہا ہے یا نہیں اگر نہیں کہا تو ہم بھی نہ کہیں گے۔ اور کہا یا جماعت اسلامیہ سے خارج بتایا' یا اس کو واجب القتل قرار دیا تو ہم بھی ایسا ہی کریں گے' ورنہ ایمان درست نہ ہو گا۔ کیونکہ ایک شخص مسلمان جب ہی ہو سکتا ہے جو اپنے ارادوں اور قولوں کو خدائے واحد اور رسول برحق کے ماتحت استعمال کرے گا۔

اب ہم متنازعہ فیہ حدیث کے کلمہ لا الہ الا اللہ کے متعلق عرض کرتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو ثابت ہو گا کہ ہر وہ شخص جو خداتعالیٰ کی ہستی کا اقرار کرے وہ مسلمان ہے' اور اس کا خون کرنا' مال و اسباب لوٹنا وغیرہ قطعاً" حرام ہے۔ گویا وہ امن اسلام میں آگیا ہے۔

تو دیکھنا یہ ہے کہ ایسے کلمہ گو لوگوں کے ساتھ خود رسول برحق کا کیا طرز عمل رہا اور ایسے لوگ خدائے احکم الحاکمین کے نزدیک کیا حیثیت رکھتے ہیں؟

اس مسئلہ میں سب سے پہلے شیطان لعین پر نظر پڑتی ہے کہ آیا وہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا قائل ہے یا نہیں اگر ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ کافر و ملعون اور ابد الاباد تک رسوائی و عذاب و الیم کا مستحق ہے یا نہیں؟ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ خدائے واحد کا تو بجائے خود قائل ہے جیسا کہ بارہا قرآن مجید میں مذکور ہے' بلکہ وہ خدائے قہار سے ڈرتا بھی رہتا ہے۔ مثلاً ارشاد ہے کہ

> (ان منافقوں کی مثال) شیطان کی سی مثال ہے کہ وہ انسان کو کفر کی تعلیم و تلقین کرتا رہتا ہے' پھر جب وہ کفر کر لیتا ہے تو شیطان اس کو کہتا ہے کہ میں تجھ سے بیزار ہوں۔ کیونکہ میں تو رب العالمین سے ڈرتا رہتا ہوں ○
>
> (قرآن پارہ ۲۸ سورۃ الحشر رکوع ۲)

جواب سوم

یہ کہ حضرت محمد رسول اللہ کے وقت جو لوگ موجود تھے خواہ وہ اہل کتاب تھے یا مشرک۔ وہ خدائے اکبر کے قائل تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تو خیر۔ اور اگر تھے جیسے کہ ان کے اعمال اور زبانی اقرار کے علاوہ خود کلام اللہ شریف میں بھی متعدد آیات سے ثابت ہے تو پھر ان کو رسالت مآبؐ نے کیا سمجھا؟ آیا انہیں مذکورہ بالا حدیث کے رو سے مسلمان خیال کرتے رہے۔ یا کافر و مشرک اور واجب القتل؟ تو جواب صاف ہے کہ ان کلمہ گو لوگوں کو نہ حضور نہ مسلمان سمجھا اور نہ ہمیں اس کی تعلیم دی۔ بلکہ آپ کا عملی حکم یہ تھا کہ وہ کافر و اعدائے اسلام اور وہ حلال الدم و مال تھے' چنانچہ آپ نے ان سے اکثر کے ساتھ جہاد کر کے ہمیں عملی سبق دے دیا جیسا کہ معلوم ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ حدیث قول رسول نہیں ورنہ ان سے جہاد و قتل نہ کیا جاتا۔ مزید براں محدثین حضرات نے بھی اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔(۳) لہٰذا اس کی تحقیق کر کے پھر استدلال کرنا چاہیے ورنہ ضعیف حدیث سے اس قدر پختہ استدلال کرنا پرلے درجہ کی جہالت ہے۔

جواب چہارم

یعنی مخالفین کے اس سوال کا کہ دوسری احادیث کے رو سے کلمہ لا الہ الا اللّٰہ سے مراد مکمل کلمہ طیبہ یعنی لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ حدیث' حدیث رسول نہیں (بلکہ منافقین کی بناوٹی حدیث ہے جیسی کہ لاکھوں اور ثابت ہو چکی ہیں) جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے۔ کہ وہ اسلامی روح اور تعلیم رشد و ہدایت کے بالکل منافی ہے بلکہ بد عملی اور فسق و فجور کا منبع ہے۔ ہاں حدیث مذکورہ میں باقی دو اصول کہ جہاد ہمیشہ جاری رہے گا اور تقدیر پر ایمان لانا قرآن میں تو ثابت نہیں البتہ دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے جس سے فی الحال کوئی بحث نہیں۔ مگر جہاد والا اصول صحیح ہے۔

پھر ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اگر مذکورہ بالاحدیث صحیح ہے (جو سر تاپا قرآنی تعلیم کے خلاف ہے) تو پھر آپؐ نے مندرجہ ذیل ارشادات کیوں فرما کر ہمیں تعلیم دے دی جو عین روح اسلام اور تعلیمات قرآنی کے جواہر ہیں اور یہی ہمارے جوابات بھی ہیں مثلاً

حضرت شریح کہتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ کا ارشاد گرامی ہے کہ خدا کی قسم (وہ) مومن نہیں' خدا کی قسم (وہ) مومن نہیں' خدا کی قسم (وہ) مومن نہیں۔ پوچھا گیا یارسول اللہ وہ کون ہے۔ (جو مومن نہیں ہے) فرمایا جس کا پڑوسی اس کی تکلیف سے غیر مامون (یعنی بے چین) ہو۔(۴)

پھر آپ فرماتے ہیں کہ

وہ مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھالے اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہے۔(۵)

تیسری حدیث میں ارشاد ہے کہ

جو شخص کسی ظالم کے ساتھ (صرف) چلے تاکہ اس کی اعانت و مدد کرے دراں حال یہ کہ وہ جانتا ہو کہ یہ ظلم کرنے والا ہے تو بے شک وہ (محض امداد کرنے سے) اسلام سے خارج ہو گیا۔(٦)

یہ حدیث نہایت ہی عبرت انگیز ہے کہ ایک شخص خود تو ظالم نہیں مگر ظالم کا مددگار ہونے کی وجہ سے خارج از اسلام کیا جاتا ہے' لیکن جو بذات خود ظالم ہے وہ کس اشد درجہ کا کافر و بے ایمان ہو گا۔ علاوہ ازیں یہ بات نصیحت کے قابل ہے کہ فی زمانہ کس کثرت سے لوگ اپنے دوستوں کے تعلقات سے مجبور ہو کر ان کی امداد ظلم و فساد و منکرات میں کرتے رہتے ہیں اور ذرہ بھر خوف خدا نہیں کرتے۔ تو یہ لوگ اس حدیث کے رو سے کیا ہوئے۔ اسی سلسلہ میں ایک اور حدیث قابل غور و عبرت ہے۔ جس میں رسول کریم فرماتے ہیں کہ

جس نے سلطان (یعنی حاکم و بادشاہ) کو کسی ایسے امر میں راضی کیا جس میں اس کا پروردگار ناراض ہوتا ہو تو وہ اللہ کے دین سے خارج ہو گیا۔(۷)

چوتھی حدیث میں ارشاد ہے کہ

جب کوئی زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں رہتا' اور جب چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں رہتا' اور جب شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں رہتا' پس جب ایسے کام کیے تو اس نے حلقہ اسلام کو اپنی گردن سے نکال ڈالا۔ (یعنی" خارج از اسلام ہو گیا) لیکن اگر پھر وہ صحیح توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔(۸)

یہاں توبہ سے مراد سزا بھگتنا ہے۔ نہ کہ محض زبانی توبہ کیونکہ قرآن میں جن کبائر کے متعلق حد آ چکی ہے ان کی توبہ اس دنیا میں سزا ہے' اس کی تفصیل اور مکمل دلائل اس کتاب کے تیسرے حصے کے حقیقت زنا و لواطت میں ملے گی وہاں دیکھ لیجئے گا۔

پانچویں حدیث میں ارشاد ہے کہ

اور جان بوجھ کر (یعنی باوجود علم کے) نماز ترک نہ کرو' پس جس نے اس کو ترک کیا (یعنی نہ پڑھا) تو بے شک وہ ملت (اسلام) سے خارج ہو گیا۔(۹)

چھٹی حدیث میں ارشاد ہے کہ

(اے مسلمانو!) میں تمہیں ان پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم مجھے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے (تاکہ ان کی تعمیل کی جائے) اول۔ جماعت (کا التزام اور اس کی اطاعت) کا دوم۔ اور (امیر جماعت کا حکم) سننا سوم۔ اور (امیر جماعت کی) اطاعت کرنا چہارم۔ اور (امیر جماعت کے حکم سے) ہجرت کرنا پنجم۔ اور (بحکم امیر جماعت) راہ خدا میں جہاد کرنا۔ اور بے شک جو شخص جماعت (اسلامیہ) سے خارج ہو گا برابر ایک بالشت کے (یعنی ساعت بھر بھی) تو یقیناً" اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال پھینکی۔ مگر یہ کہ پھر (توبہ کر کے) واپس آ جائے۔ اور جس شخص نے (نظام اسلامیہ و پابندی جماعت کی جگہ) جاہلیت کی (آزادی و بے قیدی کی) دعوت دی تو وہ شخص جہنمی ہے۔ اگرچہ ایسا شخص روزہ رکھتا ہو' اور نماز پڑھتا ہو' اور اپنے آپ کو دل میں مسلمان بھی خیال کرتا ہو۔ باوجود ان سب باتوں کے وہ اسلام سے خارج ہے۔(۱۰)

ساتویں حدیث نبوی میں ارشاد ہے کہ

منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ ایک یہ کہ جب بات کرے تو (بسا اوقات) جھوٹ بولے۔ دوسرے یہ کہ جب وعدہ کرے تو خلاف کرے۔ تیسری یہ کہ جب امین مقرر کیا جائے تو خیانت کرے۔ اگرچہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور اپنے آپ کو دل میں مسلمان بھی خیال کرے (مگر جب ایسی حرکات کا گاہے بگاہے ارتکاب کرتا رہے تو وہ پورا اور پکا منافق ہے۔(۱۱)

آٹھویں حدیث نبوی میں ارشاد ہے کہ

اسلام کے مضبوط حلقے اور دین کی پختہ بنیادیں تین چیزیں ہیں جن پر اسلام کی اساس قائم ہے جو ان میں سے کسی ایک کو بھی (عملاً) چھوڑ دے تو وہ صریح کافر باللہ ہے اس سے کوئی مال اور معاوضہ (نفل و فرض وغیرہ) قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور بالتحقیق اس کا خون اور مال حلال ہے ایک یہ کہ خدائے واحد کی شہادت دینا۔ دوسرے یہ کہ فرض نماز تیسرے یہ کہ رمضان کے روزے۔(۴)

پس یہی وہ احادیث نبوی ہیں جن سے یہ امر نہایت صراحت سے ثابت ہو گیا کہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد بھی کفر صریح کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ بلکہ بارشادات نبوی اسلام سے بھی مطلق خارج ہو سکتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث میں خود حضور پاک نے کسی کو کسی کے جرم کے باعث ملت کے خارج ہونے سے تعبیر کیا ہے اور کسی کو اسلام سے' اور کسی کو غیر مسلم کے لفظ سے یاد کیا ہے اور کسی کو منافق و کافر باللہ سے۔ بہرکیف ان لوگوں کی بالتصریح تردید ہو گئی ہے جو کہتے ہیں کہ کسی کلمہ گو کو خواہ وہ کچھ ہی کرتا رہے کافر یا خارج از اسلام نہیں کہنا چاہیے۔ اس قسم کی آیات و احادیث کی جامع حقیقت دیکھنی ہو تو اسی کتاب کا چوتھا حصہ اور ''حقیقت ترک کذب و بطالت و اختیار حق و صداقت'' میں حقیقت انقطاع میں دیکھ کر تشفی کر لیجئے گا۔

کیا خوب کسی نے ان کا اور ان کے اعتقادی اسلام کا مذاق اڑا کر حقیقت بیان کی ہے کہ

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر — گرے آگ پر بہر سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر — جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جسکی چاہیں

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں — اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ جا جا کے مانگیں دعائیں — شہیدوں پہ دن رات نذریں چڑھائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ ایمان بگڑے نہ اسلام جائے

تلخیص المباحث

قصہ مختصر یہ کہ اگر کسی شخص نے اسلام کے بنیادی اصول و یقینیات و اعمال دونوں پر قرآن و حدیث کے مطابق عمل کر دکھایا تو وہ اس دنیا میں بھی جماعت اسلامیہ میں شامل ہے اور بفضلہ تعالیٰ قیامت میں بھی عذاب الہیٰ سے بچ کر خدائی انعامات و اکرامات کا مستحق ہو جائے گا۔

اور اگر جس نے اسلامی یقینیات کو تو دل سے قبول نہیں کیا لیکن مصالح دنیا کے پیش نظر ظاہری صوم و صلوٰۃ کی پابندی کرلی تو وہ لامحالہ ظاہری طور پر منافقین کی طرح مسلمانوں میں شمار ہو کر حقوق اسلامی سے بھی متمتع ہو سکتا ہے۔ مگر آخرت میں جنات النعیم سے محروم ہو کر خدائی لعنت و مختلف عذابوں کا مستوجب ابدالاباد تک رہے گا۔

کیونکہ اسلام و ایمان نہ صرف اعتقادات و یقینیات کا مجموعہ ہے اور نہ محض اعمال و افعال کا۔ بلکہ ان دونوں کے باہمی اجتماع و اتحاد عملی کا نام دین اسلام ہے۔

اور اگر کسی نے یقینیات و معتقدات اسلام کا دعوئے ایمان تو کر لیا لیکن اپنے دعوے کے مطابق اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ کا حامل نہیں ہوا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کو شیطانی دھوکا لاحق ہوا ہے۔ اور یہ کہ وہ محض سطحی اعتقادات کا حامل ہے نہ کہ حقیقی یقینیات کا جن کا ثبوت خاص اتباع خدا اور رسول ہے۔ اس لئے ایسا شخص بھی قرآن و جماعت اسلامیہ کے نزدیک مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں۔ بلکہ عذاب الخلد کا حقدار ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حواشی و حوالہ جات

(۱) سنن ابو داؤد جلد ا کتاب الجہاد باب فی الغزوۃ مع ائمۃ الجور مجتبائی پریس ص ۳۵۰
(۲) صحیح بخاری جلد ۲ پارہ ۱۸ کتاب التفسیر الفرقان باب قولہ ولاتقولوا لمن القی الیکم السلام لست مومنا۔ سورۃ النساء عن ابن عباس کرزن پریس ص ۶۶۰
(۳) دیکھو جامع الصغیر للسیوطی جلد اول حرف الثاء مطبوعہ مصر ص ۱۱۴
(۴) بخاری جلد ۲ کتاب الادب باب اثم من لایامن جارہ بوالقہ کرزن پریس ص ۸۸۹ عن ابن شریح۔
(۵) رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن ابن عباس از مشکوۃ مترجم جلد ۳ باب الشفقۃ۔ فصل ۳ ص ۴۰۷
(۶) رواہ الطبرانی عن ثمران . بمن عزا از ترجمہ تفسیر ابن کثیر سورۃ المائدہ رکوع ا پارہ ۶
(۷) المستدرک حاکم جلد ۴ کتاب الاحکام باب لعن رسول اللہ الراشی و المرتشی عن جابر مطبع دائرۃ المعارف ص ۱۰۳
(۸) سنن نسائی جلد ۲ کتاب قطع السارق عن ابی ہریرۃ جید برقی پریس ص ۲۲۰
(۹) رواہ الطبرانی و محمد بن نصر مروزی فی کتاب الصلوۃ عن عبادہ بن الصامت ماخوذ از الترغیب و الترہیب جلد ا کتاب الصلوۃ باب الترہیب من ترک الصلوۃ تعمدا الخ مطبوعہ مصر ص ۱۴۳
(۱۰) جامع الترمذی جلد ۲ ابواب الامثال باب ماجاء مثل الصلوۃ و الصوم حارث الاشعری مطبع فیض ص ۲۹۶ و المستدرک حاکم جلد اول کتاب العلم باب من فارق الجماعۃ قید شبر مطبع دائرۃ المعارف ص ۱۱۷ و مسند ابی داؤد طیالسی' الجزء الخامس مطبع دائرۃ المعارف ص ۱۵۹
(۱۱) صحیح مسلم جلد ا کتاب الایمان باب خصائل المنافق عن ابی ہریرہ و عن العلاء مطبع علیمی ص ۵۶ و مسند ابی عوانہ جلد فصل المنافقین عن ابی ہریرہ مطبع دائرۃ المعارف ص ۲۱
(۱۲) رواہ ابو یعلی و سعید بن زید عن ابن عباس ماخوذ از الترغیب و الترہیب جلد ا الترہیب من ترک الصلوۃ تعمداً مطبوعہ مصر ص ۱۹۶

آمدم بر سر مطلب

ہمیں ورق کہ سیاہ گشت مدعا اینجا است

مذکورہ بالا اوراق میں جو کچھ سپرد قلم کر کے معرض قرطاس پر پیش کر چکے ہیں۔ اس کا مقصد ایک اور صرف ایک ہے کہ انسان پھر سے کیونکر اپنے مقصد زندگی یاراز حیات کو تلاش کر سکتاہے۔ اس لئے اس سے قبل یہ ثابت کرنا ضروری تھا کہ آپ ہی کیا جس کی خاطر یہ تمام کائنات یہ رنگ و بو' یہ لیل و نہار' یہ ساز و زینت' اور جن و انس وغیرہ وغیرہ کتم عدم سے منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ چنانچہ بخوبی معلوم ہو گیا کہ یہ سب کچھ صرف اور صرف حسن عمل' اطاعت حق و صداقت' تکمیل انسانیت' اور خلاق ارض و سما کی پرستش کے لئے ہوا اور بس۔

چنانچہ اسی مقصد وحید کے انجام و اتمام کے لئے تمام انبیائے کرام مبعوث کئے گئے۔ حتی کہ سب سے آخر میں سردارالرسل' خاتم النبین' حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور یہ اعلان فرمایا کہ میں تو صرف اخلاق فاضلہ کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوا ہوں لہذا آپ نے ساری عمر اطاعت حق و صداقت و اتمام اخلاق و عمل میں صرف کر دی' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو ایک پاکباز جماعت صحابہ کرامؓ مل گئی جنھوں نے آپ کے اس مقصد میں اپنے جسم و جان کو اینٹ روڑا اور خون ناب کو پانی کی جگہ پر بہا دیا' جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ حق سے باغی و سرکش دنیا پر دین اللہ کا علم انسانیت لہرانے لگا' چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ والوں کی جماعت اسلامیہ کا سکہ مرکز کفر و ضلالت پر بیٹھ گیا۔

یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ تو اس کا جواب سوائے اس کے دوسرا کوئی نہیں کہ انہوں نے قرآن کی روشنی میں راز حیات پا لیا تھا' پھر اس کو حاصل کرنے اور انجام تک پہنچانے کے لئے ہر قسم کی جانی و مالی قربانی عملاً" پیش کی۔ کیونکہ اسلام سرتاپا قرآن کی روشنی میں عمل و اخلاق کا نام ہے۔

مگر بعد میں اس حقیقت اسلامی و روح قرآنی کو اعتقادات کی الجھنوں میں الجھا کر مسخ بلکہ مفقود کر دیا گیا' جس کا نتیجہ ذلت و رسوائی اور فسق و فجور کے اڈوں میں نامرادی و ناکامی

اور کفر و ضلالت کے بازاروں میں نہایت ہلاکت انگیز نکلا' جس کی تشریح کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہر کس و ناکس کو بخوبی علم و عرفان ہے۔

پس اب پھر سے اس تیرہ و تاریک و پراز لہو و لعب اور بد عمل و بداخلاقی کے دور میں جماعت اسلامیہ نے صدر اول کے طرز عمل پر اسلام اور اس کی حقیقت کو پیش کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے چنانچہ اس کی صورت یہی بتائی کہ ایمان و عمل دو الگ الگ چیزیں نہیں' اگر عمل و اخلاق اچھا ہے تو ایمان اور نجات و فلاح اخروی ہو گی۔ اور اگر نہ عمل ہے نہ اخلاق تو ہرگز نہ یہ ایمان ہے اور نہ نجات دنیا ہو گی اور نہ فلاح آخرت۔ چنانچہ اب تک بنیادی طور پر ہم نے یہی ثابت کیا۔ مگر اب اس کے بعد دوسری مجلدات میں خصوصاً" جلد دوم میں یہ ثابت کیا جائیگا کہ قرآن و جماعت اسلامیہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق اور قرآن مجید وغیرہ وغیرہ پر ایمان لانے کا صحیح مطلب اور اس کی محسوس و مشہود حقیقت کیا ہے کہ جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ مومن و مسلم کون ہے اس کی دنیاوی زندگی کیسی ہو گی' اور خیرالامم ہونے کی بین علامات کیا کیا ہیں۔ جن سے انکار کسی صورت میں بھی نہ ہو سکے' اور تھوڑی بہت عقل و شعور رکھنے والا بھی اس نتیجہ پر نہایت آسانی سے پہنچ جائے کہ

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

اور یہ کہ صدر اول کے بعد آنے والی نسلوں نے ایمان و اسلام کا مفہوم کیا لیا ہے۔ جو قرآن سے بالکل مختلف ہے۔ کیونکہ اگر وہ قرآن کے مطابق ہوتا تو یقیناً" وہ اعلون اور کفار پر غالب و حاکم ہوتے۔ بلکہ روز بروز ابتری و تنزل ہوتا جارہا ہے۔ لٰہذا ثابت ہوا کہ بعد میں خواہ ارادی طور پر یا غیر ارادی طور پر جو اسلام پیش کیا گیا ہے اس کا خدا و رسول اور قرآن مجید سے کہیں دور کا بھی واسطہ نہیں۔

اس لئے جماعت اسلامیہ نے اس اسلام کے برعکس اسلام و ایمان کا مفہوم پیش کیا ہے جس کو آپ نے اجمالی یا بنیادی طور پر دیکھ اور سمجھ لیا ہے۔ ممکن ہے بلکہ یقین ہے کہ اکثر حضرات کو ہمارا عملی و اخلاقی اسلام اس لئے پسند نہ ہو گا بلکہ غلط ہو گا کہ ان کے مزعومہ و

مخترعہ اصول و قواعد پر نہیں اتر سکے گا۔ کیونکہ ان کے اکثر و بیش تر اصول دین اعتقادی ہیں۔ اور قرآن و جماعت اسلامیہ کے اصول و قواعد' لغات و اشعار عربیہ سے مستنبط نہیں بلکہ دین فطرت کے اصطلاحی و مذہبی اصول ہیں جو سرتاپا اعمال صالحہ و اخلاق فاضلہ پر منتج ہوئے ہیں۔

نیز اس کے بعد صرف علمی نکتہ نگاہ سے ایمان پیش نہیں کرتا' کیونکہ ہم عالم و فاضل نہیں۔ بلکہ سیدھے سادھے امی مسلمان ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ علمی جولانیوں و منطقی موشگافیوں میں ہم ٹھوکر کھا جائیں' بلکہ عملی و محسوس صورت میں ایمان کی تفسیر کریں گے جس میں کسی طرح کبھی غلطی لاحق نہیں ہو سکتی۔ گویا وہ اس قدر واضح و روشن ثبوت ہو گا جس سے کوئی ادنیٰ سا علم و عقل رکھنے والا صاحب قلب سلیم بھی انکار نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ اس کا تعلق علم و ادب سے نہیں بلکہ مشاہدات و محسوسات اور مرئی و مشہود نتائج و ثمرات سے ہو گا جس کو دیکھ اور سمجھ کر ہر شخص پکار اٹھے گا کہ

ولایت' بادشاہی' علم و اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں فقط اک نکتہ ایماں کی تفسیریں

ان اريد الا الاصلاح ما استطعت

میں تو صرف اپنی استطاعت کے مطابق (موجودہ حالات کی) اصلاح چاہتا ہوں۔

وما توفيقي الا بالله

اور مجھے تو (اس ارادے کی کامیابی کی) کوئی توفیق نہیں' مگر اللہ تعالیٰ (کی تائید) کے ساتھ (ضرور ہے)

عليه توكلت واليه انيب

میں نے صرف اسی پر توکل کیا ہے' اور اسی کی طرف رجوع کرتا (ہوا اقدام عمل کرتا) ہوں

(پارہ ۱۲ سورۃ ہود رکوع ۷)

غرض از مسجد و مندر فقط وصل شماست

جزایں خیال ندارم خدا گواہ من است

ع   کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

نیز یہ معلوم ہو جائے گا کہ جو قوم من حیث الجماعت' مدعی ایمان و اسلام ہونے کے بھی اس دنیائے فانی میں سرخرو اور اعلون و حاکم نہ ہو تو وہ قطعاً" قرآن کی روشنی میں مومن نہیں۔ اور نہ اس کی قیامت میں بخشش ہو گی۔

علاوہ ازیں باقی مجلدات میں جماعت اسلامیہ کے بنیادی دس (۱۰) اصول قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل و مدلل پیش کئے جائیں گے۔ انشاء اللہ العزیز الحکیم

فسبحن ربک رب العزت عما یصفون ○ وسلام علی المرسلین ○ والحمد للہ رب العلمین ○

والسلام علی من اتبع الھدے ○

زباں نہ نکتہ فرماند' راز من باقیست

بضاعت سخن آخر شد و سخن باقیست

(باقی)

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

دوست ایسوسی ایٹس کی مطبوعات

تاریخ مخزن پنجاب	مفتی غلام سرور قریشی لاہوری	450
مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان	علامہ عبدالوحید خان	400
اسلامی ریاست کا مالیاتی اور بنکاری نظام	پروفیسر رفیع اللہ شہاب	[redacted] 130
مذہبی جماعتوں کا فکری جائزہ	مولانا عمر احمد عثمانی	80
تعلیمات قرآن	علامہ اسلم جیراجپوری	100
نکات قرآن	علامہ اسلم جیراجپوری	90
تاریخ القرآن	علامہ اسلم جیراجپوری	60
سفرنامہ اسیر مالٹا	مولانا حسین احمد مدنیؒ	80
سنہری باتیں	ندیم شاہد مغل چشتی	40
بغاوت	درشن سنگھ آوارہ	40
روایات اصل دین نہیں	پروفیسر علی حسن مظفر	120
جاگ مسلمان جاگ	پروفیسر علی حسن مظفر	80
ملا یا اسلام	پروفیسر علی حسن مظفر	75